دُنیاؤں کی دریافت

قدیم تہذیبیں

کلام

قدیم تہذیبیں

کلام

دُنیاؤں کی دریافت

قدیم تہذیبیں

- بابل و نینوا کی تہذیب کیسے پھلی پھولی...
- روم کو اتنا عروج کیسے ملا ...
- بُدھ مت کے ماننے والے کون تھے...
- انسانوں کو دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھانے کی رسم کا آغاز کیسے ہوا...
- فراعین نے مصر کو شان و شوکت کیسے بخشی...
- دیوارِ چین کیسے تعمیر ہوئی...
- انکائیوں کی تاریخ ہمیں کیا بتاتی ہے ...
- انسان نے مختلف ادوار میں ترقی کیسے کی ...

قدیم انسان کون تھے، وہ کیسے رہتے سہتے تھے، اُن کی زبان کیا تھی، وہ کیسا لباس پہنتے تھے اور پھر اُن تہذیبوں نے رفتہ رفتہ کیسے ترقی کی اور وہ کیا وجوہات تھیں کہ یہ مٹ گئیں۔

ایسے بہت سے پُرتجسس سوالات ہر ذہن میں کہیں نہ کہیں چُھپے ہوتے ہیں۔ "دُنیاؤں کی دریافت" ایک ایسی سیریز ہے، جو پُرتجسس ذہنوں کو تسلی بخش معلومات فراہم کرتی ہے۔

اِس سیریز کی دیگر کُتب:

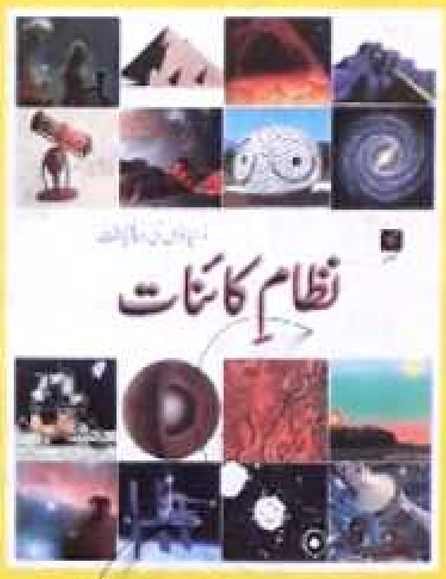

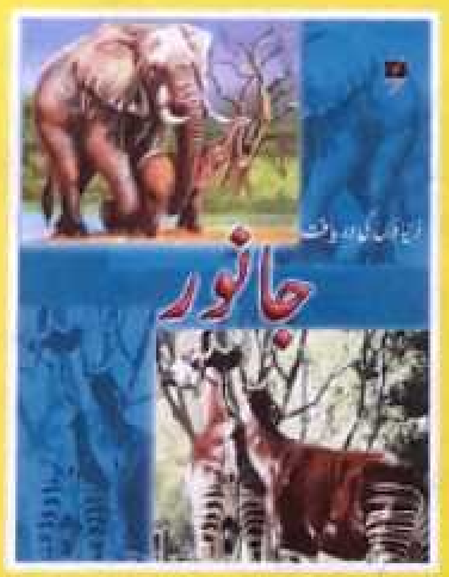

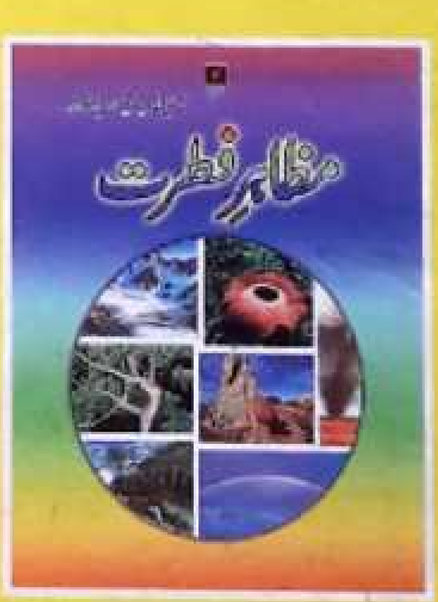

ISBN: 978-969-9262-50-0

www.kalaameducationalbooks.com

کلام
ایجوکیشنل بکس

دُنیاؤں کی دریافت

قدیم تہذیبیں

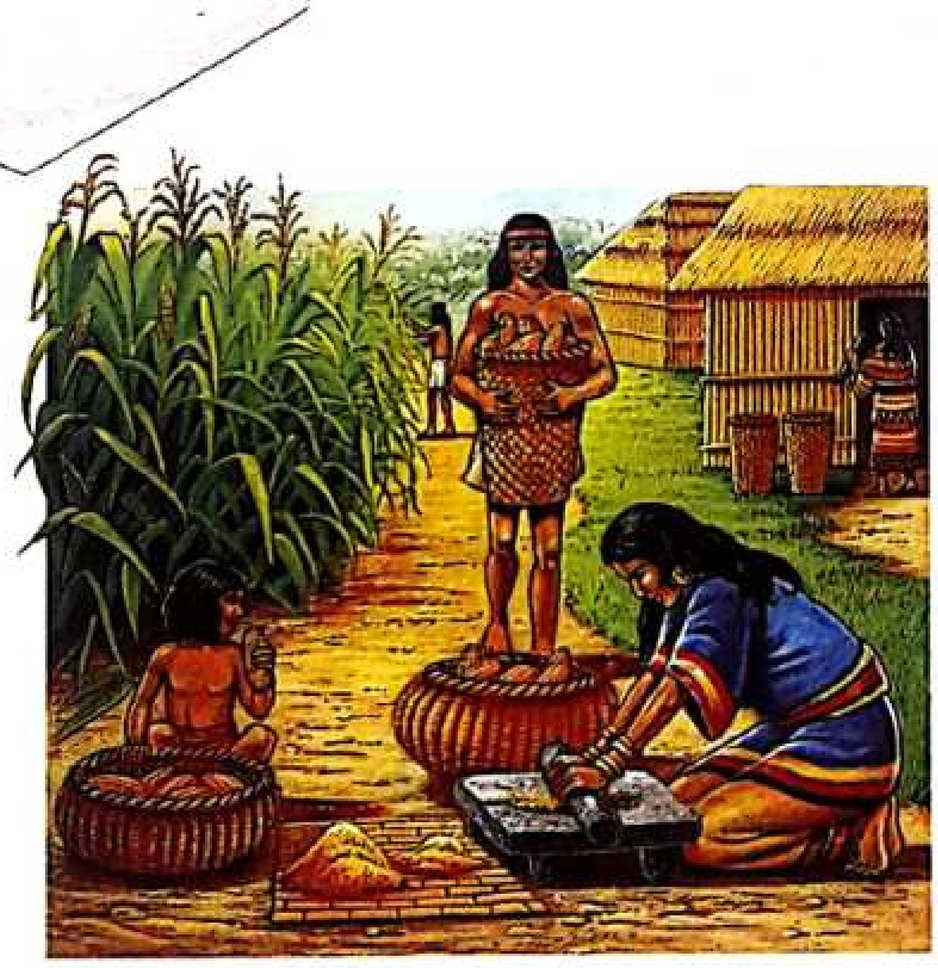

کلام
ایجوکیشنل بکس

© کلام ایجوکیشنل بکس
ڈویژن آف کلام کمیونیکیشن پرائیویٹ لمیٹڈ

دُنیاؤں کی دریافت

قدیم تہذیبیں

ایڈیٹر: شاذیہ اسلام

پہلا ایڈیشن 2009
مجلد
ISBN: 979-969-9262-50-0

Printed in Malaysia

Published by:
Kalaam Educational Books
72 FCC, Gulberg-4
Lahore, Pakistan
Phone: 0092 42 5763 510
Fax: 0092 42 575 1025
Email: keb@kalaamcommunications.com
Web: www.kalaameducationalbooks.com

فہرست

میسوپوٹامیا

دریاؤں کے درمیان واقع ایک ملک	8
بابل، ایک خوب صورت شہر	9
دیوتاؤں کی پوجا	10
گلگامیش کی فرضی جنگی داستان	11
ہاتھ سے لکھی ابتدائی تحریریں	12
اہلِ مصر	13
دریائے نیل اور صحرا	14
اہلِ مصر کے دیوتا	15
اوسرس کی داستان	16
فرعون	17
رعمسیس دوم	18
مندر، ایک مقدس مقام	19
عظیم تعمیرات	20
زندگی بعد از موت	21
کاتبوں کی اہمیت	22
تصویری تحریریں	23
مصری فن	24
جفاکش کسان	25
خاندانی زندگی	26
تجارت	27
مصر کا زوال	28
یونان	29
سمندر اور آتش فشاؤں کے درمیان	30
اولمپس کے دیوتا	31
ایلیڈ اور اوڈیسی	32
دیوتاؤں کا احترام	33
اولمپک کھیلیں	34
طاقت ور سپارٹائی قوم	35
ایتھنز میں جمہوریت	36
ایتھنز	37

امیر شہری کی زندگی	38
عورتوں کی زندگی.....	39
اور بچوں کی زندگی	40
فلسفی	41
تھیٹر	42
دیوتاؤں کے لیے فنونِ لطیفہ کے کمالات	43
نئی آبادیاں اور کاروبار	44
بربریوں کے خلاف محاذ آرائی	45
سکندرِ اعظم	46
روم، شہر سے سلطنت سے کیسے بنا	47
رومولس اور ریمس	48
جمہوریہ اور فتوحات	49
جولیس سیزر	50
رُومی سلطنت	51
نیرو، ایک شہنشاہ	52
ایک بے حد منظّم فوج	53
روم اور اس کے صوبے	54
دیوتاؤں کی پوجا	55
ایک نیا مذہب	56
روم، ایک مثالی شہر	57
ایک امیر رومی کی زندگی	58
رومی بچے	59
ایک غلام کی زندگی	60
کھیل تماشے	61
عظیم معمار	62
رومی اور بربر قبائل	63
سلطنت کا خاتمہ	64
چین	65
وسطی ریاست	66
چینیوں کی دانائی	67
ایک فلسفی، کنفیوشس	68
پہلا شہنشاہ	69
دیوارِ چین	70
چینی کسان	71
چینی گھرانے	72
تحریر، رسم الخط اور خوش نویسی	73
ریشم کے کیڑے پالنا	74

مشہور موجود 75

قدرتی طریقۂ علاج 76

وحشیانہ جنگیں 77

شاہراہِ ریشم 78

آخری بادشاہتیں 79

جاپان 80

موسم، زلزلے اور طوفان 81

جاپانی مذاہب 82

جاپانی بچے 83

ہیآن دَور کا دربار 84

جاپان اور چین 85

شوگن اور سیمورائی 86

قدیم بھارت 87

سمندر اور پہاڑوں کے درمیان 88

ہندومت 89

بُدھا کون تھا؟ 90

ذات پات کا نظام 91

ہندو بچے 92

بھارت اور دنیا 93

مندر 94

مایائی تہذیب 95

ٹکل، ایک سرسبز شہر 96

مذہبی رسومات 97

مایائی کسان کی زندگی 98

تحریریں اور اعداد و شُمار 99

ستارے اور وقت کا حساب 100

ازٹک کون تھے؟ 101

دیوتاؤں کے متعلق توہمات 102

جنونی جنگ جُو 103

شہنشاہ اور عوام 104

ازٹک بچے 105

ایک شان دار شہر 106

یورپی باشندوں کی آمد 107

اہلِ اِنکا کی تاریخ 108
اِنکا کا شہنشاہ 109
عقائد 110
کوہِ اینڈیز کے کسان 111
اِنکائی بچے 112
اِنکائی شہر 113
اہلِ یورپ کی آمد 114
بحری قزّاق 115
عظیم فاتحین 116
بحری جنگ جُو 117
عقائد 118
روزمرّہ زندگی 119
قزّاق بچے 120
بینن کی سلطنت 121
اوبا، سردار دیوتا 122
بینن، شہرِ فن 123
تہذیبوں کے اَدوار 124

میسوپوٹامیا

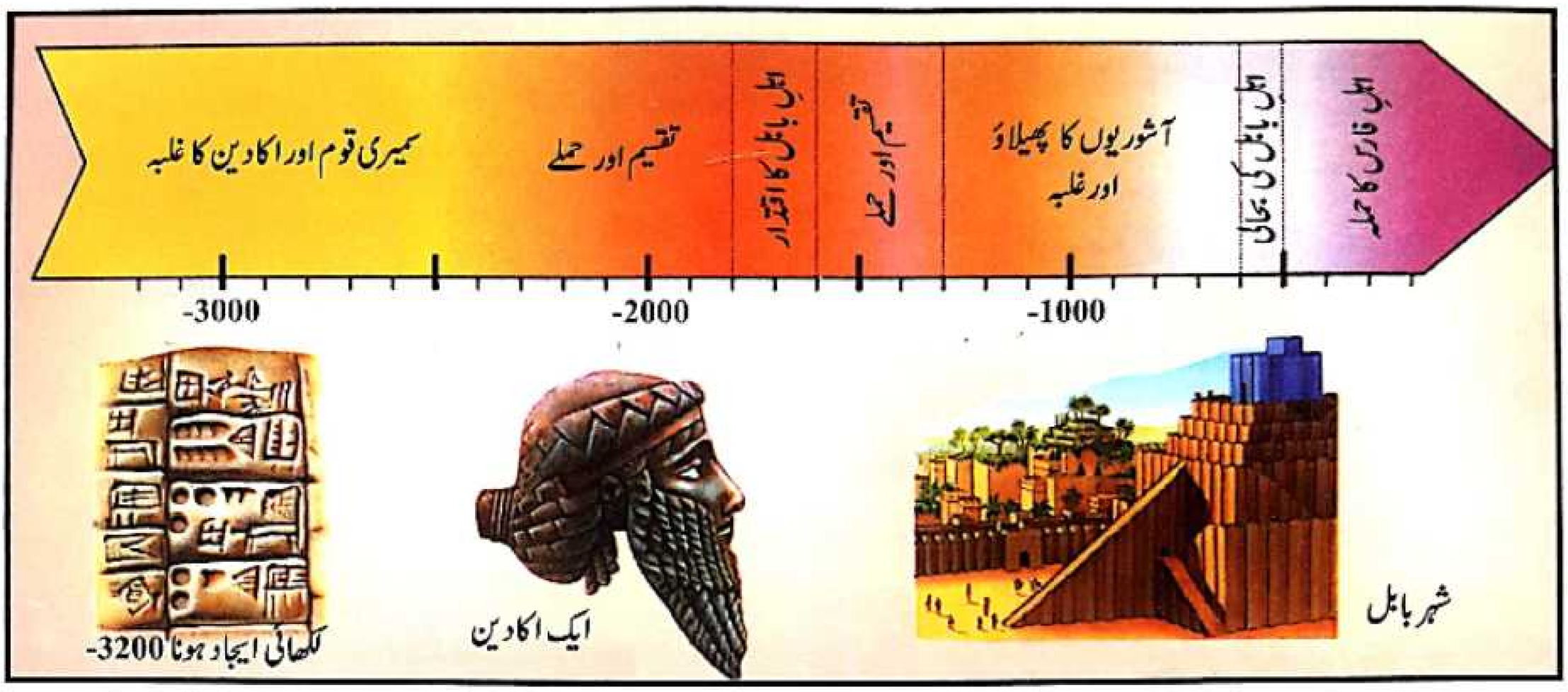

میسوپوٹامیا(Mesopotamia) کی تاریخ طویل اور معرکہ آرا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ دوسری جگہوں سے بہت سے لوگ اِن زرخیز زمینوں پر آباد ہونے کے لیے آتے رہے اور یہاں قبضے کی خاطر ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ یہاں پر آنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ تعداد شامی عربوں کی تھی اور وہ تقریباً ایک جیسی زبانیں بولتے تھے۔

سمیریوں (بابل کے قدیم باشندے) سے تاریخ کا آغاز

تین ہزار سال قبل مسیح میں دو گروہوں، سمیرین (Sumerians) اور اکادین (Akkadians) نے میسوپوٹامیا پر قبضہ کر لیا۔ سمیرین جنوب میں خلیج فارس کے نزدیک رہتے تھے۔ وہ ایک ایسی زبان بولتے تھے جو کسی دوسری زبان سے نہیں ملتی تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے 3200 قبل مسیح میں لکھنے کا آغاز کیا۔ میسوپوٹامیا اُس وقت شہروں میں تقسیم تھا اور ہر شہر پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ 3200 قبل مسیح میں اُن کے ہمسایے اکادین، جو شمال میں آباد تھے، سمیریوں پر قابض ہو گئے اور سلطنت کو کافی وسعت دی۔

اہلِ بابل کا زمانہ

دو ہزار سال قبل مسیح میں ایمورائٹس (Amorites) اور بعد میں آرمینائی (Arameans) میسوپوٹامیا میں آباد ہوئے، جو بعد میں مزید کئی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا لیکن اٹھارہویں صدی میں شاہِ بابل حمورابی (Hammurabi) نے ایک مضبوط ریاست کی بنیاد رکھی جو خلیج فارس سے ماری تک پھیلی ہوئی تھی۔ شہرِ بابل اُس دور میں عظیم مذہبی اور ثقافتی مرکز بن گیا تھا۔

آشوریوں کا زمانہ

ایک ہزار سال قبل مسیح میں آشوریوں (Assyrians) نے، جو میسوپوٹامیا کے شمال میں آباد ہو گئے تھے، اپنا اثر و رسوخ جنوب تک بڑھا لیا۔

زوال

539 قبل مسیح میں اہلِ فارس نے اِس علاقے پر حملہ کر دیا۔ میسوپوٹامیا کی تہذیب آہستہ آہستہ فراموش ہو گئی لیکن آج کل ماہرینِ آثارِ قدیمہ اِسے دوبارہ دریافت کر رہے ہیں۔

میسوپوٹامیا

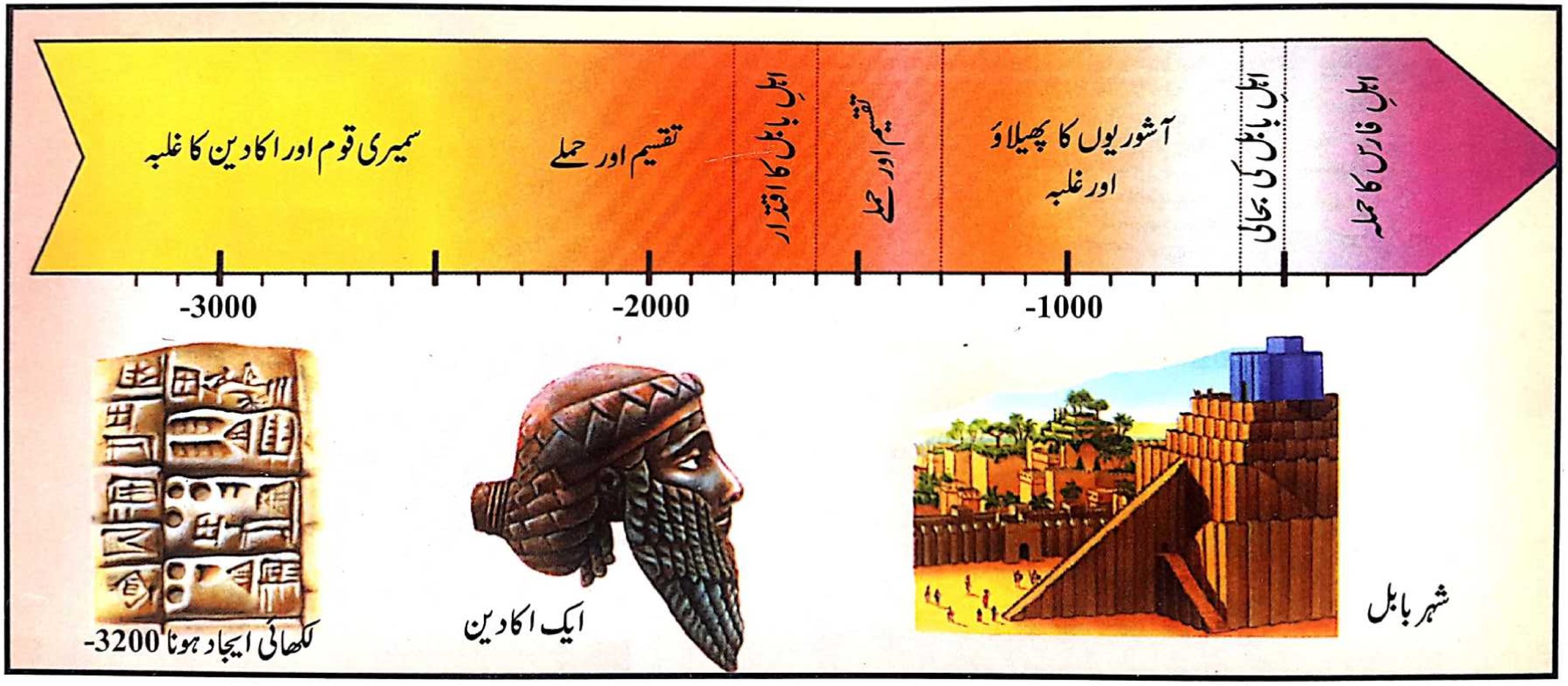

دریاؤں کے درمیان واقع ایک مُلک

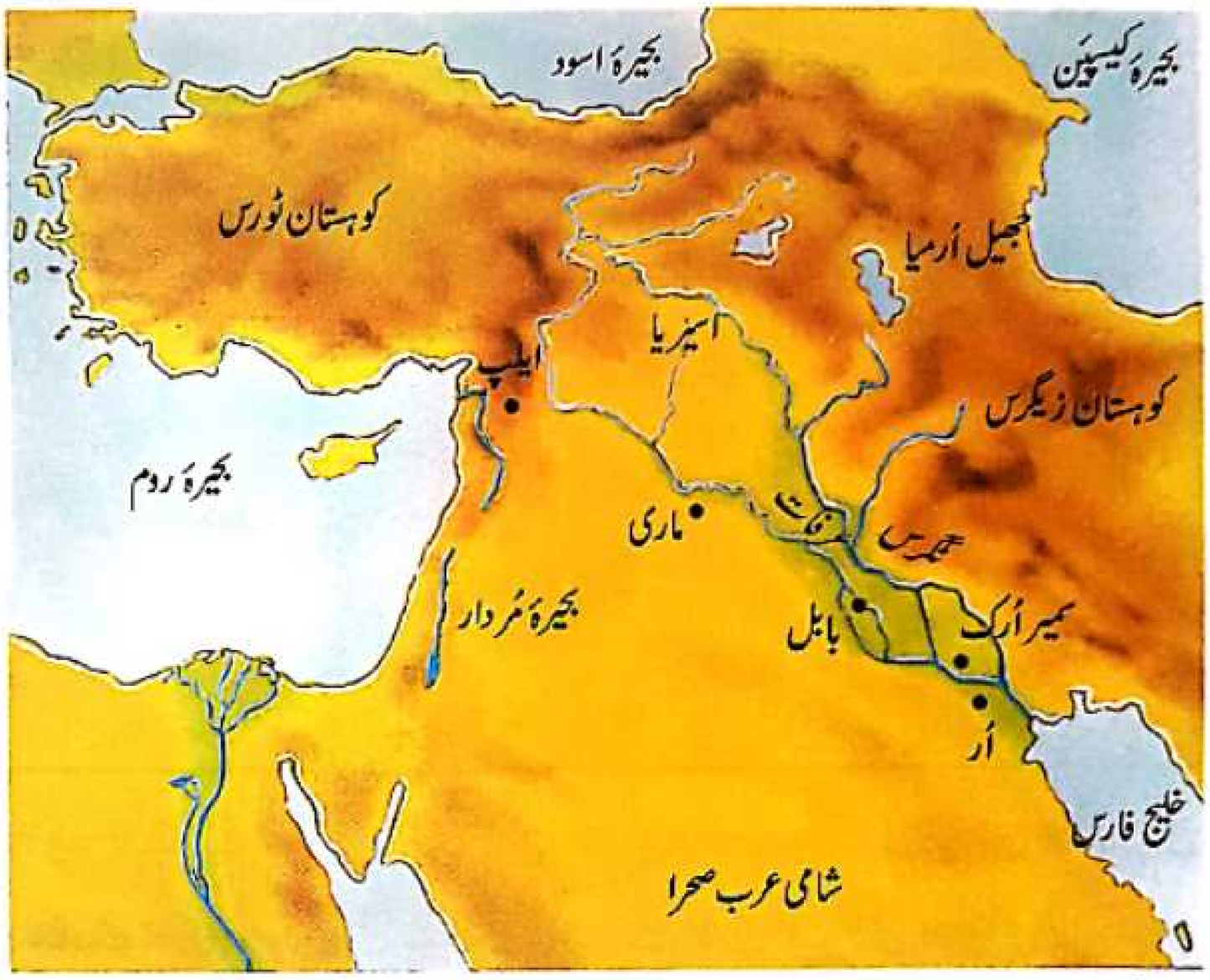

یونانی زبان میں ''میسوپوٹامیا'' کا مطلب ہے ''دریاؤں کے درمیان واقع ایک مُلک۔'' دراصل یہ لفظ اُس علاقے کے حوالے کے طور پر استعمال ہوا ہے جو ٹگرس (Tigris) اور عرفات (Euphrates) کے آگے پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک تکون ہے جس نے دونوں دریاؤں کے دہانوں، ایلپ شہر اور جھیل اُرمیا کی حدود متعین کر رکھی ہیں۔ آج کل اِس کا تعلق موجودہ عراق کے ایک بہت بڑے حصے کے ساتھ ہے۔

دو مُفید دریا

دریائے عرفات جو 2780 کلو میٹر اور ٹگرس جو 1950 کلو میٹر لمبا ہے، کا منبع کوہِ آرمینیا میں ہے اور یہ خلیج فارس میں جا کر گرتے ہیں۔ یہ دریا اپنے راستے میں دو خالص مٹی کی بڑی وادیوں کو سیراب کرتے تھے۔ یہاں کسان گندم اور جو کی کاشت کرتے تھے اور بھیڑ بکریاں پالتے تھے۔ اِس زرخیز علاقے سے آگے گھاس کے میدان اور صحرا پھیلے ہوئے تھے، جہاں مویشی پالنے والے خانہ بدوش رہتے تھے۔

مُوسلا دھار بارشیں

بے قاعدہ بارشیں ٹورس (Tourus) اور زیگرس (Zagros) کے پہاڑوں پر برستی تھیں۔ جب شدید بارشیں ہوتیں تو یہ طوفانی سیلابوں کا سبب بن کر تباہی مچا دیتیں۔ تودے گرنے سے گاؤں دریا بُرد ہو جاتے اور میدان، کیچڑ کی جھیلوں تلے دب جاتے تھے۔ جب یہ بارشیں نہ ہوتیں تو دریا خُشک ہو جاتے۔ خُشک سالی کی وجہ سے فصلیں تباہ ہو جاتیں اور عوام بھوکوں مرنے لگتے۔

دو مقدس دریا

میسوپوٹامیا کے عوام دریائے فرات اور دریائے ٹگرس کو اپنا دیوتا مانتے تھے۔ کبھی کبھی اِن سے انصاف طلب کرنے کی خاطر ملزموں کو اِن مقدس دریاؤں میں ڈُبکی لگوائی جاتی۔ اگر دریا کسی کو ڈبو دیتا تو اُسے مجرم سمجھ لیا جاتا اور اگر وہ اُس سے زندہ بچ کر باہر نکل آتا تو اُسے بے گناہ سمجھ لیا جاتا تھا۔

میسو پوٹامیا کے باشندے دریاؤں سے نہریں نکال کر کھیت سیراب کرتے تھے اور موسم کے لحاظ سے وہ وافر پانی کو آنے والے موسموں کے لیے محفوظ بھی کر لیتے تھے۔

بابل، ایک خوب صورت شہر

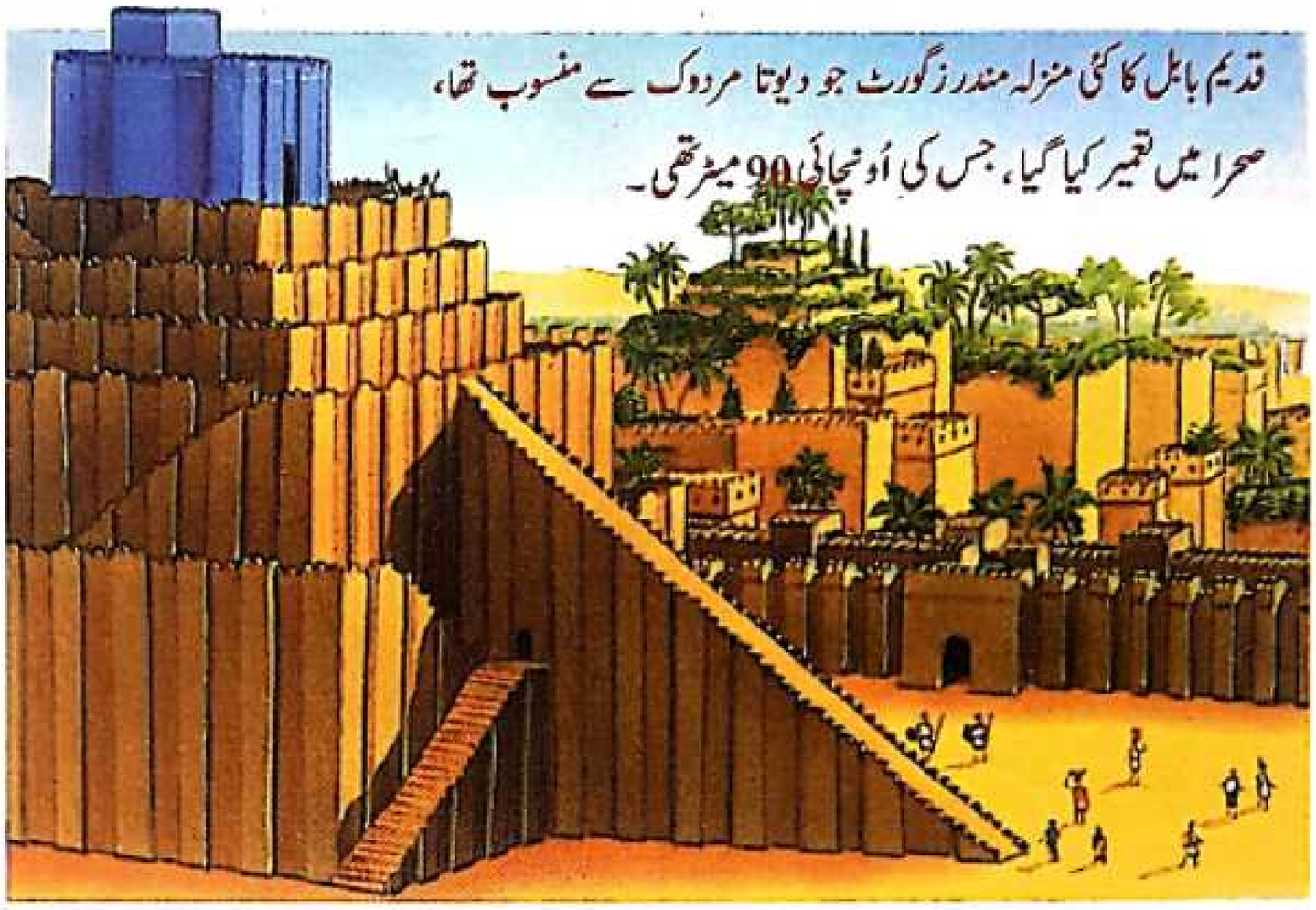
قدیم بابل کا کئی منزلہ مندر زگورٹ جو دیوتا مردوک سے منسوب تھا، صحرا میں تعمیر کیا گیا، جس کی اُونچائی 90 میٹر تھی۔

شہرِ بابل جو دریائے فرات کے کنارے تعمیر کیا گیا تھا، اٹھارہویں صدی قبل مسیح میں حمورابی (Hammurabi) کی سلطنت کا دارالخلافہ بنا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں نیبوکن زار (Nebuchadnezzar) کے عہدِ حکومت میں کوئی بھی مشرقی شہر اِس شہر کی خوب صورتی، دولت اور مذہبی بالا دستی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اہلِ بابل کا دیوتا

اہلِ بابل مردُوک (Marduk) کو سب سے بڑا دیوتا سمجھتے تھے۔ دو ہزار قبل مسیح کے اختتام پر وہ میسوپوٹامیا کا سب سے بڑا دیوتا تسلیم کیا جانے لگا۔ بابل کا ہر بادشاہ اپنی حکومت کے آغاز پر مندر میں جاتا اور مردُوک کے مجسمے پر اپنا ہاتھ رکھتا۔ اِس طریقے سے وہ اپنے اُس دیوتا سے طاقت حاصل کرتا تھا۔

زگورٹ (Ziggurat) کیا ہے؟

یہ ایک بہت بڑا مینار ہے جو آسمان تک بلند نظر آتا ہے۔ اِس کے ذریعے لوگ اپنے دیوتاؤں تک رسائی حاصل کرتے تھے۔ اِس کی بلند چوٹی سے لوگ ستاروں کا مشاہدہ بھی کرتے تھے۔

ایک بے حد محفوظ شہر

اِس شہر کے اِرد گرد ایک مرکزی دیوار تعمیر کی گئی تھی جو 6 میٹر چوڑی اور 18 کلو میٹر لمبی تھی۔ اندرونی دیواریں شہر کے مرکزی حصے کی حفاظت کرتی تھیں۔ شہر بابل کے درمیان آٹھ دروازے کھلتے تھے، اُن میں سب سے عظیم الشّان دروازہ اشتر دروازہ (Ishtar gate) تھا (نیچے تصویر ملاحظہ ہو)۔

بابل کی شان و شوکت

بابل کی شان و شوکت اِس کے شاہی محل، زگورٹ، درجنوں فلک بوس مندر، معلّق باغات اور دریائے فرات کو عبور کرنے کے لیے 115 میٹر لمبے پُل سے منسوب تھی۔

اشتر گیٹ کو 575 بیلوں کی تصاویر اور چمک دار نیلے رنگ سے مزّین کیا گیا تھا۔ بہت بڑے بڑے جلوس اِس میں سے گزرتے تھے۔

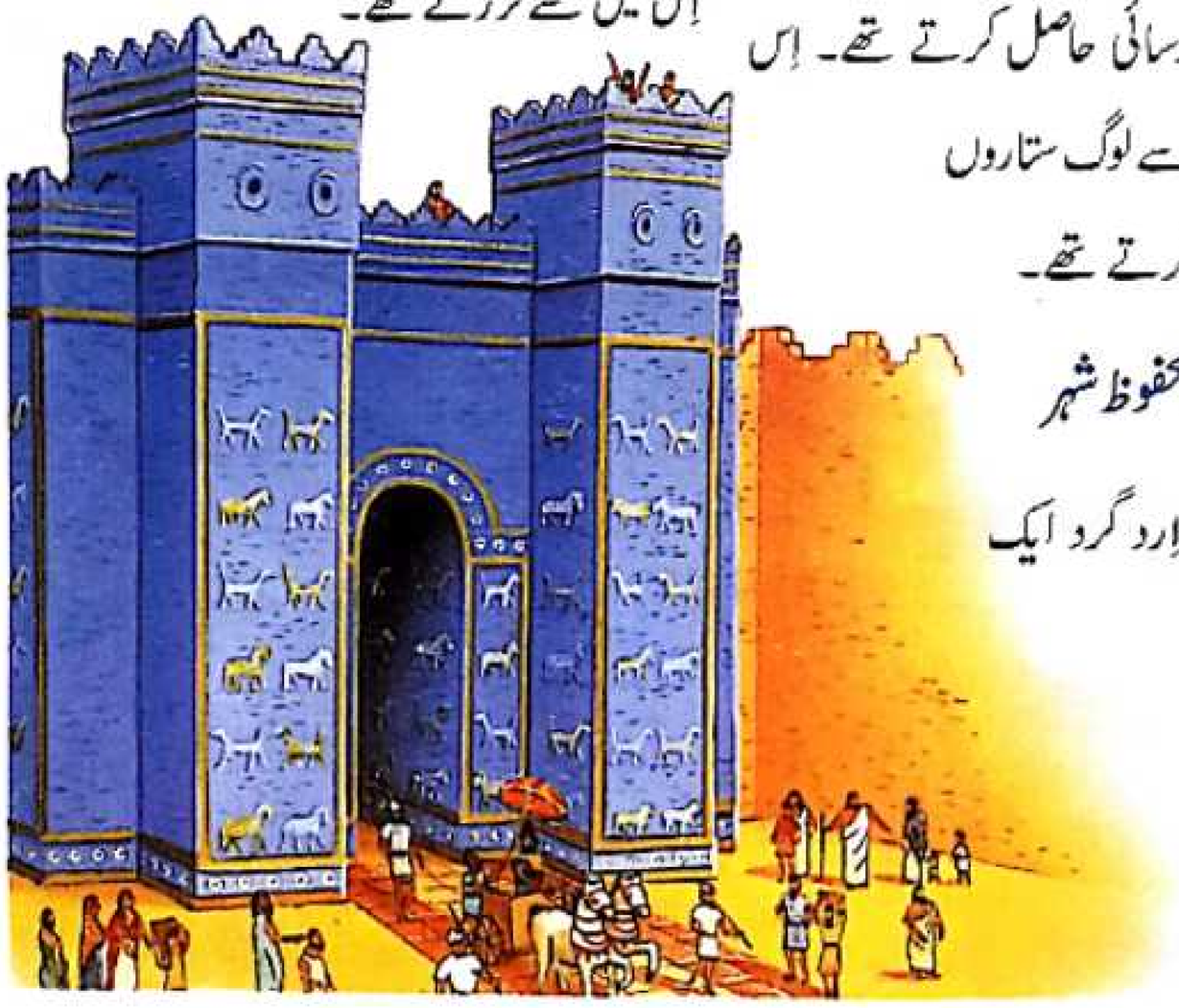

دیوتاؤں کی پوجا

میسوپوٹامیا کے رہنے والے ایک ایسی مافوق الفطرت اور پوشیدہ دُنیا پر یقین رکھتے تھے جسے اُن کی زندگیوں پر مکمل اختیار تھا۔ وہ عالمِ بالا سینکڑوں دیوتاؤں سے آباد تھا، جو انسانوں جیسے تھے۔ زمین پر بھی وہ ویسی ہی بہتر خصوصیات کے مالک تھے اور اِس کے ساتھ ساتھ اُن میں کچھ کوتاہیاں بھی تھیں لیکن اُن میں غیر معمولی طاقت اور حُسن تھا اور وہ لافانی سمجھے جاتے تھے۔

کیا تمام دیوتا برابر تھے؟

نہیں۔ انلِل (Enlil) سب سے بڑا دیوتا تھا، جو سب پر حکمرانی کرتا تھا۔ اُس کا بھائی انکالہ (Enki-la) سمندروں اور دریاؤں پر حکمران تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ انسانوں کو تخلیق کرتا اور اُن کا دوست ہے۔ انلِل کی بیوی انانا اِشتر (Inanna-Ishtar) جنگ اور محبت کی دیوی تھی۔ کم درجے کے بہت سے دیوتا انلِل کے احکامات، زمین پر بسنے والوں تک پہنچاتے تھے۔ اِس طرح ہر چیز، ہر پیشے اور ہر حالت کا ایک الگ دیوتا مقرر تھا۔

میسوپوٹامیا والے توقع رکھتے تھے کہ دیوتاؤں اور اُن کے مندروں کی سجاوٹ سے اُنہیں اُن کی مدد اور حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اُن کے نزدیک دیوتاؤں کو خوش کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز قابل قدر اور اچھی نہ تھی۔

دیوتاؤں کا حد درجہ احترام

لوگوں کے نزدیک اِس دُنیا میں ہر اچھا بُرا واقعہ اِن دیوتاؤں کی مرضی کے عین مطابق ہوتا تھا۔ وہ مختلف علامتوں کو بے حد اہمیت دیتے تھے، مثلاً خُشک موسم میں زبردست بارش کا مطلب تھا کہ اُن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ عقیدت مند لوگ مندر، مجسمے، ہیرے، عبادتیں اور گیت اُن کی نذر کرتے اور اُن کے احترام میں میلوں ٹھیلوں کا اہتمام کرتے تاکہ اُنہیں معافی مِل جائے یا پھر یہ کہ اُن دیوتاؤں کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے۔

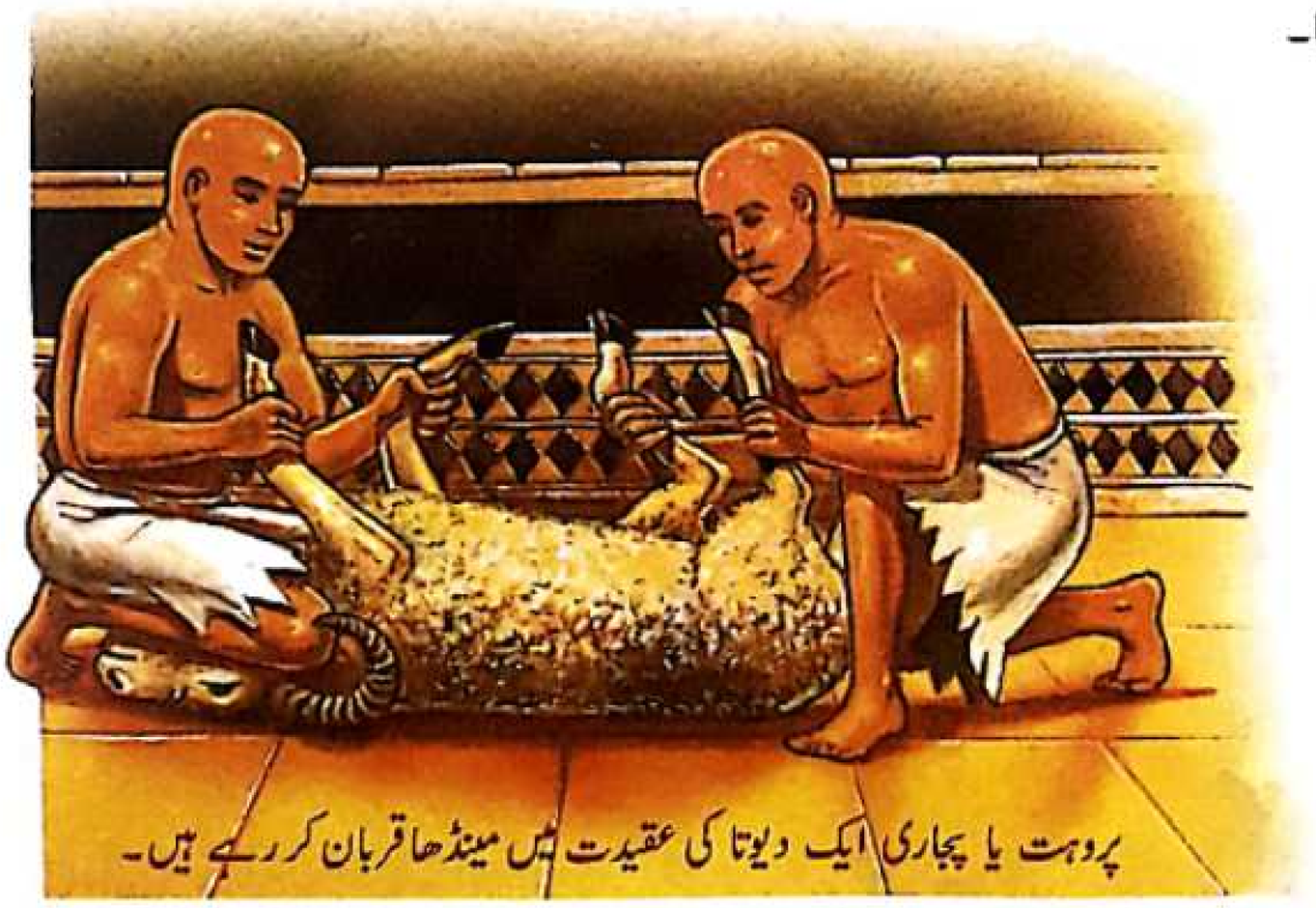

پروہت یا پجاری ایک دیوتا کی عقیدت میں مینڈھا قربان کر رہے ہیں۔

گلگامیش کی فرضی جنگی داستان

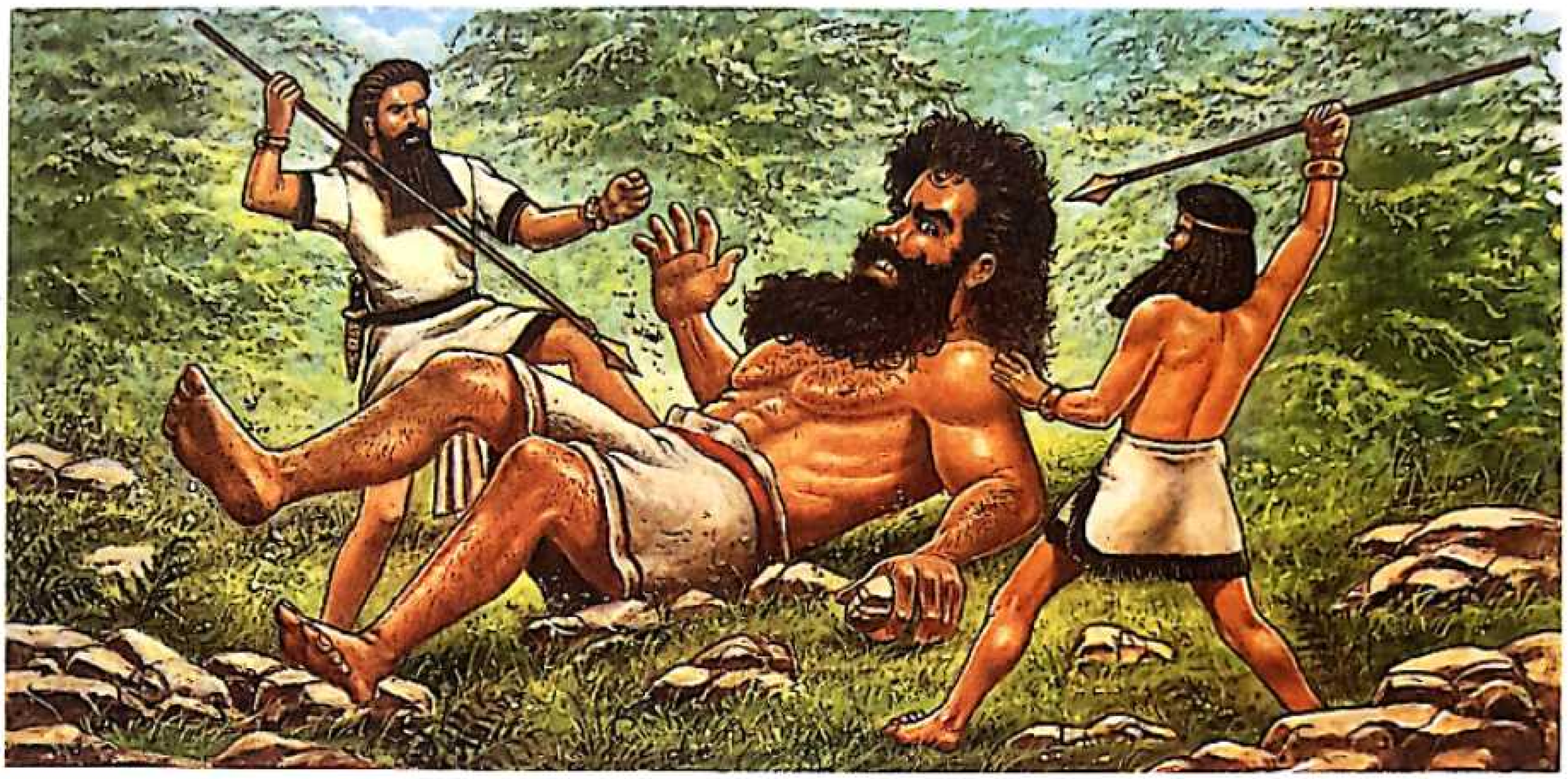

اینکید و اور گلگامیش، دیو ہواوا پر حملہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔

گلگامیش (Gilgamesh) کی رزمیہ نظم، ایک ایسی طویل نظم ہے جو اکادین زبان میں لکھی گئی۔ یہ ہمیں ایک بادشاہ کی نیم افسانوی کہانی سناتی ہے، نیز یہ نظم شجاعت، دوستی اور ابدی زندگی کی تلاش کے متعلق بھی بیان کرتی ہے۔

گلگامیش کون تھا؟

گلگامیش، اُرک (Uruk) کا نوعمر بادشاہ تھا۔ وہ ایک دیوی اور دیوتا کا بیٹا تھا۔ وہ خوبصورت، دلیر اور طاقت ور تھا، اس لیے اپنے آپ کو ناقابل شکست سمجھتا تھا۔

اینکیدو، دیوتاؤں کا تخلیق کردہ

دیوتا، گلگامیش کو سبق سکھانا چاہتے تھے۔ اس غرض سے انہوں نے اس کا حریف اینکیدو (Enkidu) تخلیق کیا۔ گلگامیش کو جب اس کے وجود میں آنے کا علم ہوا تو اس نے اینکیدو کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ان میں سے کوئی بھی جنگ جیت نہ سکا، بلکہ دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوست بن گئے۔ اُن سے حکم عدولی کا فعل سرزد ہوا اور وہ صنوبر کے جنگل میں داخل ہو گئے جہاں داخل ہونا منع تھا۔ اس طرح انہوں نے دیو ہوواوا (Huwawa) کے غضب کو دعوت دی جو اس جنگل کا محافظ تھا۔ انہوں نے اُس دیو کو قتل کر دیا اور اپنے کارنامے پر فخر کرتے ہوئے واپس اُرک پہنچ گئے۔

سزا

گلگامیش نے محبت کی دیوی اشتر (Ishtar) کی پیش کشیں ٹھکرا دیں۔ اس مرتبہ دیوتاؤں نے اسے سزا دینے کا فیصلہ کیا اور اس کے دوست اینکیدو کو ہلاک کر دیا۔ غم زدہ گلگامیش اپنے دوست کے لیے بہت رویا۔ جس موت سے وہ فرار چاہتا تھا، اس کی حقیقت سے وہ آگاہ ہو چکا تھا۔

کیا گلگامیش غیر فانی ہو سکا؟

گلگامیش ابدی زندگی کی تلاش میں ایک طویل بحری سفر پر روانہ ہو گیا۔ دورانِ سفر ایک خطرناک سمندر کی تہ میں اُسے سدا بہار جوانی کا پودا مل گیا لیکن واپسی کے سفر میں ایک ناگ نے اُسے اُس جادوئی پودے سے محروم کر دیا اور یوں اُس کی ابدی زندگی کی خواہش اَدھوری رہ گئی۔

ہاتھ سے لکھی ابتدائی تحریریں

ابتدائی رسم الخط، تقریباً 3200 قبل مسیح میسوپوٹامیا (Mesopotamia) میں سمیر (قدیم بابل) میں پروان چڑھا۔ تاجروں کو تبادلہ کی ہوئی اشیا کی پڑتال کرنے اور انہیں اچھی طرح یاد رکھنے کے لیے کسی رسم الخط کی ضرورت تھی۔ آہستہ آہستہ سمیری زبان کے تمام حروف لکھے جانے لگے، اس طرح اُن کی زندگی کے مختلف طریقے اور خیالات محفوظ ہونے لگے۔

مٹی کے گیند

سمیری تاجر اپنے مال کے ساتھ مٹی کا ایک گیند بھی بھیجتے جو ٹینس کے گیند جتنا ہوتا تھا۔ اُس گیند کے اندر اشیا کی تعداد کے برابر مہریں لگی ہوتی تھیں، شاید انہیں کیلکیولی (Calculi) کہا جاتا تھا، مثال کے طور پر 10 بھیڑوں کے گلے کے لیے 10 گول مہریں ہوتیں۔ مال کی آمد پر گیند توڑا جاتا اور مہریں گن لی جاتی تھیں۔ اس کے بعد سمیریوں نے گیند کی بیرونی سطح پر نشانات اور علامتیں لگانی شروع کر دیں جو مال کے مندرجات کو ظاہر کرتی تھیں۔ اس طرح تحریر ایجاد ہوگئی اور مہروں کی ضرورت نہ رہی۔ گیندوں کی جگہ مٹی کی تختیوں نے لے لی۔

ایک تصویری معمہ

سمیری رسم الخط میں چیزوں کو خاکوں کی صورت میں ظاہر کیا جاتا تھا اور صدیوں تک آوازوں اور حروفِ تہجی کو خاکوں کے ذریعے ہی ظاہر کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد سمیری رسم الخط میں تصویری معمے استعمال کیے جانے لگے جن کے باعث اکادی جیسی دوسری زبانوں کی نقل ممکن ہوگئی۔

میخی رسم الخط

سمیریوں کے رسم الخط کے نشانات میخوں جیسے ہوتے تھے، اسی لیے اس رسم الخط کو یہ نام دیا گیا۔ یہ نام اس کی مخصوص تحریری ضربوں سے اخذ کیا گیا تھا۔

ابتدا میں، تحریر کا استعمال محض بار برداری کے جانوروں اور اشیا شمار کرنے کے لیے ہوتا تھا۔ بعد میں اسے عبادت گاہوں کی سجاوٹ اور قوانین لکھنے کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا۔

ایک کاتب مٹی کی تختی پر نوک دار سرکنڈے سے لکھ رہا ہے۔

اہلِ مصر

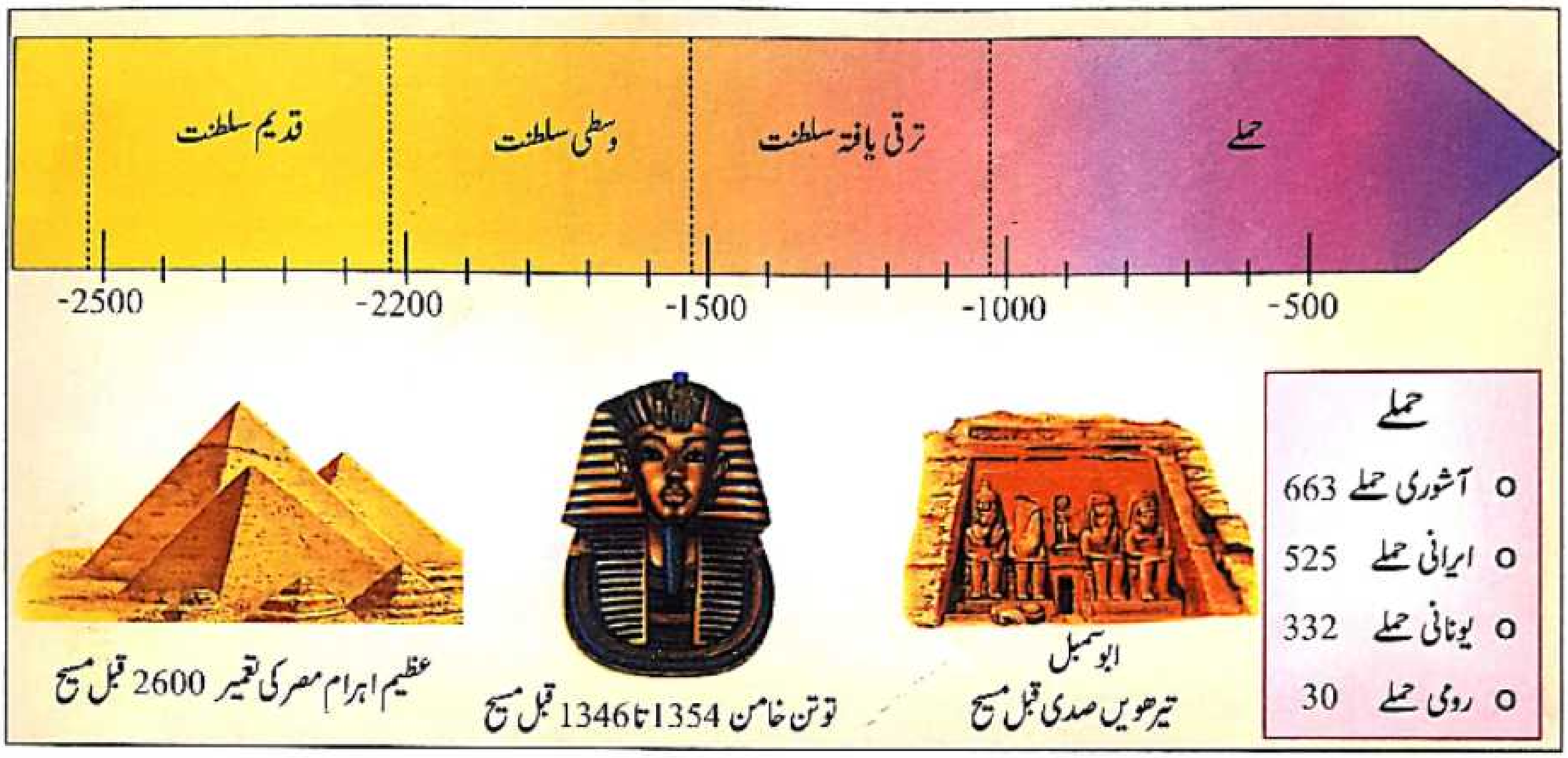

مصری تہذیب تمام تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ مدت تک قائم رہنے والی تہذیب ہے۔ یہ تہذیب تین ہزار سال تک جاری رہی۔ اِس دوران تقریباً تیس خاندانوں اور بادشاہوں نے مصر پر حکومت کی اور دو سو سے زیادہ خود مختار حکومتیں اور فراعین یکے بعد دیگرے حکمرانی کرتے رہے۔

مینس سے قلوپطرہ تک

فرعونِ اوّل مینس (Menes) نے 3000 سال قبل مسیح حکومت کی۔ اُس نے بالائی مصر کے شمال سے زیریں مصر کے جنوب تک کے علاقے کو ایک سلطنت بنا دیا۔ مینس کے بعد تمام فراعین دوہرا تاج یعنی بالائی مصر کے لئے سفید اور زیریں مصر کے لیے سُرخ تاج پہنتے تھے، جو دونوں علاقوں کے اتحاد کی علامت تھا۔ پہلی صدی قبل مسیح میں رومی فتح سے پہلے، قلوپطرہ مصر کی آخری مطلق العنان اور خود مختار ملکہ تھی۔

تین عظیم ادوار:

مؤرخین نے اِس طویل تاریخی دور کو درج ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

ابتدائی سلطنت

یہ وہ دَور تھا جس میں بڑے بڑے اہرام بنائے گئے۔ صدر مقام میمفس (Memphis) تھا۔

وسطی سلطنت

یہ جنگوں اور فتوحات کا دور تھا۔ نوبیا (Nubia) پر قبضہ کیا گیا۔ تھیبس (Thebes) سلطنت کا دارُ الحکومت بنایا گیا۔

ترقی یافتہ سلطنت

یہ مصری تہذیب کا انتہائی شاندار دَور تھا۔ مصر کا علاقہ کبھی اتنا وسیع نہیں تھا اور نہ ہی پہلے کبھی تجارت اتنی ترقی یافتہ تھی۔ فرعونوں کے لئے شان دار مندر مثلاً کرنک (Karnak)، لکسر (Luxor) اور ابوسمبل (Abu simble) تعمیر کئے گئے۔ یہ وہی دَور تھا جب ہٹشاپسٹ (Hatshepsut) (مصر کی واحد ملکہ جس نے تخت پر قبضہ کر لیا تھا)، توتن خامن (Toutan Khamen) اور رعمسیس دوم (Ramses II) حکمران تھے۔ اِس کے بعد مصر کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ اِن مختلف ادوار میں کمزور پڑتی ہوئی حکومتوں اور دشمنوں کے حملوں نے ملک کو مکمل بدامنی کی طرف دھکیل دیا۔

اہلِ مصر

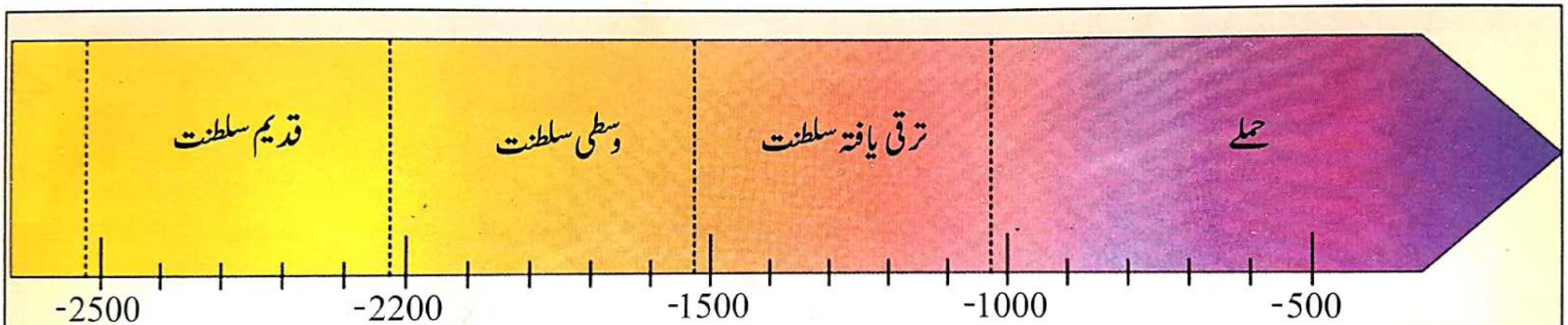

عظیم اہرامِ مصر کی تعمیر 2600 قبل مسیح

توتن خامن 1354 تا 1346 قبل مسیح

ابو سمبل
تیرھویں صدی قبل مسیح

حملے

- آشوری حملے 663
- ایرانی حملے 525
- یونانی حملے 332
- رومی حملے 30

دریائے نیل اور صحرا

دریائے نیل کے کنارے طویل نخلستانوں جیسے ہیں جو بڑھ کر صحرائے مصر تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انسان ان سرسبز و شاداب علاقوں کو عبور کر کے اُن خشک علاقوں میں پہنچ سکتا ہے، جہاں کچھ بھی نہیں اُگتا۔ مصری تہذیب اِسی دریائے نیل کے کناروں کے ساتھ ساتھ پھلی پھُولی۔ رفتہ رفتہ یہ جگہ عوام، شہروں، اہراموں، مندروں اور ہر قسم کی معاشی ترقی کا مرکز بن گئی۔

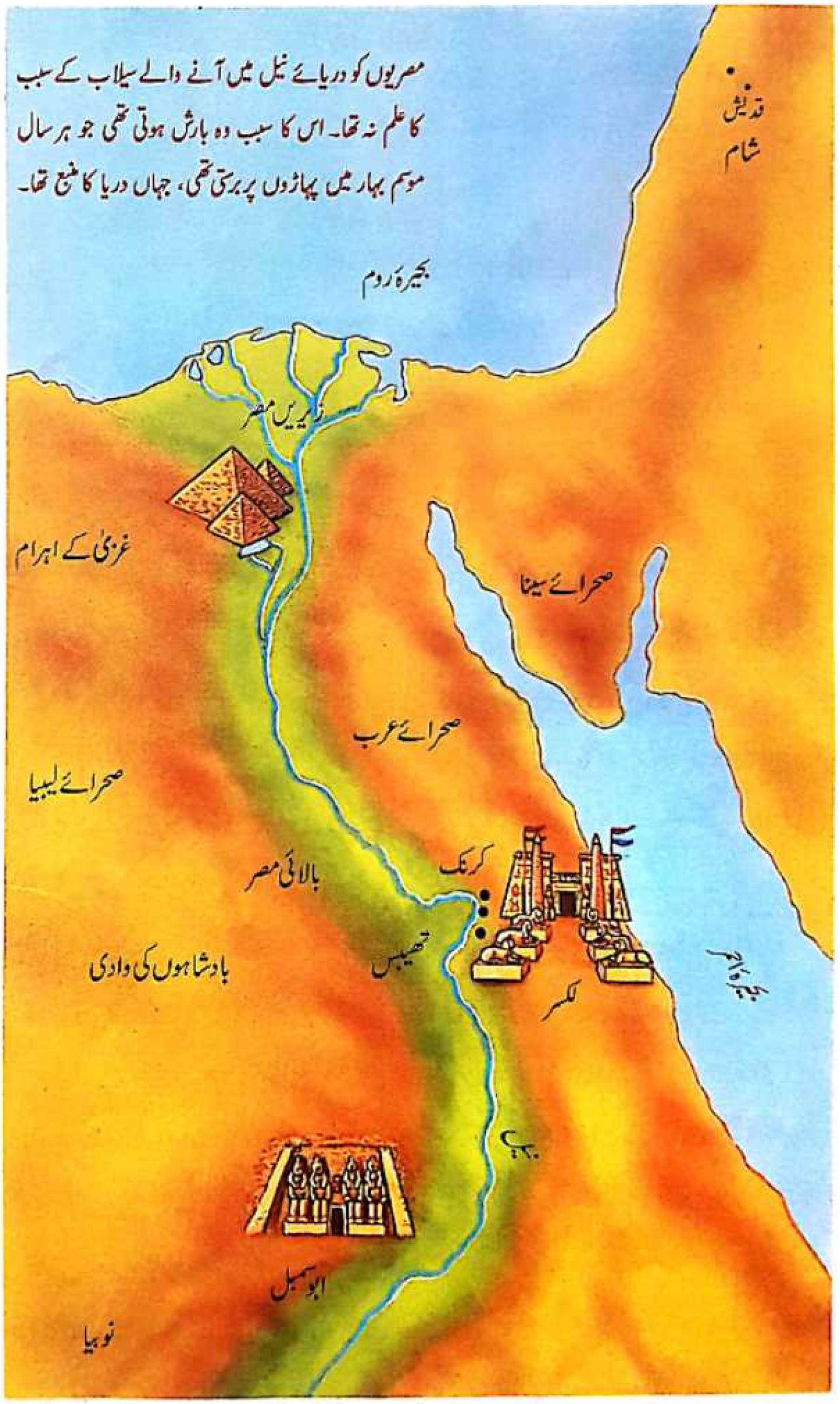

حیرت انگیز سیلاب

دریائے نیل (River Nile) مصریوں کے لئے ایک عظیم نعمت اور خُدائی تحفہ ہے۔ وہ اُس سے دیوی دیوتاؤں جیسی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ دریائے نیل میں ہر سال آنے والے سیلاب کا شدت سے انتظار کیا جاتا، جو اپنے ساتھ زرخیز مٹی لاتا تھا۔ وہ مٹی فصلوں کی کاشت کے لیے بہت ضروری ہوتی۔ چونکہ سیلاب ساری وادی میں پہنچ نہیں پاتا تھا لہٰذا کسان اپنے کھیتوں تک پانی لانے کے لیے نہریں کھود لیتے تھے تاکہ پانی اُن کے کھیتوں تک پہنچ جائے۔ وہ اُس پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے تالاب بنا لیتے تھے تاکہ پانی کی کمی کے دِنوں میں اِسے استعمال کیا جا سکتا۔

اہلِ مصر کے دیوتا

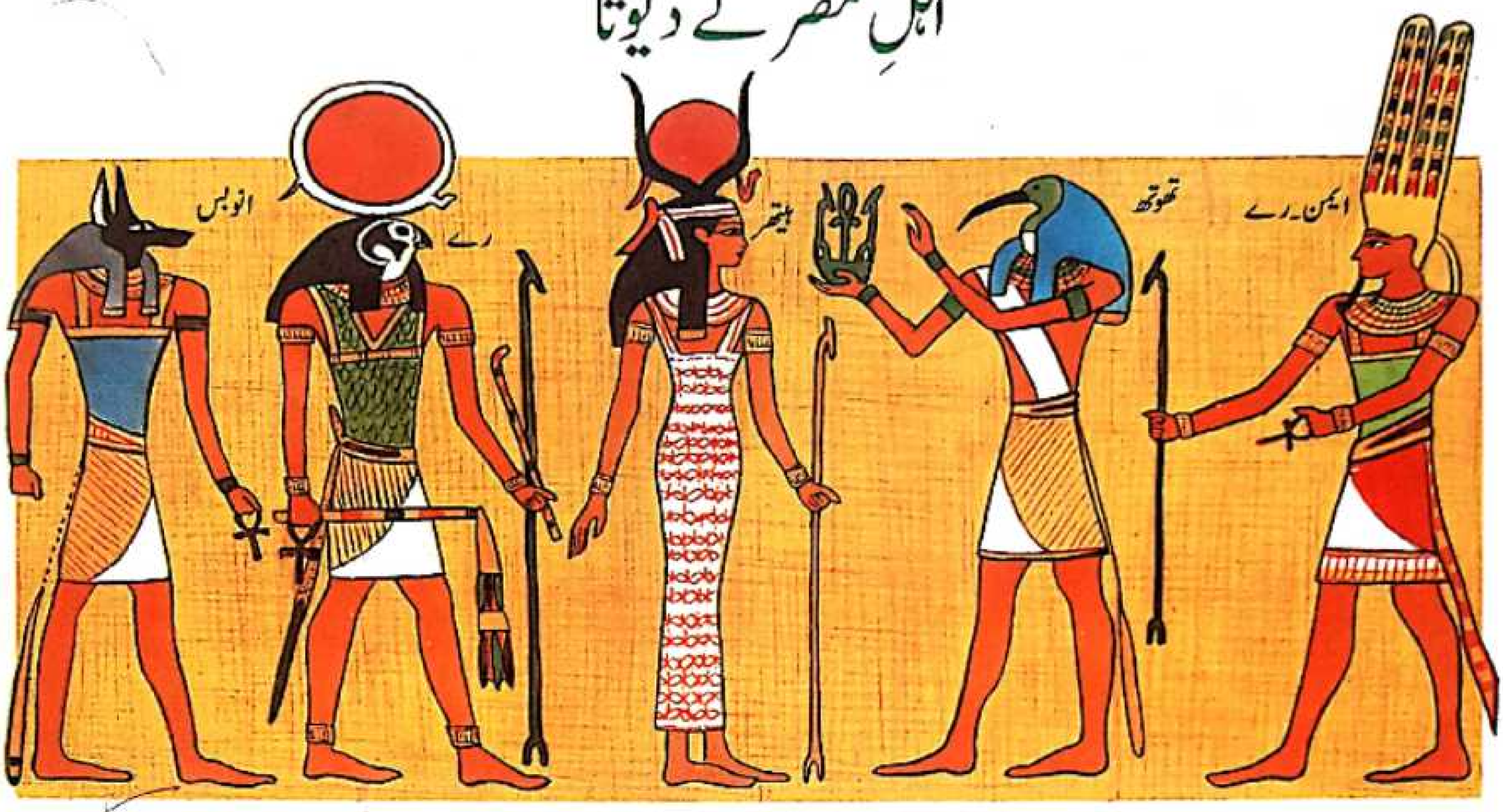

اہل مصر مشرک تھے، وہ کئی خداؤں کو مانتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اِن دیوتاؤں نے دُنیا کو تخلیق کیا اور تاریخ کے ابتدائی دَور میں یہی مصر پر حکومت کرتے تھے۔ مصری لوگ اپنے خداؤں کی بے حد عقیدت سے پرستش کرتے اور اُنہیں بے حد مقدس سمجھتے تھے۔

مصری اپنے خداؤں کی کس طرح عزت و تکریم کرتے تھے؟

دراصل تمام ملک میں چند ایک دیوتاؤں کو مقدّس جانا جاتا تھا۔ جن میں دیوتاؤں کا بادشاہ ایمن رے (Amon-Re)، ہتھیر (Hathor) رقص، موسیقی اور خوشی کی دیوی اور عیش و عشرت کا دیوتا، بَیس (Bes) شامل تھے۔ ہر گاؤں، ہر قصبے اور ہر صوبے کا اپنا دیوتا تھا۔ لوگ اُن ہی دیوتاؤں کا حد درجہ احترام کرتے تھے، جو اُن کے قریبی علاقے کے ہوتے تھے۔

اِن دیوتاؤں کی شکل و صورت کیسی تھی؟

کچھ دیوتاؤں کو تصور ہی تصور میں مقدس جانوروں کی شکل دی گئی تھی مثلاً ایپس (Apis) کو بیل کی اور اپوفس (Apophis) کو سانپ کی۔ دوسروں کو عناصر فطرت کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ رَے کی شکل سُورج کی، جَیب (Geb) کی شکل زمین کی اور نٹ (Nut) کو آسمان کی شکل دی گئی تھی لیکن زیادہ تر دیوتاؤں کو انسانوں کی شکل دی جاتی تھی، جن کے سر جانوروں کے ہوتے تھے یا اُن کے سروں پر مخصوص نشانات سجا دیئے جاتے تھے۔

اِن دیوتاؤں کا کیا فائدہ تھا؟

اُنہیں دُنیا کی تخلیق اور نظام چلانے کا بنیادی رُکن خیال کیا جاتا تھا۔ کچھ دیوتاؤں کو رات اور دِن، اور دریائے نیل کے سیلاب وغیرہ کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ روزمرّہ زندگی میں لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہ عجیب و غریب شخصیت بَیس کی تھی جو شادمانی کا دیوتا تھا۔

اہلِ مصر کے دیوتا

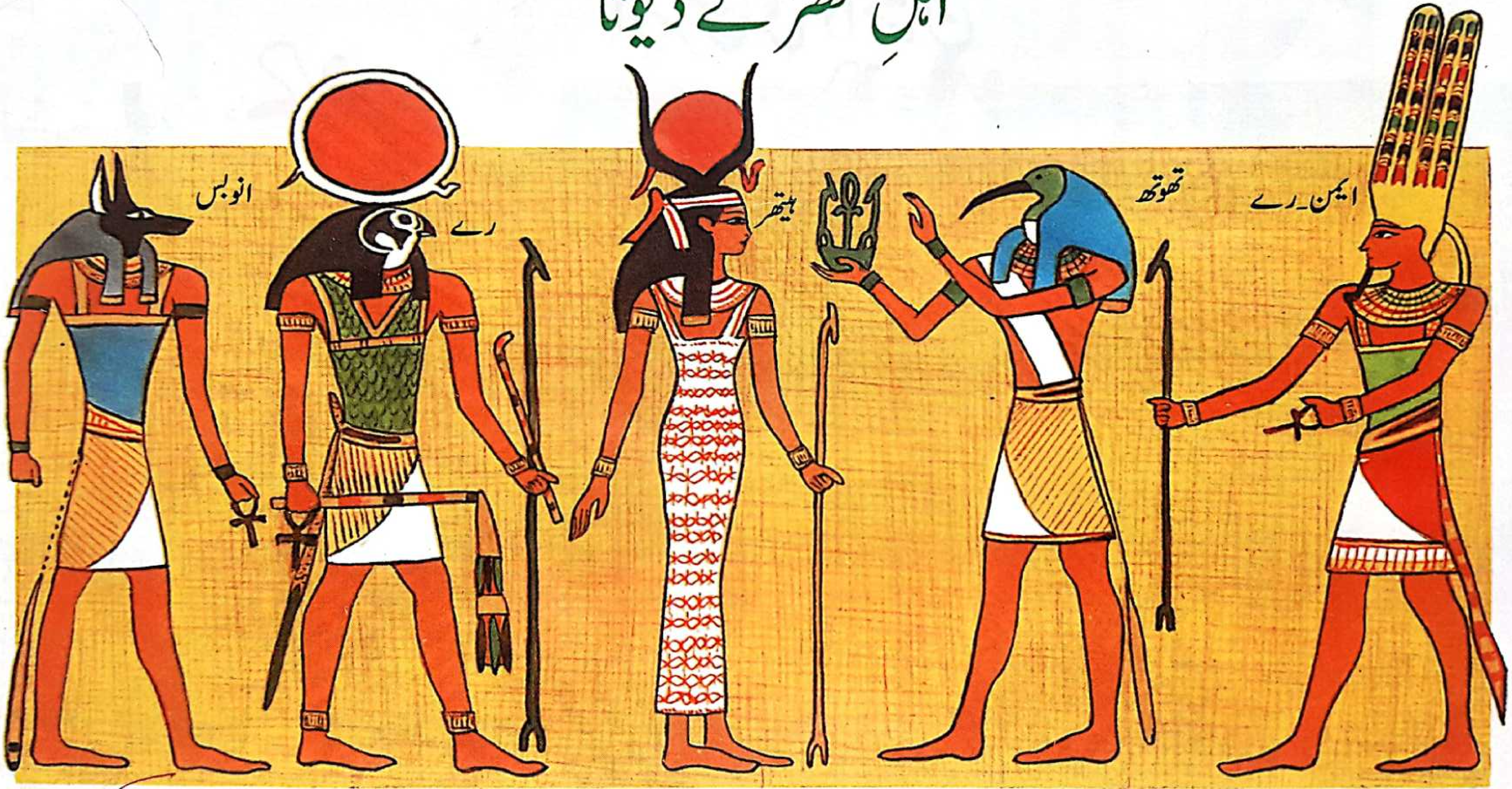

اوسرس کی داستان

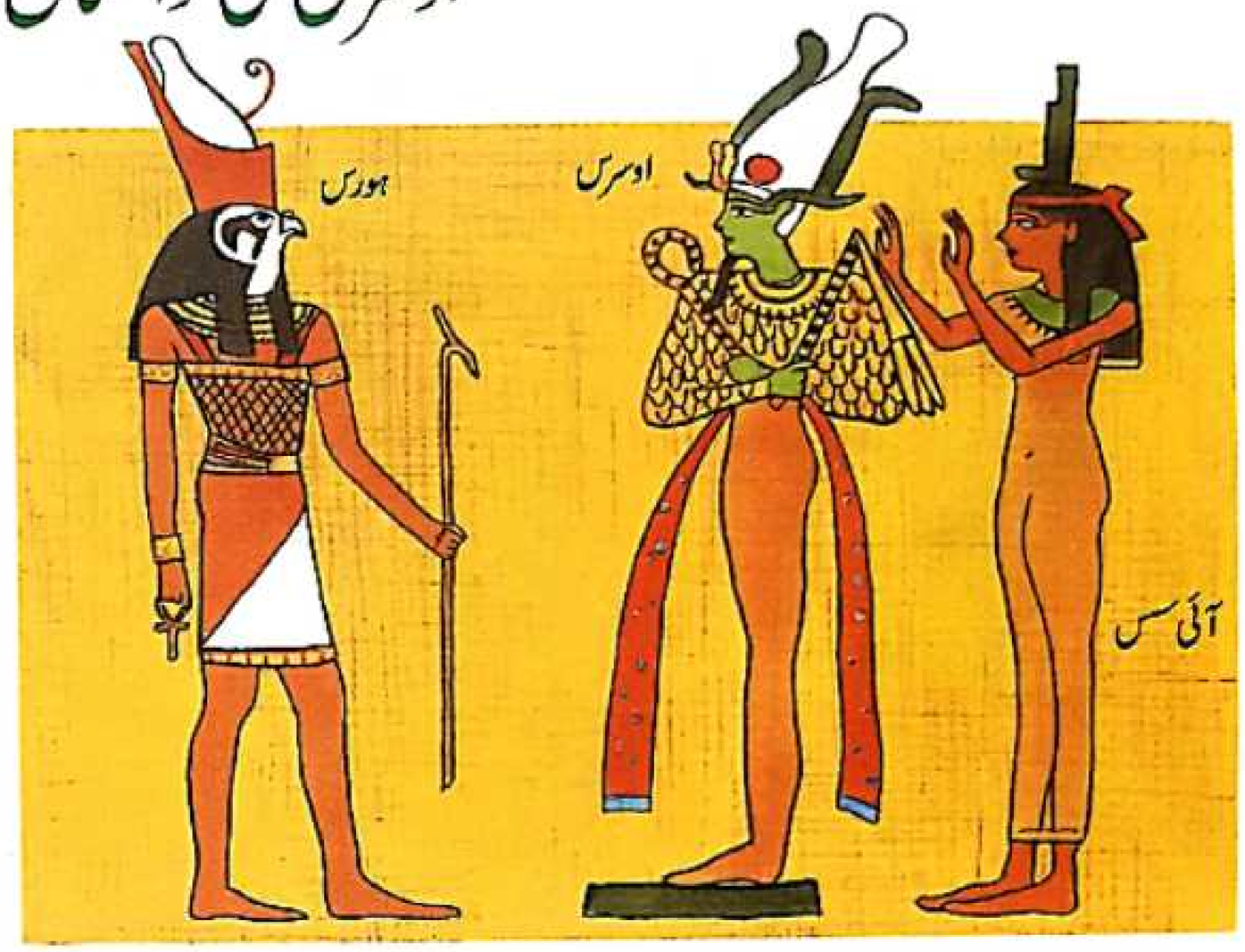

مصریوں کے عقیدے کے مطابق اوسرس (Osiris) آسمان کی دیوی نٹ اور زمین کے دیوتا جَیب کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ ایک روایت کے مطابق وہ مصر کا پہلا حکمران تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایک اچھا اور مدبّر حکمران تھا لیکن پھر اُس کی بدقسمتی نے اُسے آ گھیرا۔

اُس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟

سیتھ (Seth) اوسرس کا دوست تھا، جو اُس سے حسد کرتا تھا۔ سیتھ نے اوسرس کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اُس نے ایک بڑا صندوق بنوایا اور ایک دعوت کے موقع پر اُس صندوق میں لیٹ کر اپنے مہمانوں کو محظوظ کرنے لگا۔ پھر اُس نے اوسرس کو صندوق میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ اوسرس کے لیٹتے ہی اُس نے صندوق کا ڈھکن بند کر دیا۔ یوں سیتھ نے اُسے اپنے جال میں پھانس لیا۔ اُس نے صندوق، دریائے نیل میں پھینک دیا اور خود تخت پر قابض ہو گیا۔ اوسرس کی بیوی آئی سِس (Isis) نے اپنے شوہر کی لاش کو تلاش کر کے کہیں چُھپا دیا لیکن سیتھ نے اُسے پھر حاصل کر لیا۔ اب اُس نے لاش کے چودہ ٹکڑے کئے اور دریائے نیل میں بہا دیئے۔ دریا کی لہروں نے اُنہیں دُور دُور تک بکھیر دیا۔

اوسرس کو دوبارہ زندگی کیسے ملی؟

آئی سِس نے، جو ایک جادوگرنی بھی تھی، کافی تلاش کے بعد اُن ٹکڑوں کو دوبارہ جوڑا اور انوبس (Anubis) جو حنوط کے عمل کا دیوتا تھا، کی مدد سے اوسرس کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعدازاں، وہ اگلی دُنیا میں مُردوں کا دیوتا بن گیا مگر آئی سِس اُسے کبھی بھی زمین پر دوبارہ نہ لا سکی۔

اوسرس اور آئی سِس مصریوں کے بڑے اہم دیوتا تھے۔ آئی سس نے تمام انسانوں کو جنم دیا۔ لوگ اُسے ایک ماں تصور کرتے تھے۔ اوسرس مُردوں کا دیوتا تھا اور اگلے جہاں میں اُن کا استقبال کرنے کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ ہورس اُن کا بیٹا تھا۔

کیا اوسرس کا انتقام لیا گیا؟

اوسرس کے بیٹے ہورس (Horus) نے، جو عقاب کے سر والا دیوتا تھا، سیتھ سے ایک خوف ناک جنگ لڑی۔ اُس نے سیتھ پر فتح حاصل کی اور اِس طرح اپنے باپ کی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی۔

عملِ حنوط (لاشوں کو محفوظ رکھنا) کا دیوتا انوبس جس کا سر گیدڑ کا تھا، اوسرس کو دوبارہ زندہ کرنے میں مصروف ہے۔

فرعون

فرعون(Pharaoh) تنہا ہی تمام مصر پر حکمران تھا۔ وہ بیک وقت حکمران اور دیوتا، رہنما اور اپنی رعایا کا محافظ، یہاں تک کہ سیاست، مذہب اور فوج کا بھی سربراہ تھا۔

ممتاز شخصیت

مصریوں کا عقیدہ تھا کہ فرعون، سورج کے دیوتا رے، جسے تمام دیوتاؤں نے زمینی حکومت کے لیے چُنا تھا، کا بیٹا تھا۔ فرعون کو بھی دیوتا کے برابر درجہ دیا جاتا تھا۔ خوم (Khoum) کُمہار نے اُس کے جسم کو ڈھالا تھا اور جب اُس کی ماں قید میں تھی تو دیویوں نے اُسے اپنی حفاظت میں لے رکھا تھا۔

اہل مصر اپنے بادشاہوں کے سامنے کیسے پیش ہوتے تھے؟

لوگ اپنے بادشاہوں سے ملاقات کے لیے آتے تو پہلے وہ جُھک کر زمین چُومتے تھے۔ اِس انداز سے وہ اپنے حکمرانوں کے لیے عاجزی اور عزت کا اظہار کرتے تھے اور اُن سے مہربانیوں اور انعامات کی توقع رکھتے تھے۔

فرعون کے فرائض

زمینی اور آسمانی طاقتوں کے ذریعے وہ اہلِ مصر کی تمام خطرات، حملوں، خشک سالی اور قحط وغیرہ سے حفاظت کا ذمہ دار تھا۔ فرعون امن اور انصاف نافذ کرتا تھا۔ وہ ہر طرح کے فیصلے خود کرتا تھا، لیکن حکومتی معاملات میں اپنے عہدے داروں سے مشورہ بھی لیتا تھا۔

فرعون اپنی رعایا کے سامنے کبھی ننگے سر نہیں آتا تھا۔ وہ بالائی مصر کا تاج اور زیریں مصر کے لئے دوسرا تاج، دوہرا تاج، جنگ کا تاج، اور اپنے اقتدار کے اظہار کے لیے شاہی سرپوش بھی پہنتا تھا۔ وہ مختلف طغرے بھی پہنتا تھا، جو اُس کی قوت کی علامت ہوتے تھے، جن میں لوہے کا گرز اور کوڑا بھی شامل تھا۔ اس طرح وہ بہت طاقت ور، بارُعب اور دلکش لگتا تھا۔

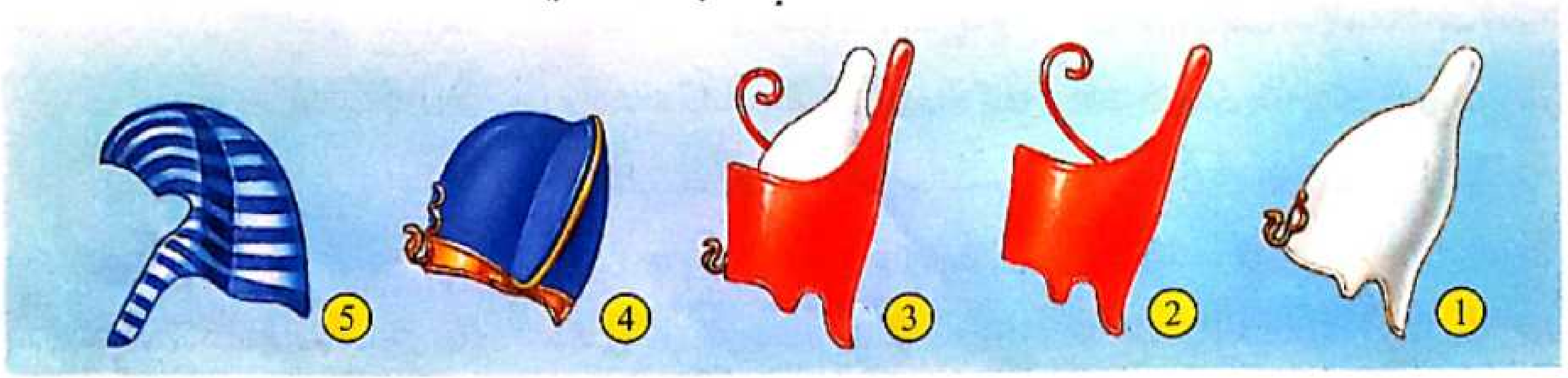

رعمسیس دوم

قدیش کی جنگ میں رعمسیس دوم ،حتی قوم سے جنگ کرتا دکھائی دے رہا ہے۔

رعمسیس دوم، رعمسیس خاندان کا تیسرا بادشاہ تھا۔ اس نے 304 سے 1236 قبل مسیح تک حکومت کی۔ وہ اپنی سلطنت کا انتہائی طاقت ور فرعون تھا۔ یہ طاقت اسے جنگوں اور عالی شان عبادت گاہوں کی تعمیر کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

کیا وہ ایک عظیم جنگجو تھا؟

رعمسیس دوم نے اپنے دادا رعمسیس اول اور باپ سیتی اول (Seti-I) کی فتوحات سے فائدہ اٹھایا۔ اس کی سب سے مشہور جنگ قدیش کی فتح تھی حالانکہ وہ ایک چھوٹی فتح تھی۔ رعمسیس دوم نے اس راستے کو نظرانداز کر دیا، جو مصری دستوں نے حتی قوم (Hittites) کے ساتھ جنگ میں اپنایا تھا لیکن دشمن نے ہار نہ مانی تاہم، اس نے حتی بادشاہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا، جس کے تحت اُسے 40 سال تک پُرامن طریقے سے حکومت کرنے کا موقع ملا۔

کیا وہ عمارتیں بنوانے کا شوقین تھا؟

رعمسیس دوم نے نوبیا میں ابوسمبل کے مقام پر دو عالی شان عبادت گاہیں تعمیر کرائیں جن میں سے چھوٹی، اس کی بیوی ملکہ نفرتری (Nefertari) کے نام سے اور بڑی، دیوتا ایمن ،رے اور اس کے اپنے نام سے منسوب تھی۔ اس کے دروازے پر چار دیو نما محافظ تراشے گئے تھے جن کی اونچائی 20 میٹر سے بھی زیادہ تھی یہ عمارتیں رعمسیس دوم کی طاقت اور حکومت کی نمائندگی کرتی تھیں۔

رعمسیس کی ممی کی دریافت

نئی سلطنت کے فرعونوں کی طرح رعمسیس دوم نے بادشاہوں کی وادی میں موجود اپنا مقبرہ خود بنوایا۔ بعد میں اس کے مقبرے کو لوٹ لیا گیا۔ تقریباً 1050 قبل مسیح کے پجاریوں نے فرعون کی ممی کو چُھپا لیا تھا جسے اُنیسویں صدی کے آخر میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے دریافت کر لیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق معلوم ہوا کہ رعمسیس دوم کا رنگ سُرخی مائل بھُورا تھا، اس کے دانت خراب تھے اور وہ جُھک کر چلتا تھا۔ ایک آدمی جو 80 سال کے بعد مرتا ہے، اس کے بارے میں یہ کوئی انگیز خیز بات نہیں تھی۔

مندر، ایک مقدس مقام

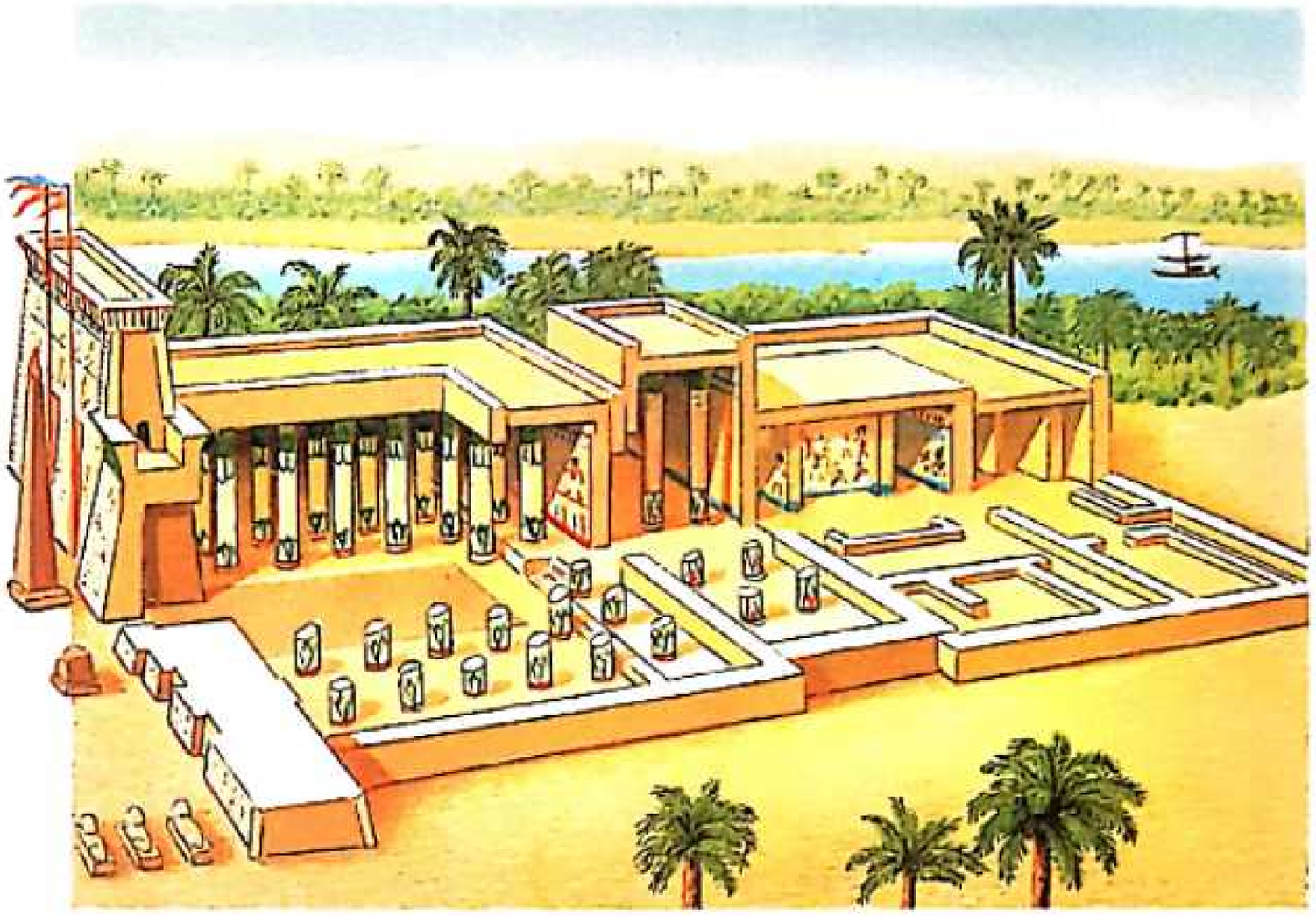

مندر، دیوتا کا گھر سمجھا جاتا تھا جہاں اس کا مجسمہ رکھ دیا جاتا۔ یہ بڑی خُفیہ جگہ ہوتی تھی جہاں کوئی بدرُوح داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں بادشاہ اور مذہبی پیشوا ہی عبادت کرتے اور نذرانے پیش کر سکتے تھے۔

اُس خُفیہ مقام پر کیا کیا جاتا تھا؟

سورج طلوع ہونے سے کچھ دیر پہلے ایک پجاری موم بتی کی روشنی میں مندر میں داخل ہوتا۔ پھر وہ چھوٹے مندر، ناؤس (Naos) کے دروازے پر دستک دیتا، جہاں مجسمہ رکھا ہوتا تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ دیوتا جاگ اُٹھا ہے اور دن بھر کی مصروفیات کے لیے اپنے مادی وجود میں آ گیا ہے۔ اس کے بعد پجاری اُس مجسمے کو غسل دیتا، لباس پہناتا اور نذرانے پیش کرتا یا اس کے سامنے عبادت کرتا۔ اُسی مندر میں، مستقبل کے پجاری مذہبی احکامات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

نذرانے کیوں پیش کیے جاتے تھے؟

پجاری ہر روز دیوتا کو خوش کرنے کے لیے اُس کے مجسمے کو خوراک اور مشروبات کے چڑھاوے پیش کرتے تھے۔ اُن کے خیال میں اگر تمام مذہبی اور سماجی رسوم ادا کر دی جائیں تو دُنیا میں مساوات قائم ہو جائے گی اور دیوتا، فرعون اور مصریوں کے شکرگزار ہوں گے۔

کیا لوگ اپنے دیوتا کا دیدار کر سکتے تھے؟

عام لوگوں کو یہ مجسمے دیکھنے کی اجازت نہ تھی، اس لیے انہیں اپنے نذرانے مندر سے باہر ہی پیش کرنے پڑتے تھے۔ بعض اوقات بڑے بڑے مذہبی تہواروں کے موقع پر، دیوتا کا مجسمہ، دریائے نیل میں کشتی کے ذریعے کسی دوسرے مندر میں پہنچایا جاتا لیکن اس بات کو ہمیشہ پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔

مندروں میں دیوتاؤں کے مجسمے رکھے جاتے اور وہاں مذہبی رسومات اور تہوار باقاعدگی سے ادا کیے جاتے تھے۔

یہاں ایک ملکہ کو مندر میں نذرانہ پیش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان تحائف کے پیش کرنے کا مقصد دیوتا کی خوشنودی اور اُس کی ہمدردی حاصل کرنا تھا۔

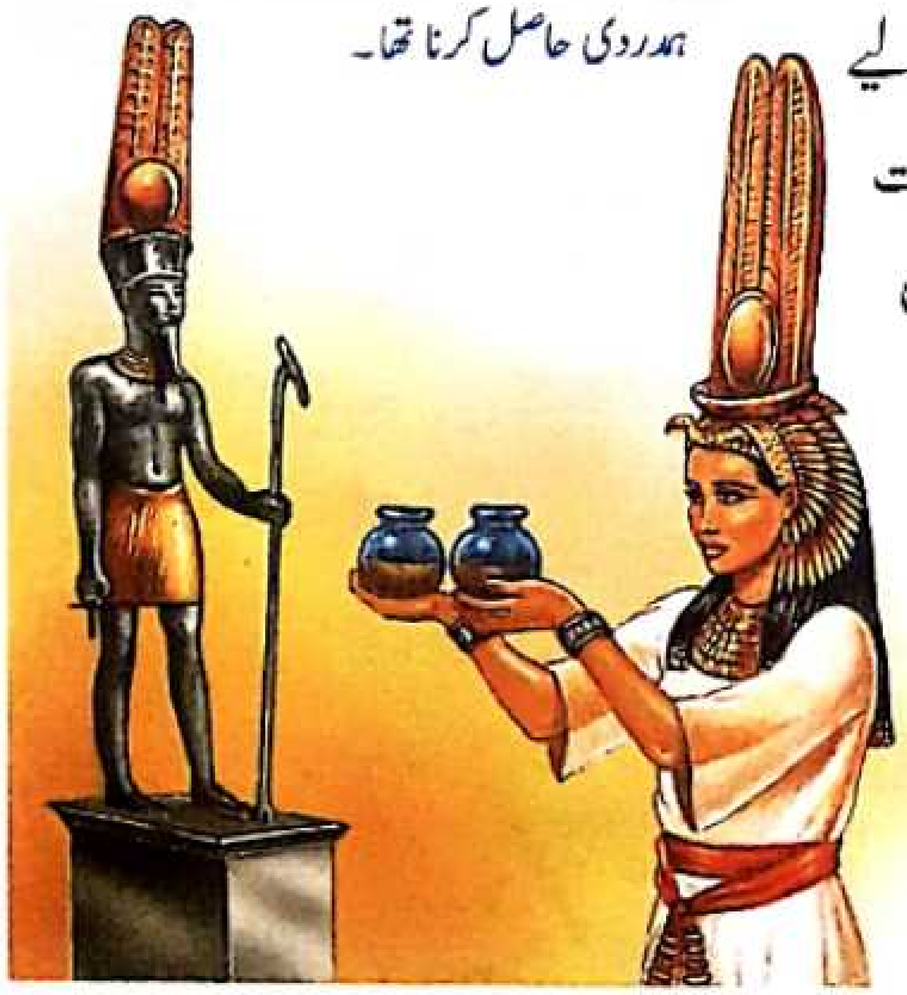

عظیم تعمیرات

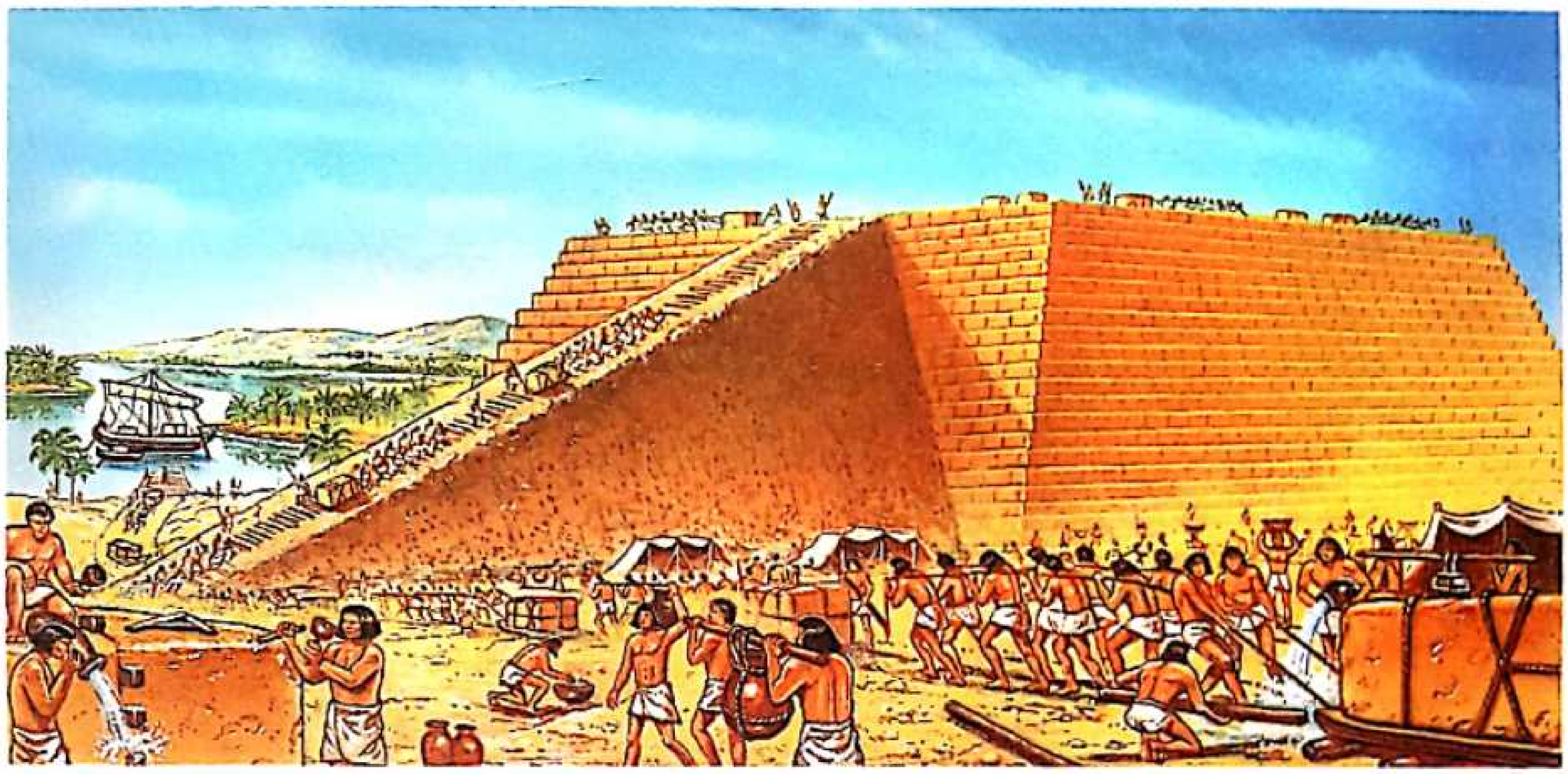

اہرام، تعمیر کئے گئے دیو ہیکل مقبرے تھے، جن کی تعمیر کا مقصد مرنے کے بعد وہاں لائے جانے والے فرعون کے جسم کی حفاظت کرنا تھا۔ بادشاہ کی حنوط شدہ لاش(mummy) کے ساتھ فرنیچر، ریشمی لباس اور قیمتی اشیا رکھی جاتی تھیں۔

ان مقبروں کو یہ شکل ہی کیوں دی گئی؟

ابتدائی ہرم کی شکل دیوقامت مثلثی سیڑھیوں کی سی تھی۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ ان کے ذریعے بادشاہ کو اپنے باپ رے یعنی سورج سے ملاقات کے لیے آسمان پر چڑھنے میں سہولت رہتی۔ مقبرے کی ڈھلان دار اطراف سورج کی شعاعوں کو ظاہر کرتی تھیں۔

یہ کیسے تعمیر کئے گئے؟

سیلاب کے وقت کسان بھاری بھرکم پتھروں کی سِلیں بادبانی کشتیوں کے ذریعے لاتے تھے۔ خشکی پر، ان سِلوں کو پھسلنے والی کھلی گاڑی کے ذریعے گیلی زمین پر کھینچا جاتا تھا۔ انہیں سینکڑوں میٹر بلندی تک لے جانے کیلئے مٹی کی بلند ڈھلان بنانی پڑتی جسے مقبرہ مکمل ہونے کے بعد گرا دیا جاتا تھا۔

یہاں غزیٰ کے اہرام دکھائے گئے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا ہرم ایک فرعون کا ہے جس کا نام چیوپس(Cheops) تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہونے سے پہلے اس کی بلندی 147 فٹ اور وزن 60 لاکھ ٹن تھا۔ اس کے ساتھ اس کے بیٹے خافرے (khafre) اور ساتھ ہی اس کے پوتے مینکرے (mankaure) کے اہرام یوں نظر آ رہے ہیں جیسے دو چھوٹی بہنیں ہوں۔ Khafre کو Khepren اور Mankaure کو Mykerinos بھی کہا جاتا ہے۔

زندگی بعد اَز موت

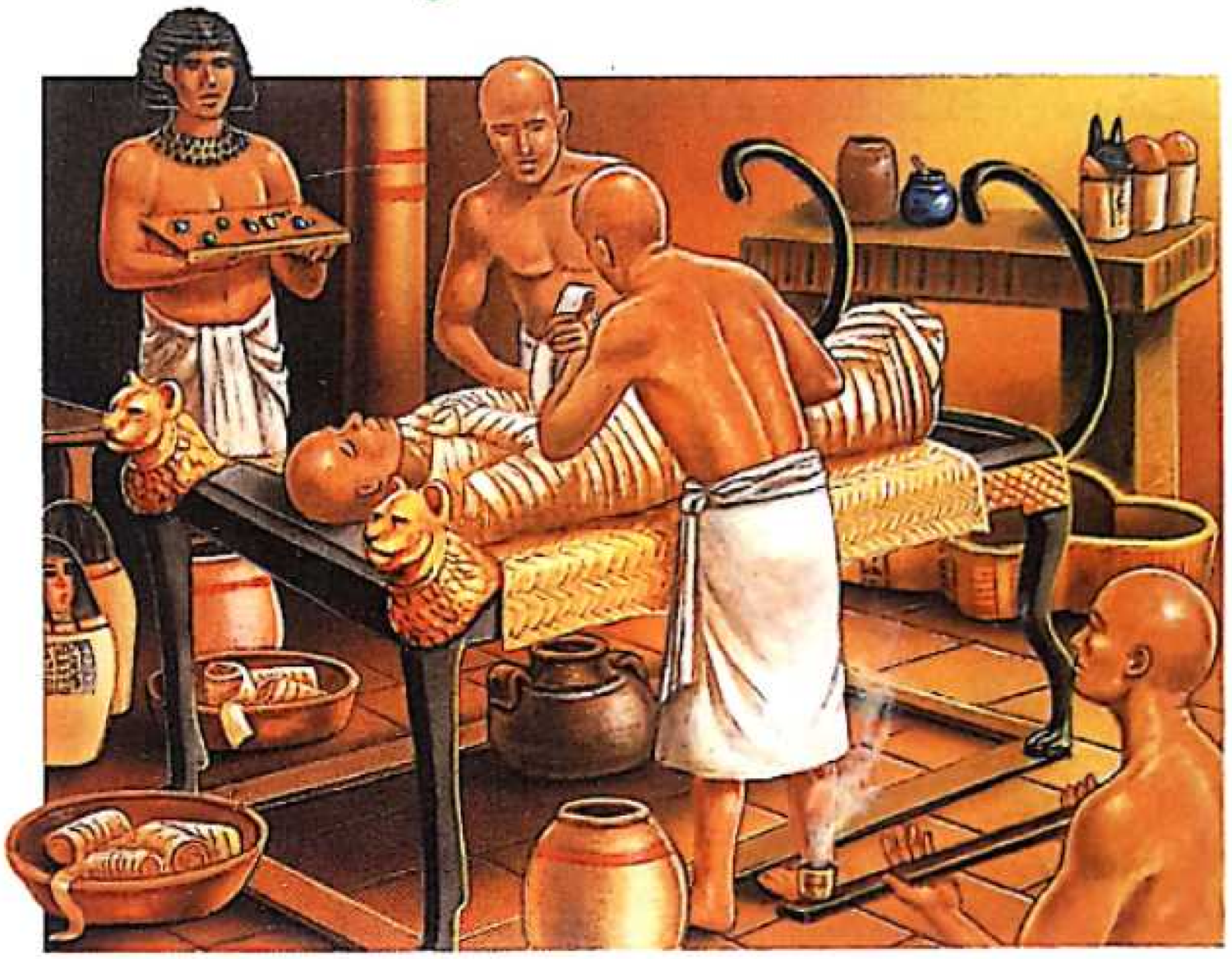

پرانے وقتوں میں مصری ، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ یہ عقیدہ عام تھا کہ دوسری زندگی صرف فرعون کے لیے مخصوص تھی لیکن آہستہ آہستہ تمام مصریوں نے بھی اس عقیدے پر یقین کرنا شروع کر دیا۔ان کے خیال میں ابدیت پانے کے لیے ضروری تھا کہ مرنے کے بعد ان کی لاشیں گلنے سڑنے سے محفوظ کر لی جائیں ۔

لاش کو محفوظ کرنا

جسم کا خاک ہو جانا، اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ روح بھی مر جائے گی۔ لاشیں حنوط کر کے اس مرحلے کو ٹال دیا جاتا تھا۔ روغن کی مالش کرنے والے لوگ جسم میں سے مختلف اعضا یعنی جگر، پھیپھڑے، معدہ اور انتڑیاں نکال لیتے تھے۔ پھر لاش کو خام شورے (ایک قسم کا نمک جو خشک کر دیتا ہے) سے ڈھانپ دیا جاتا۔ کئی ہفتوں بعد جسم کو تابوت میں رکھنے سے پہلے ریشمی کپڑے کی پٹیوں میں لپیٹ دیا جاتا تھا۔

اگلا جہان

وہاں متوفی اپنے آپ کو مردوں کی سلطنت میں پاتا۔ دیوتا انوبس (Anubis) اسے اوسرس (Osiris) کی عدالت میں پیش کرتا، جہاں اس کے دل کا وزن کیا جاتا۔ دل کا ایک پر سے زیادہ ہلکا ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ مردے کی روح نیک ہے اور یہ کہ وہ Ialu کی سرزمین میں داخل ہونے کے قابل ہے جو ایک پُرامن اور پُرمسرت جگہ ہے۔ بعض اوقات، روح ایک چھوٹے پرندے، باء کی صورت میں اپنی دُنیا کی تلاش میں جہاں اس کا گھر اور اس کے باغ تھے، مقبرے کو چھوڑ جاتی تھی۔

اگلے جہان میں داخلے کے لیے مُردے کے دل کا وزن کرنا ضروری تھا۔

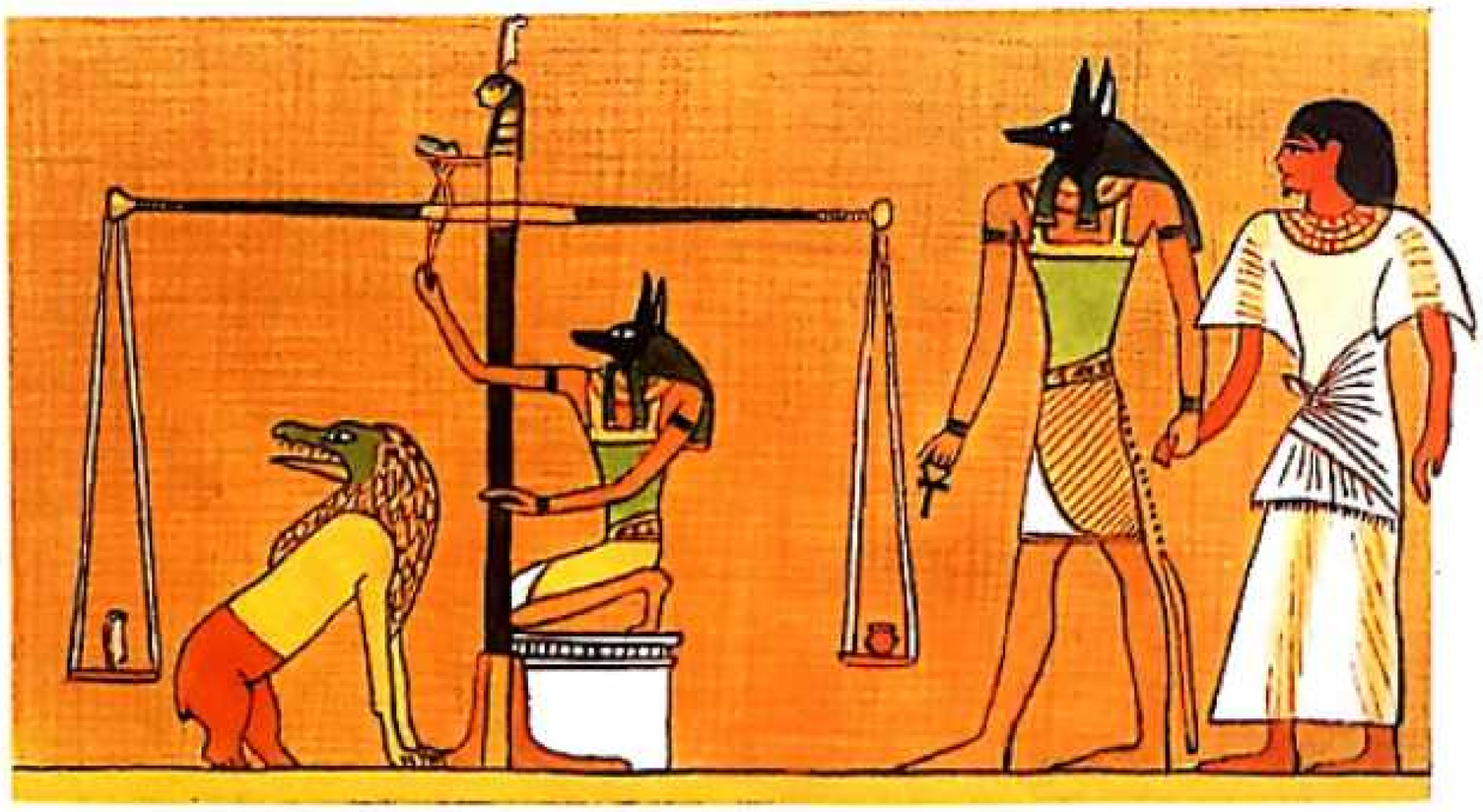

کاتبوں کی اہمیت

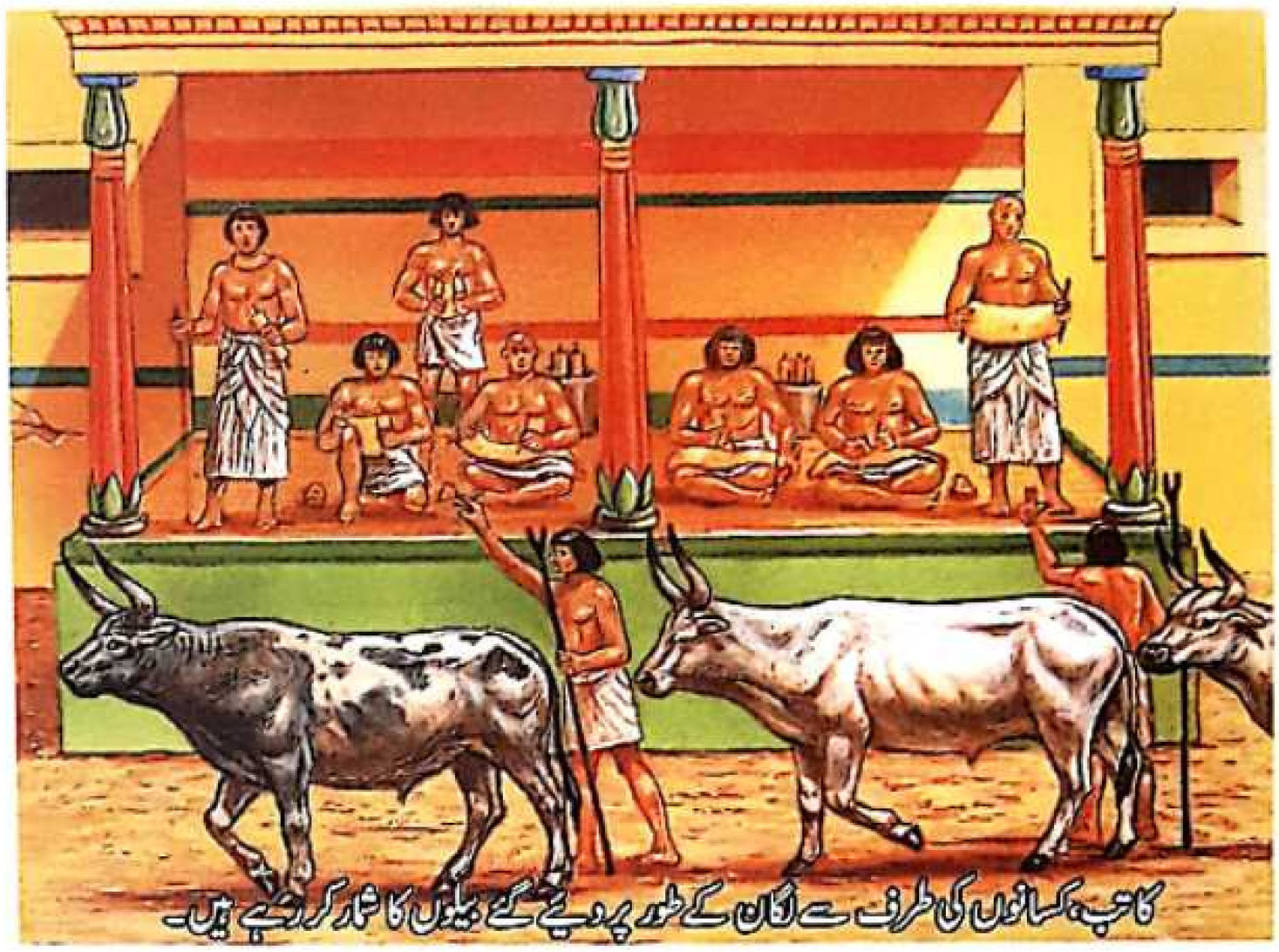

کاتب، کسانوں کی طرف سے لگان کے طور پر دیے گئے بیلوں کا شمار کر رہے ہیں۔

کاتب وہ لوگ تھے جو لکھنا پڑھنا اور گنتی کرنا جانتے تھے اور اس مقصد کے لیے کئی سال تک تعلیم حاصل کرتے تھے وہ لوگ فرعون کے لیے بے حد اہم تھے اور مُلک پر حکومت کرنے میں فرعون کی مدد کرتے تھے، جس کے باعث اُن کی عزت کی جاتی اور حکومت کی طرف سے اُن کی حفاظت کا خاص بندوبست بھی کیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ کاتب یا منشی ہونا معزز ترین پیشہ تھا۔

تحریر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

کاتب یا منشی مقدس صحیفوں کا مطالعہ کرتے تھے اور جو دعائیں بچاری مانگتے، وہ انہیں قلم بند کرتے۔ وہ اُن فیصلوں کو بھی لکھ لیتے جو فرعون کیا کرتا تھا۔ وہ دوسروں کو اُن فیصلوں اور احکامات سے آگاہ بھی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے مصری یہ جانتے تھے کہ لگان کی رقوم کتنی ہیں اور یہ کہ آبپاشی کا نظام کیسا ہونا چاہیے!

اُنہیں گنتی کی ضرورت کیوں تھی؟

کاتب ہر چیز کو شمار کرتے تھے، مثلاً کسانوں کی طرف سے لگان میں دی گئی فصلیں اور مویشی، قیمتی دھاتیں، ہنر مندوں کو دیا جانے والا چمڑا اور لکڑی۔ جہاں تعمیر کا کام جاری ہوتا، وہاں یہ پتھروں کی گنتی کرتے تھے۔ یہ دریائے نیل کے کناروں پر پانی کے ذخیروں اور سیلاب کے متعلق اندراج کرتے اور فوج میں شامل لوگوں کی تعداد بھی شمار کرتے تھے۔

تصویری طرزِ تحریر بدل دیا گیا

تصویری طرزِ تحریر (Hieroghlyphics) علامات پر مبنی تھا، جسے لکھنے کے لیے بڑا وقت درکار ہوتا جب کہ تمام انتظامی مسودوں میں کاتبوں کو کم وقت میں لکھنا ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً 3000 قبل مسیح، مصریوں نے نسبتاً تیز تر طرزِ تحریر ایجاد کیا جو تصویری اسلوبِ تحریر کی ترقی یافتہ شکل تھا۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں اسے مزید سادہ کر کے عام فہم طرزِ تحریر میں بدل دیا گیا۔ تصویری تحریر صرف مقدس صحیفوں کے لیے مخصوص کر دی گئی۔

مستقبل میں کاتب کا پیشہ اختیار کرنے والوں کی تربیت اور انہیں لکھائی کا طریقہ سکھانے میں بہت لمبا عرصہ لگتا تھا

تصویری تحریریں

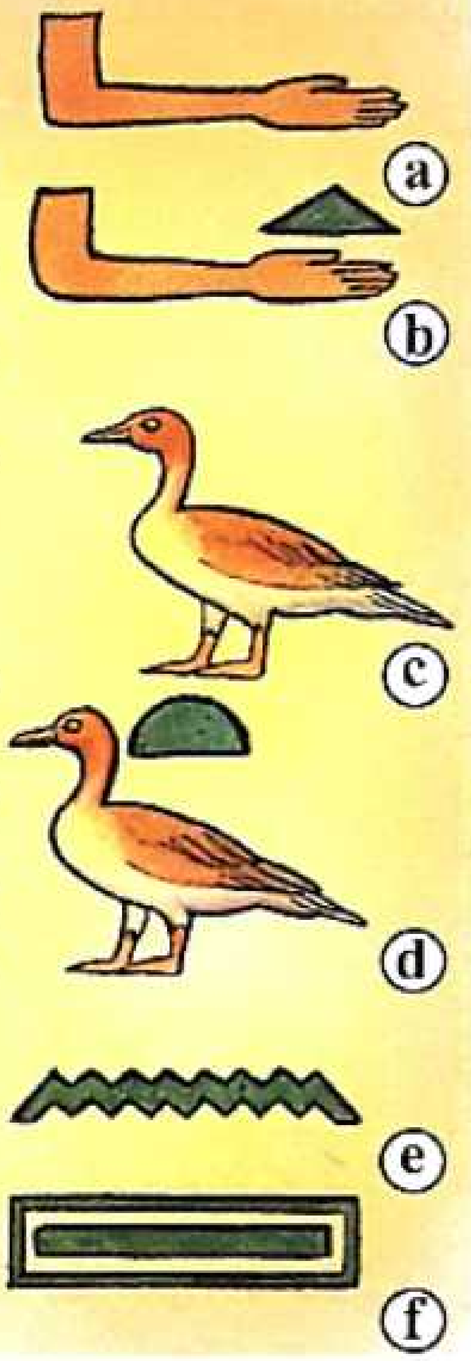

ہر نشان کا اپنا الگ معنی ہوتا اور اگر ان تحریری تصویروں کو اکٹھا کیا جاتا تو معنی بدل جاتے، جیسے (a) بازو کا اگلا حصہ (b) کوئی چیز دینا (c) کا مطلب بیٹا اور (d) کا بیٹی

تصویری تحریروں کے مخصوص معانی ہوتے تھے۔ قطرہ قطرہ (e) کو اس طرح نہیں پڑھا جاتا تھا جیسے جھیل کے پانی (f) کو۔

بیضوی حلقہ ایک فریم کی طرح ہوتا تھا، جس پر فرعون کا نام کندہ تھا۔ یہ فرعون کے دستخط مانے جاتے تھے۔

مصر میں لکھنے کا سلسلہ تقریباً 5000 سال قبل مسیح معرضِ وجود میں آیا۔ hieroglyphics یونانی زبان میں مطلب ہے "دیوتاؤں کی تحریر"۔ ان نشانات کو دیکھ کر، جنہوں نے مندروں اور مقبروں کی دیواروں کو ڈھانپ رکھا تھا، یونانی حملہ آور یہی سمجھتے تھے کہ یہ مقدّس فارمولے ہیں۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں محققین نے ان میں سے 700 تصویری تحریروں (hieroglyphics) کے معانی دریافت کر لیے، جو دُرست ثابت ہوئے۔

کیا تصویری تحریریں حروفِ تہجی کی صورت میں تھیں؟

جی نہیں، یہ مختلف نشانات تھے جو کسی نہ کسی چیز، آواز یا سرگرمی کو ظاہر کرتے تھے۔ جس چیز کو ظاہر کرنا ہوتا، اسی حساب سے انہیں اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔

ان کا مطلب کیسے اخذ کیا جاتا تھا؟

1799ء میں دریائے نیل کے ڈیلٹا میں روسیٹا (Rosetta) کے مقام سے ایک پتھر ملا، جس پر کچھ نقش تھا۔ اس پر ایک ہی عبارت تین مختلف رسم الخطوں میں لکھی ہوئی تھی: تصویری رسم الخط، عوامی رسم الخط اور یونانی رسم الخط۔ champollion نامی فرانسیسی کو یونانی رسم الخط پر پورا عبور حاصل تھا، اس نے اُن تصویری تحریروں کا ترجمہ کیا۔

وہ کس طرح پڑھتے تھے؟

رموزِ اوقاف کے بغیر اس طرزِ تحریر کا مطلب اخذ کر لینا بہت مشکل تھا۔ ان نشانات کا مطلب ہمیشہ اوپر سے نیچے کی سمت اخذ کیا جاتا جب کہ مسودہ بائیں سے دائیں سمت یا اس کے برعکس پڑھا جا سکتا تھا۔ دراصل وہ ایسے نقشے تھے جن کی مدد سے معلوم ہوتا تھا کہ معنی کس طرح اخذ کرنے ہیں (اُس کا انحصار اس بات پر ہوتا کہ آیا انسانوں اور جانوروں کا رُخ دائیں طرف دکھایا گیا ہے یا بائیں طرف)۔

پیپرس (papyrus) آبی نرسل کی طرح کا پودا تھا جو دریائے نیل کے کناروں پر اُگتا تھا اور اس کے ریشوں سے کاغذ بنایا جاتا تھا۔ کاتب اس پر اپنی تحریریں لکھتے تھے۔

مصری فن

مصریوں کے نزدیک ایک تصویر یا مجسمہ وہی روحانی اثر اور کیفیت رکھتا جو اس کے زندہ نمونے میں ہوتی تھی۔ اگر فنکار چند مخصوص اصولوں کے مطابق انہیں ڈھالے تو تصویری خاکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رہ سکتے ہیں۔

سامنے کی طرف سے یا یک رُخی زاویے کا منظر

ماہرین فن، انسانی جسم کی تصویر کشی عجیب طریقوں سے کرتے تھے۔ وہ ٹانگوں کا ایک رُخ دکھاتے جب کہ کندھوں کو سامنے کے رُخ پر دکھاتے تھے۔ یہی اصول چہرے اور آنکھوں کے لیے استعمال ہوتا۔ یہ طریقہ وہ اس لیے اپناتے کیوں کہ مصری ہر شے کے اہم حصوں کو انتہائی ممکنہ حد تک واضح کر کے دکھانے پر یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ چہرے کو ایک رُخ سے اس طرح دکھاتے کہ آنکھیں سامنے دیکھ رہی ہوتیں۔ فنکار اناڑی نہیں تھا، وہ محض ضابطے کی پابندی کر رہا ہوتا تھا۔

کیا تصویر اپنے ماڈل کے عین مطابق ہوتی تھی؟

پورٹریٹ (Portrait) شاذ و نادر ہی اپنے ماڈل کے مطابق ہوتا۔ البتہ فن کار اُس کے سارے نُقص دُور کر دیتا تھا، مثلاً چہرے کی جُھریاں اور پیٹ کا اُبھار۔ پورٹریٹ دُکھ کے جذبات کا اظہار کرتا نہ ہی غم کے جذبات کا۔ دراصل تصویر یا مجسمہ، ایک بوڑھے، بدصُورت اور اُداس شخص کو ظاہر کرنے کی بجائے جوان، مضبوط اور خُوب صورت شخص کو ظاہر کرتا تھا کیوں کہ اس تصویر نے ماڈل کی موت کے بعد بھی قائم رہنا ہوتا تھا۔

مقبروں کو اس قدر کیوں سجایا جاتا تھا؟

مرنے والا اپنی آنکھوں سے اپنے مقبرے پر تصویر کشی ہوتے دیکھ لیتا۔ زرعی مناظر کی تصویر کشی کی بدولت وہ اپنی بھوک مٹا سکتا تھا اور اپنی اَرضی زندگی کے خوش گوار لمحات کو ضیافتوں اور شکار کے مناظر کی صورت میں دیکھ کر راحت محسوس کرتا تھا۔ ایسا اس لئے تھا کیوں کہ مصری، تصویروں کے ذریعے پیش کی گئی شخصیات یا اشیا کی اصل موجودگی پر اعتقاد رکھتے تھے۔

جفاکش کسان

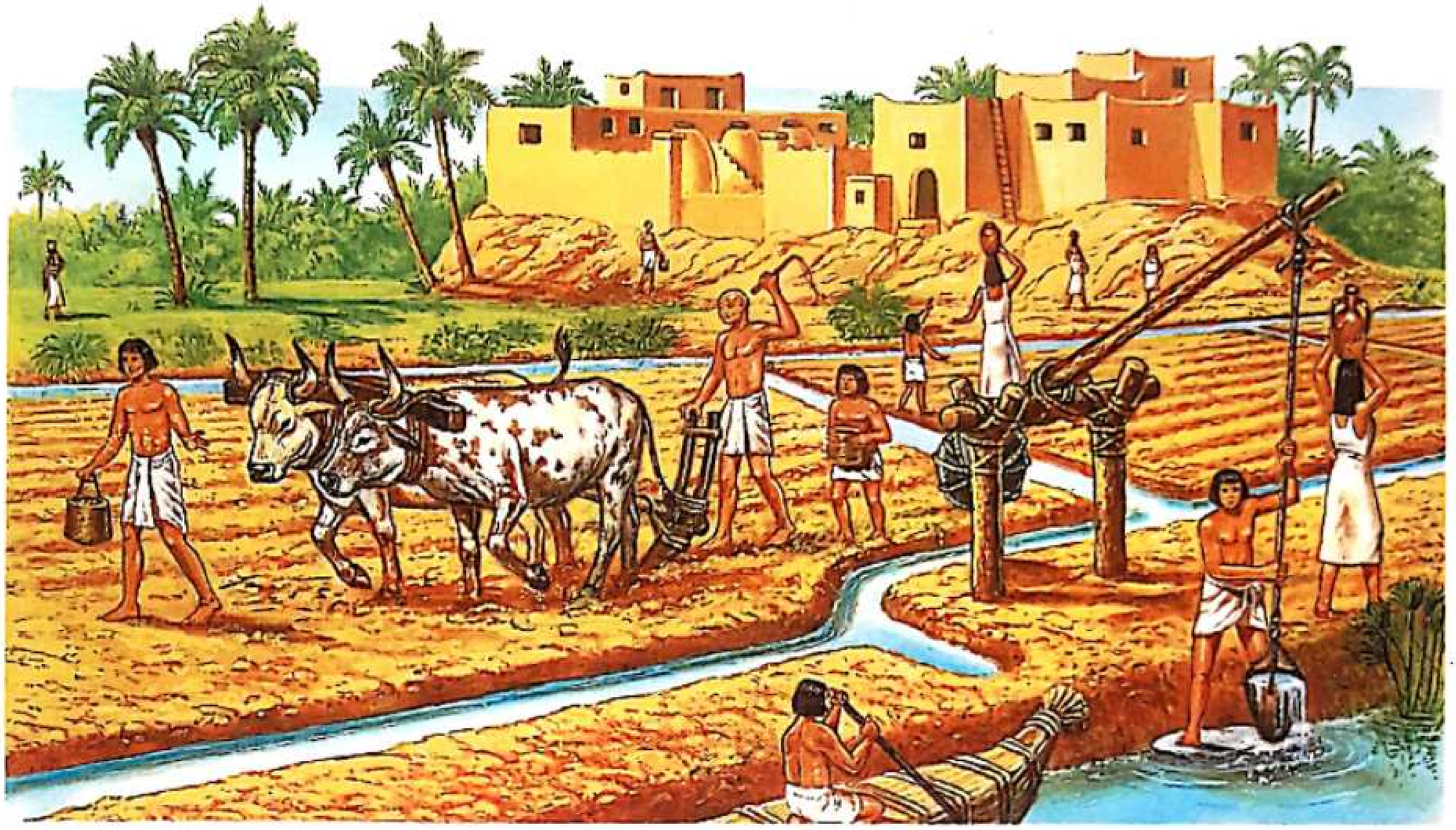

مصریوں کی اکثریت کاشت کار تھی۔ وہ فرعون یا اُمراء کی زمینوں پر کام کرتے تھے۔ فطرت یوں مہربان تھی کہ دریائے نیل پانی لاتا، زمین زرخیز ہو جاتی اور سورج فصلیں پکا دیتا تھا۔ تاہم، اُن کی زندگی کٹھن اور محنت طلب ہی تھی۔

سیلاب سے بچاؤ

ہر سال نیل میں آنے والا سیلاب مٹی سے بنے گھروں کے لیے خطرناک ثابت ہوا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ گھر بلند جگہوں پر بنائے جاتے تھے۔ ڈیم اور بند دیہات کو آپس میں ملاتے تھے، اس طرح لوگوں اور مویشیوں کو آنے جانے میں سہولت رہتی تھی۔

سال کے دوران کاشت کار اپنا وقت کیسے گزارتا تھا؟

جب نومبر میں دریائے نیل خشک ہو جاتا تو کسان اپنی زمین میں ہل چلاتا اور زرخیز مٹی کی گہرائی میں بیج بو دیتا۔ ہل چلانے میں پالتو جانور اُس کی مدد کرتے تھے، اس کے بعد فصل کاشت کرنے کا وقت آتا تو سارا خاندان اس میں حصہ لیتا۔ جولائی کے بعد، جب وادی دوبارہ زیرِ آب آ جاتی تو کسان، فرعون کے چھوٹے موٹے کام کرتا، مثلاً کھیتوں کو پانی دینے والی نہروں کی دیکھ بھال کرنا، مندروں یا اہرام کی تعمیر میں استعمال ہونے والے سامان کی نقل وحمل کرنا وغیرہ۔

ناگہانی آفات اور مشکلات

بعض اوقات، خشک سالی کی وجہ سے فصل ناکافی ہوتی۔ اس کے علاوہ، انہیں چوروں سے بھی چوکنا رہنا پڑتا۔ فرعون کی طرف سے مقرر کردہ کاتب بھاری لگان کا مطالبہ کرتے۔ وہ کاشت کار جو اپنے حصے کا غلہ یا مویشی نہ دے پاتے، انہیں بعض اوقات بید مارے جاتے تھے۔

خاندانی زندگی

ہر گھر میں ایک بڑا خاندان آباد ہوتا تھا جن میں دادا، دادی، چچا، ماموں اور ان کی اولادیں شامل ہوتیں۔ بچے کافی تعداد میں ہوتے، یہ الگ بات ہے کہ اُن میں سے اکثر نوعمری میں ہی مر جاتے۔ بہت زیادہ بچوں کی پیدائش مصریوں کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔

بچوں کا معاشرتی مقام

بچے کو بڑی مسرت سے خوش آمدید کہا جاتا لیکن نومولود اگر اپاہج یا بدشکل ہوتا تو اسے تنہا چھوڑ دیا جاتا اور یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس پر دیوتاؤں کی لعنت ہے۔ ماں اپنے بچوں کی تربیت کی ذمہ داری خود اُٹھاتی لیکن بہت کم عُمری میں ہی انہیں کھیتوں کے کام یا دکانوں میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹانا پڑتا۔ امیر خاندانوں کے بچے پانچ سے چھے سال تک کی عمر میں محل یا مندر میں آنے جانے لگتے۔ وہ وہاں لکھتے پڑھتے اور گنتی سیکھتے تھے۔ کئی سال بعد وہ کاتب، ماہرِ تعمیرات یا جج بن جاتے تھے۔

ایک حقیقی کُنبہ

ایک خاندان محض والدین اور بچوں پر ہی مشتمل نہیں ہوتا تھا بلکہ اُن میں اکثر قریبی رشتے دار، مثلاً کوئی تنہا شخص، بیوہ یا مریض رشتے دار کو بھی اپنے ہاں پناہ دے دیتے تھے۔ ہر آدمی از خود سمجھ جاتا تھا کہ گھر اور خاندان میں اُس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

مکانات

مٹی سے بنے ہوئے گھروں میں سٹولوں، میزوں، چارپائیوں اور صندوقوں جیسا فرنیچر خال خال ہی ہوتا۔ گھروں کی چھت ہموار ہوتی جسے چبوترے کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ گھر کے رہائشیوں کی پسندیدہ جگہ ہوتی تھی۔ شام کے وقت، خنکی اور ستاروں بھرے آسمان کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کیلئے ہر کوئی وہاں آ بیٹھتا۔ امیر ترین مصریوں کے گھروں میں ایک باغ بھی ہوتا۔ وہ اپنی رہائش گاہ کی دیواروں کو تصویروں سے سجاتے جن میں سے بیشتر تصویریں پھولوں کی ہوتی تھیں۔

تجارت

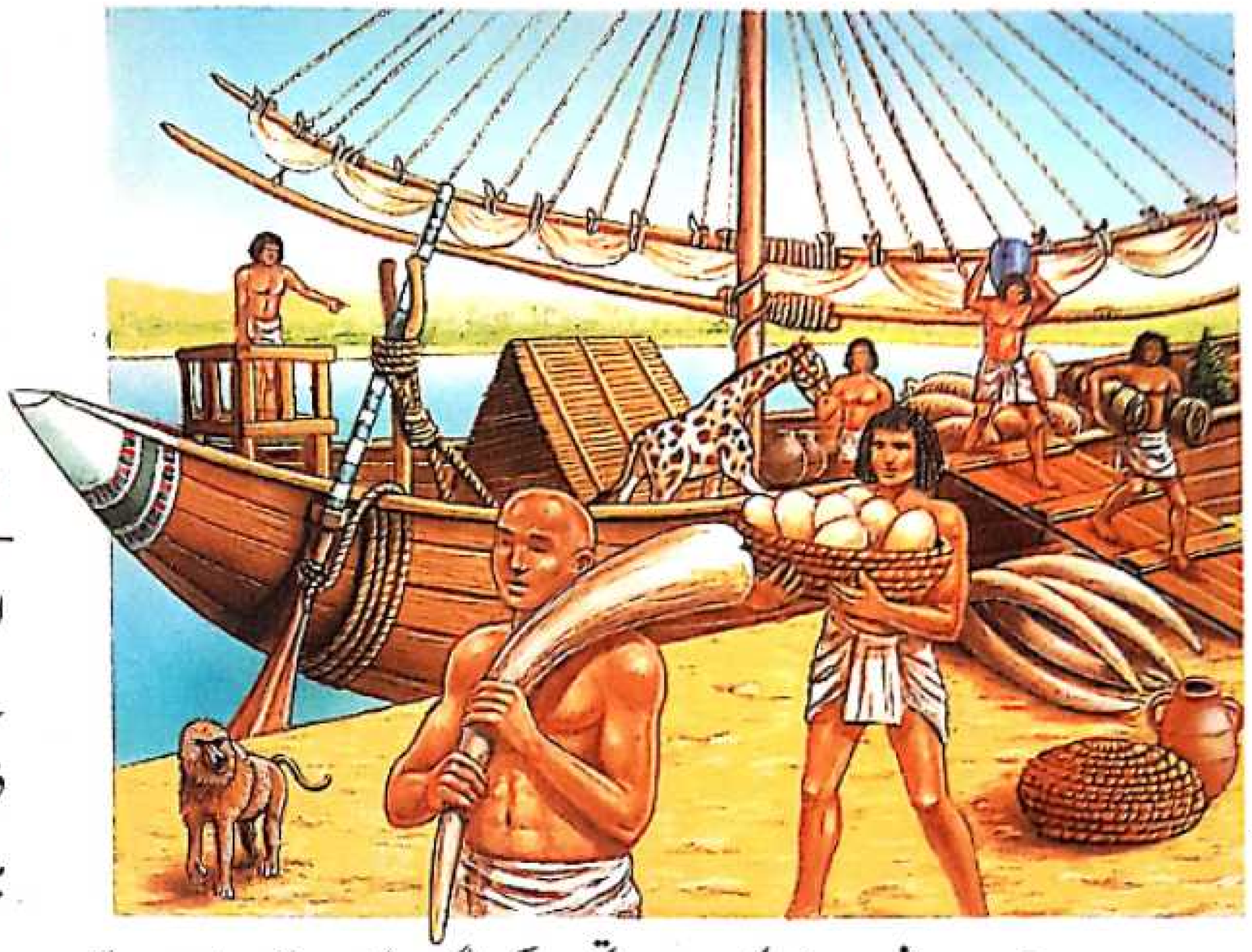

مصری بہت اچھے سیاح نہیں تھے بلکہ وہ اپنے ملک میں ہی رہنا پسند کرتے تھے۔ حقیقت میں، وہ اپنے مقدّس دریائے نیل کے اِردگرد ہی آباد ہونا پسند کرتے تھے۔ تاہم، بعض اوقات حالات انہیں اپنا پسندیدہ ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

مصریوں کو مُلک چھوڑنے کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی؟

کچھ مصری تجارت کے سلسلے میں باہر چلے جاتے تھے۔ اکثر تاجر، ہمسایہ ملک لیبیا کا سفر اختیار کرتے جہاں مصری سوداگر گندم اور آبی نرسل کا تبادلہ، دیودار کی لکڑی سے کرتے جو چھتوں اور جہاز سازی میں استعمال ہوتی تھی۔ کچھ لوگ، فرعون کے احکامات کے تحت، دوسرے علاقے فتح کرنے اور نئے خزانے تلاش کرنے کی مہم پر چلے جاتے تھے۔تقریباً 1300 قبل مسیح، میں جب سلطنت اپنے عروج پر تھی، مصری سپاہی اور سرکاری اہلکار شام سے سوڈان تک کے تمام علاقوں میں مختلف سرگرمیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔

کاتب ان تمام اشیا کی گنتی کرتے، جو بیرونی ممالک سے لائی جاتی تھیں۔ بعض اوقات، بحری مہمات کئی ماہ تک جاری رہتیں تھیں اور کئی قسم کے مال تجارت پر مشتمل ہوتیں جن میں جانور اور پودے بھی شامل ہوتے تھے۔ ان میں سے بیشتر سفر کی صعوبتوں میں زندہ نہ رہ پاتے تھے۔

اوائل میں ملکہ ہٹشاپسٹ(Hatshepsut) نے پاؤنٹ (Pount) نامی ملک میں ایک فوجی مہم بھیجی، جو غالباً موجودہ دور کے ایتھوپیا میں واقع تھا۔ کشتیاں بحیرہ احمر کے ذریعے وہاں پہنچیں اور واپسی پر وہ خوشبودار لکڑی لوبان سے بھری ہوئی تھیں۔ مصری اپنے ساتھ ہاتھی دانت، سونا، وحشی جانوروں کی کھالیں اور غلام بھی لائے تھے۔ مصر میں لوگ ان چیزوں سے واقف نہ تھے اِس لیے اُمراء کے لیے وہ چیزیں خوشی کا باعث بنیں۔

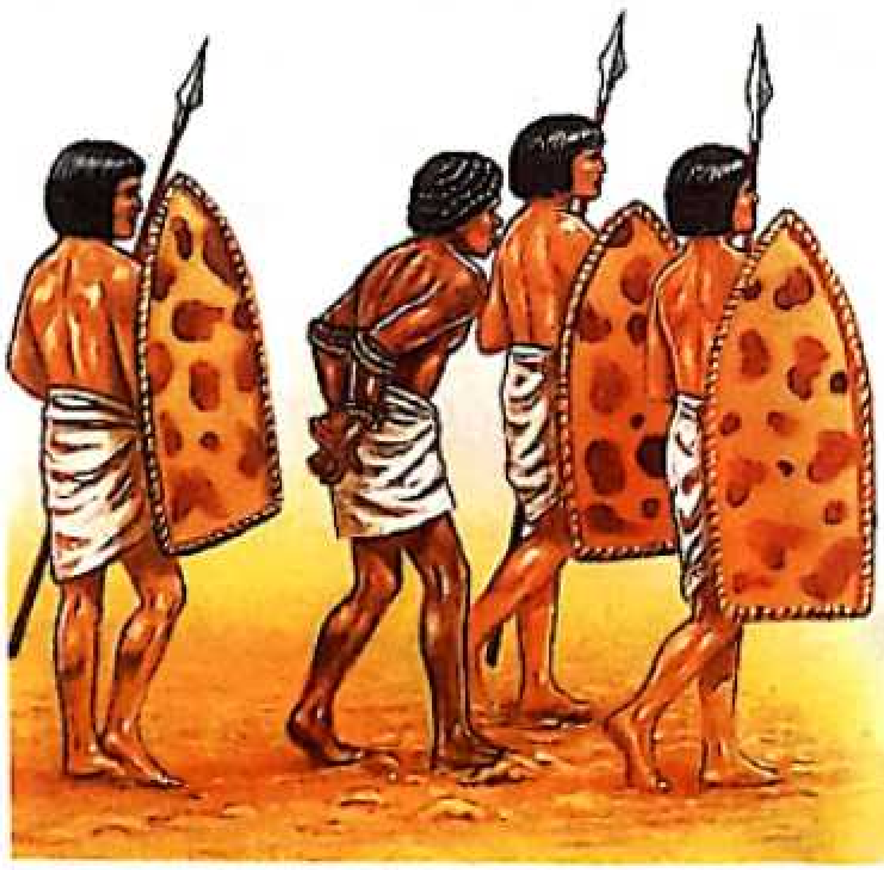

ملکہ ہٹشاپسٹ کے لیے لوبان کا تحفہ

پندرہویں صدی قبل مسیح کے

مختلف جنگوں اور فتوحات میں مصری جن قیدیوں کو پکڑتے، ان کی کلائیاں کمر کے پیچھے باندھ دیتے تھے۔

مصر کا زوال

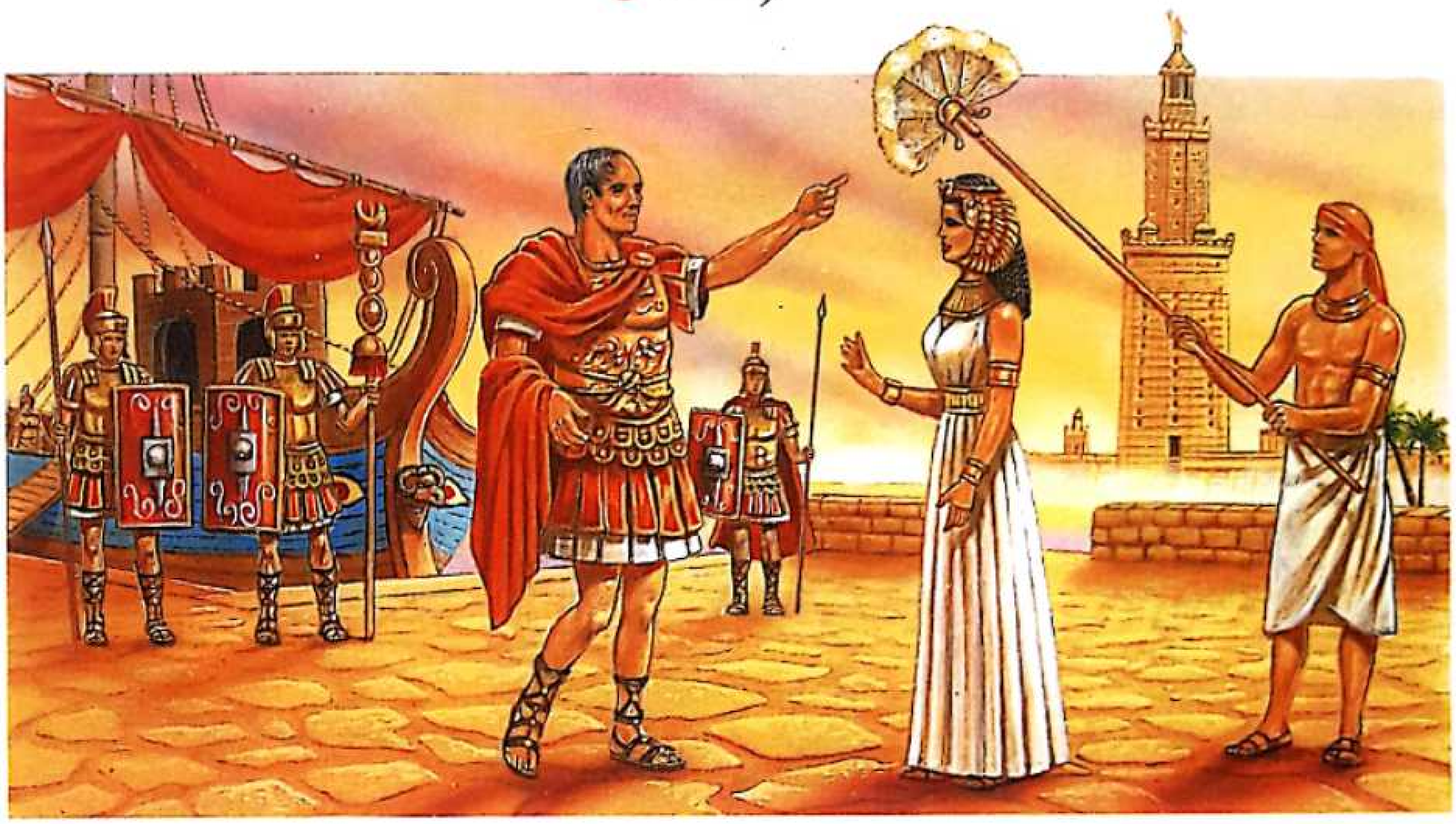

نویں سے پہلی صدی قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں اندرونی بدنظمی، قحط سالی اور پے در پے حملوں کی وجہ سے مصر کی قوت اور آزادی زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ تاہم، اپنے زوال سے قبل یہ تہذیب ایک طویل عرصے تک قائم رہی۔

ایک ملک جو ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور غلام بن گیا

اکثر موقعوں پر، صوبوں میں فرعون کے حکم کی پرواہ نہ کی جاتی تھی جس کی وجہ سے بدنظمی پھیل گئی اور ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا۔ شامیوں، فارسیوں، یونانیوں اور رومیوں نے مصر پر حملے شروع کر دیئے۔ یوں مصر کی خود مختارانہ حیثیت ختم ہو گئی لیکن اکثر حملہ آور مصری تہذیب سے مسحور ہو جاتے۔ چنانچہ تباہ کرنے کی بجائے، انہوں نے اُس تہذیب کو جزوی طور پر اپنایا۔ یہی معاملہ یونانی جنرل بطلیموس (ptolemy) کا تھا، جس نے 305 قبل مسیح میں آخری شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔

آخری فرعون کون تھا؟

یہ شاہِ بطلیموس کی وارث قلوپطرہ تھی جس نے 51 سے 30 قبل مسیح تک حکومت کی۔ اس کا خواب ایک ایسی وسیع و عریض سلطنت تھی جہاں مصر اپنے ہمسایہ مُمالک پر حکومت کرتا لیکن وہ ناکام ہوگئی۔ رومیوں نے اس کے مُلک کو فتح کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق، ذلت سے بچنے کے لیے قلوپطرہ نے خودکشی کر لی تھی۔

قلوپطرہ کی بے پناہ دلکشی نے رومیوں کو ورغلایا، پہلے قیصر اور بعد میں اینتھونی کو۔

انجام

بہت سے مصری بتدریج عیسائیت قبول کرنے لگے۔ مندروں کی دیکھ بھال کرنے والے پجاریوں کی تعداد کم سے کم ہوتی چلی گئی اور آخر کار وہ برباد ہو گئے۔ اسکندریہ کی بہت بڑی لائبریری، جس میں مصر کی مکمل تاریخ محفوظ تھی، 47 قبل مسیح میں آگ لگنے کے باعث جل کر تباہ ہوگئی۔

یونان

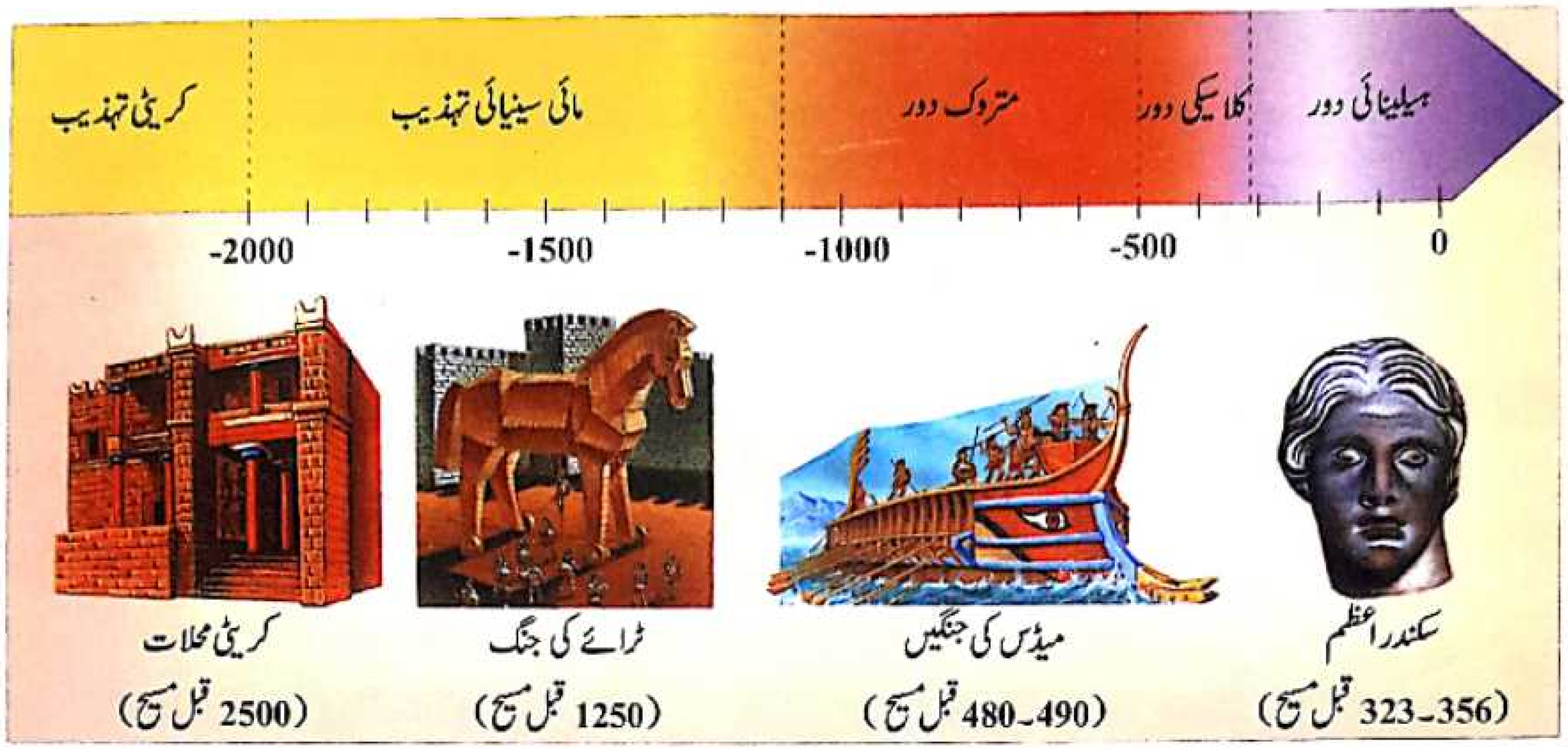

یونانی تاریخ میں 3000 سے 1000 قبل مسیح کے درمیان پہلے سے کچھ شاندار تہذیبوں کا دور دورہ تھا یعنی جزیرہ کریٹ (crete) میں کانسی دور کی کریٹی تہذیب (Minoans) اور پیلوپونیس (Peloponnesus) میں قدیم مائی سینیائی تہذیب۔ یونانیوں کی زبان اور عقیدہ مشترک تھا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ تہذیب بحیرہ روم کے ملحقہ علاقوں پر چھا گئی۔

مائی سینیائی باشندے

تقریباً 2000 قبل مسیح میں شمال کی جانب سے آنے والے ایکائی باشندے (Achaeans) یونان میں مقیم ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو منظّم کر کے چھوٹی چھوٹی مملکتیں قائم کر لیں۔ ان میں (Mycenae) مائی سینیا امیر اور طاقتور ترین مُملکت تھی۔ کچھ خُود مختار اور معزز لوگوں نے کسانوں کی آبادیوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ گیارہویں صدی قبل مسیح میں، مائی سینیائی دور ختم ہو گیا۔ ایسا غالباً شمالی جانب سے اُن حملہ آوروں کی آمد کی وجہ سے ہوا جو یونان کے قدیم باشندے تھے اور ڈورین کہلاتے تھے۔

یونانی تاریخ کا متروک دَور

یہ 1100 قبل مسیح میں شروع ہوا لیکن 800 قبل مسیح کے بعد یونانی ریاستوں نے اپنے آپ کو خُودمختار اور آزاد شہروں کی صورت منظّم کر لیا۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں لیکن آبادی بڑھتی اور زمین گھٹتی چلی گئی۔ تب یونانیوں نے بحیرہِ روم کے آس پاس نئے شہروں کی تلاش میں اپنے اصل وطن کو خیر باد کہہ دیا (جیسے نیپلز، مارسیلز وغیرہ)۔

کلاسیکی دَور

490 اور 480 قبل مسیح میں اہلِ فارس، جنہیں یونانی، میڈس (Medes) کہا کرتے تھے، نے یونان پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس میں ایتھنز کے لوگ کامیاب رہے۔ ایتھنز کی سپارٹا (Sparta) اور تھیبس (Thebes) کے ساتھ جنگوں کے نتیجے میں یونان کمزور ہو گیا۔

قدیم یونانی دَور

یونان کے شمال میں ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ واقع تھی۔ 338 قبل مسیح میں اہلِ مقدونیہ نے اپنے بادشاہ فلپ دوم (Philippe II) کی قیادت میں کیرونیا (Chaeronea) کے مقام پر یونانیوں کو شکست دی۔ فلپ کے بیٹے سکندر نے اس فتح کو مکمل کیا اور یونان کو اپنی وسیع و عریض سلطنت میں شامل کر لیا۔

یونان

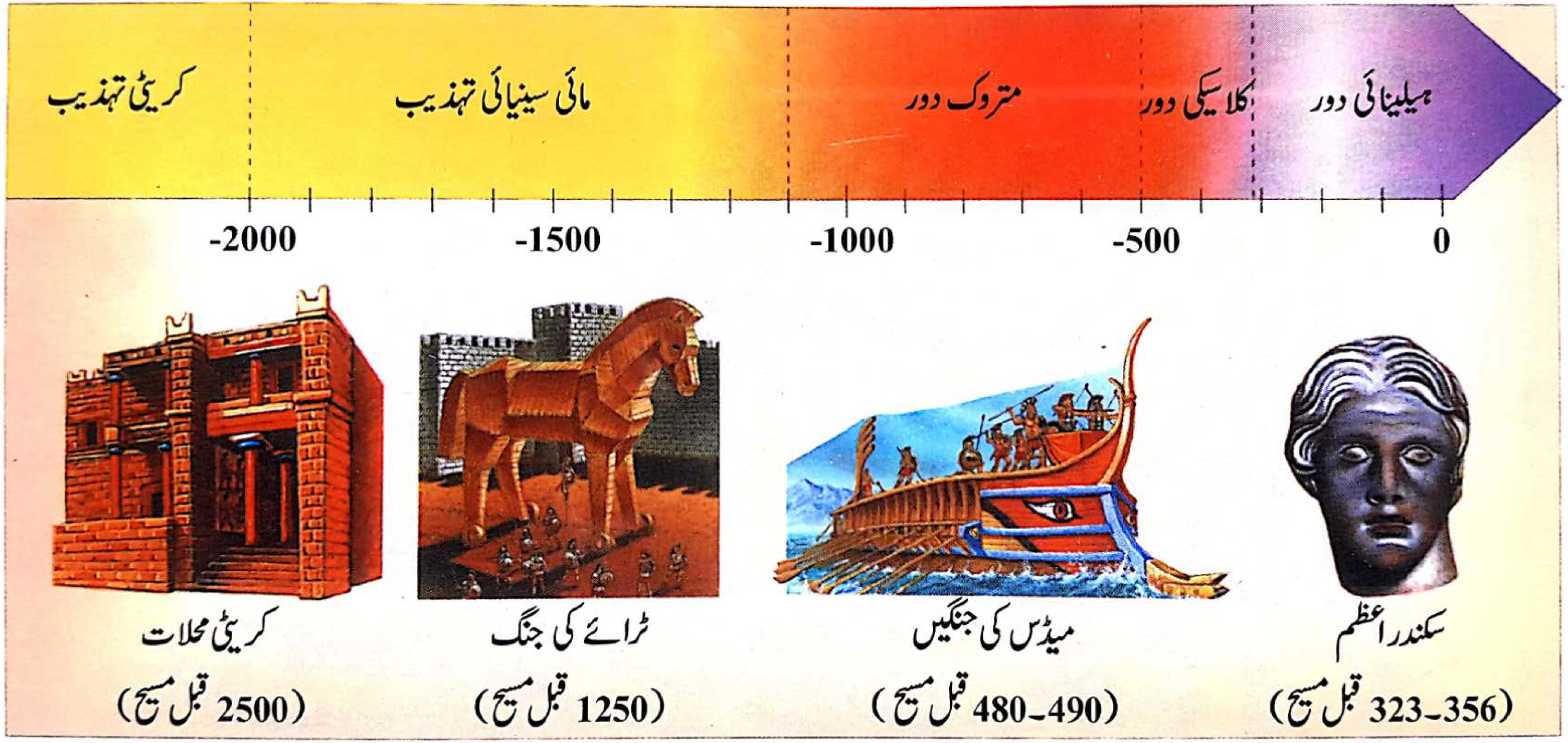
کریٹی تہذیب
مائی سینیائی تہذیب
متروک دور
کلاسیکی دور
ہیلینائی دور
-2000
-1500
-1000
-500
0
کریٹی محلات
(2500 قبل مسیح)
ٹرائے کی جنگ
(1250 قبل مسیح)
میڈس کی جنگیں
(480-490 قبل مسیح)
سکندر اعظم
(323-356 قبل مسیح)

سمندر اور آتش فشاؤں کے درمیان

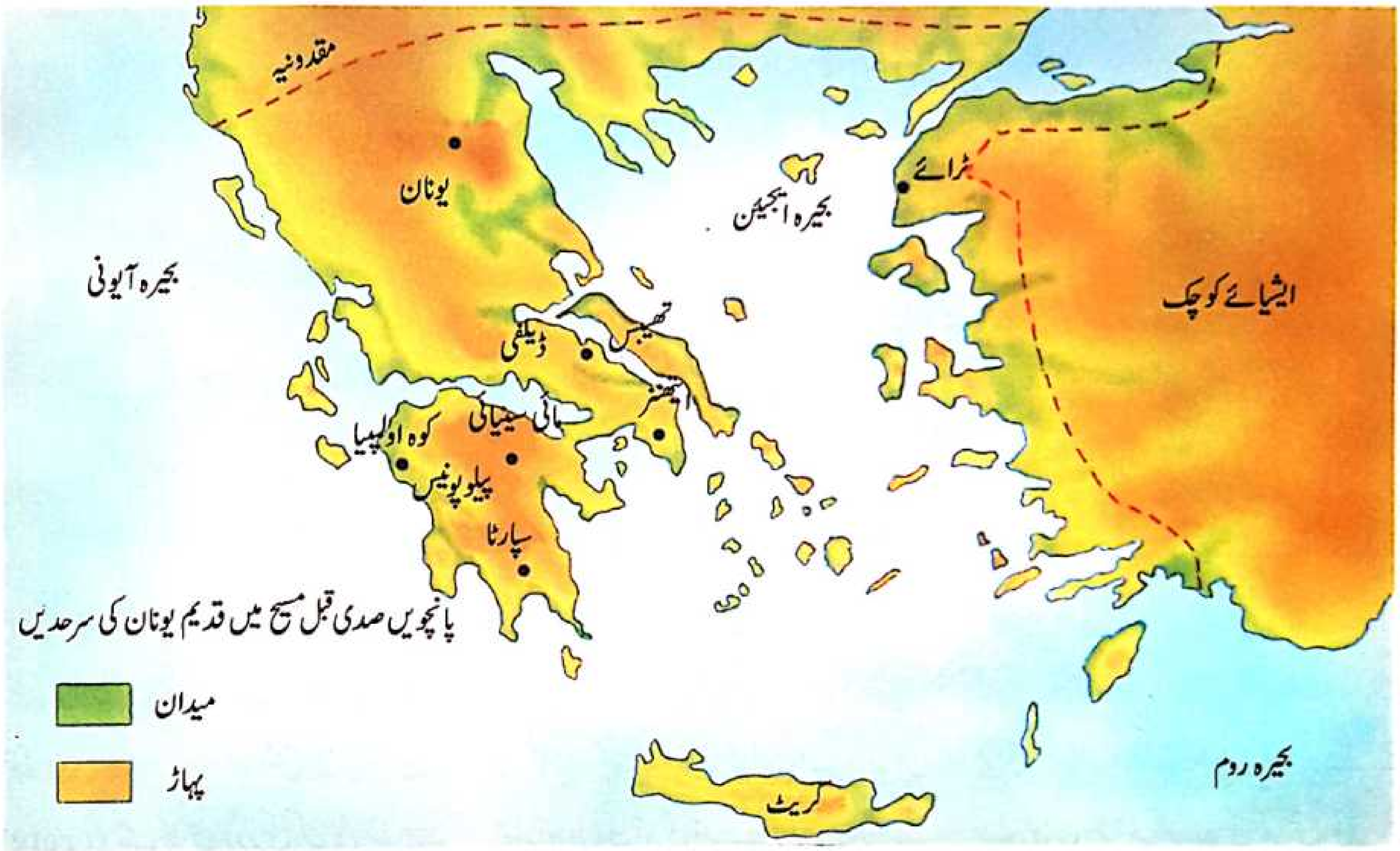

یونان مہم جوئی کے لیے آسان نہ تھا۔ اس کے ساحل کٹے پھٹے تھے اور بیشتر علاقہ پہاڑوں پر مشتمل تھا، سمندر بھی زیادہ دور نہ تھا کیوں کہ ساحل سے ہر گاؤں کا فاصلہ 90 کلومیٹر سے زیادہ نہ تھا۔

ایک غریب ملک

یونانی ہمیشہ سے کاشت کار تھے۔ وہ گندم، انگور اور زیتون کاشت کرتے تھے۔ اُن کی زندگیاں روزمرہ کاموں میں ہی بسر ہوتی تھیں لیکن موسم گرما کے طویل مہینوں کے دوران خشک سالی اور موسم بہار کی طوفانی بارشیں ڈھلان دار کھیتوں سے زرخیز مٹی بہا کر لے جاتی تھیں ۔ میٹھا پانی اور اچھی زمین کمیاب تھی، یوں فصلوں کی کمی اور قحط سالی سے محفوظ رہنے کیلئے زراعت کی دیوی دمیتر (Demeter) کی خدمت میں پیش کئے جانے والے نذرانوں میں عام طور پر کمی واقع ہو جاتی تھی۔

آتش فشاں پہاڑ

پہاڑوں نے یونان کی مملکت کا بہت بڑا حصہ گھیر رکھا تھا، ان میں سے اکثر آتش فشاں پہاڑ تھے۔ یہ خطرہ ہمیشہ سروں پر سوار رہتا کہ کہیں ان کا لاوا دیہات کو نگل نہ لے۔ یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ اُن کے لوہار دیوتا ہیفاسٹس (Hephaestus) نے وہاں اپنی ورکشاپ بنا رکھی ہے، اس لیے اور وہ ہمیشہ اس کے غضب سے خوف زدہ رہتے تھے۔

جزیرے اور سمندر

یونانی اچھے ملاح تھے۔ وہ ساحلوں کے ساتھ ساتھ جہاز رانی کرتے رہتے تھے۔ وہ جزیرے جو بحیرہ ایجیئن (Aegean Sea) میں بکھرے تھے، یونانی ملاحوں کے لئے ایشیائے کوچک تک آسان رسائی کا ذریعہ بن گئے۔ یوں وہ کُھلے سمندر میں مہم جوئی سے بچ گئے، جہاں بحری قزاقوں کی صورت میں خطرات موجود تھے۔

اولمپس کے دیوتا

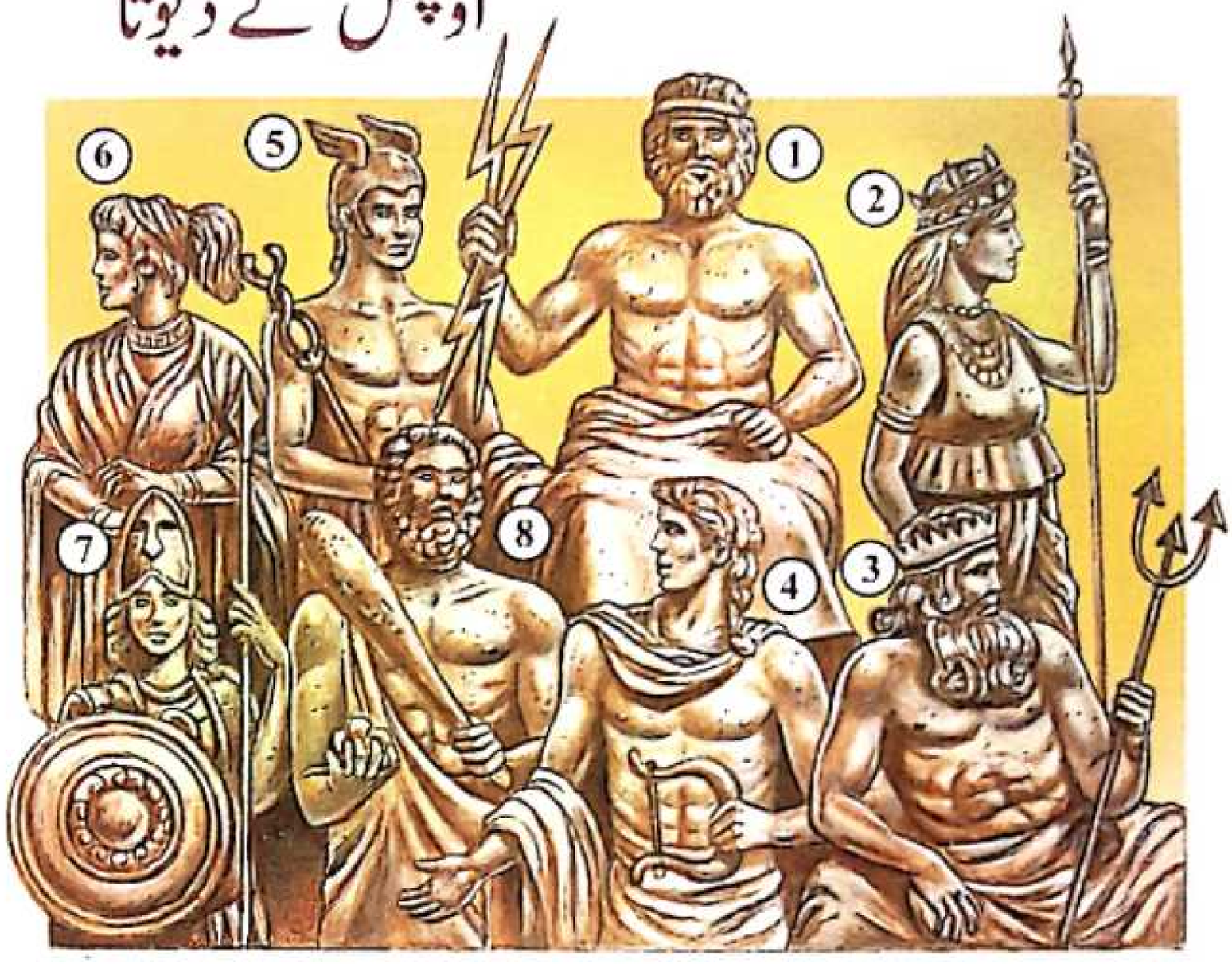

زیوس (1) دیوتاؤں کا حکمران اپنی بیوی حیرا (2) کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ پوسیڈان (3) جو سمندروں پر حکمران ہے۔ اپالو (4) فنون لطیفہ کا دیوتا، ہرمس (5) تیز ترین پیغام رساں، ایفروڈائٹ (6) محبت کی دیوی، اور ایتھینا (7) ذہانت کی دیوی، ہرکولیس (8) نیم دیوتا تھا۔

دیوتا ابدی زندگی کی قوتیں رکھتے تھے۔ وہ انسانوں سے برتر تھے، جو اُن کے قہر سے ڈرتے تھے۔ یونانی دیومالاؤں اور فرضی قصّے کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح دیوتاؤں نے کرۂ ارض کی تخلیق اور بنی نوع انسان کے جنم لینے کی نگرانی کی، جس کے ساتھ ہی جھگڑوں، محبتوں اور حسد و نفرت نے جنم لیا۔

دیوتا کس طرح پیدا ہوئے تھے؟

ان کے بارے میں افسانوی خیالات کچھ اس طرح بتائے جاتے ہیں کہ ایتھینا (Athena) اپنے باپ زیوس (Zeus) کی کھوپڑی میں سے مکمل طور پر مسلح اور جنگ کے نعرے لگاتی ہوئی، اُچھل کر باہر نکل آئی۔ ایفرو ڈائٹ (Aphrodite) سمندر کی لہروں میں سے نمودار ہوئی۔ خواہ دیوتا (اپالو کی طرح) نوعمر پیدا ہوئے ہوں یا پختہ عمر (زیوس کی طرح)، اُن کی پہلی شکل وصورت ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جاتی تھی اور ان پر بڑھاپا کبھی نہیں آتا تھا۔

دیوتا کی سزا

ایک وقت تھا، جب انسان کسی کوشش اور فکرمندی کے بغیر زندگی گزارتا تھا۔ اُس کے تمام مصائب (دکھ، درد، بیماری، مشقت) ایک برتن میں مقفل تھے۔ ایک دن زیوس نے دیوتاؤں کی آگ چرانے پر انسانوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا، تب اس نے پہلی عورت تخلیق کی، اس کا نام پینڈورا (Pandora) تھا، پینڈورا نے اس مقفل برتن کا ڈھکن اُٹھا دیا، جس سے تمام مصیبتیں باہر نکل آئیں، صرف اُمید باقی رہ گئی تاکہ انسان کی ہمت بندھی رہے۔

ڈیلفی کے مقام پر اپالو نے اُن سوالوں کے جواب دیئے تھے جو انسانوں نے پوچھے تھے کہ کیا اہلِ فارس کے خلاف جنگ لڑنی ضروری ہے؟ کیا ہمیں کوئی آبادی قائم کرنی چاہیے؟ دیوتا نے ایک نوجوان لڑکی پتھیا کی آواز میں جواب دیا تھا۔ اس کے بعد یونانیوں نے ہر جگہ مستقبل کی پیش گوئی کرنے والوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

اولمپس کے دیوتا

ایلیڈ اور اوڈیسی

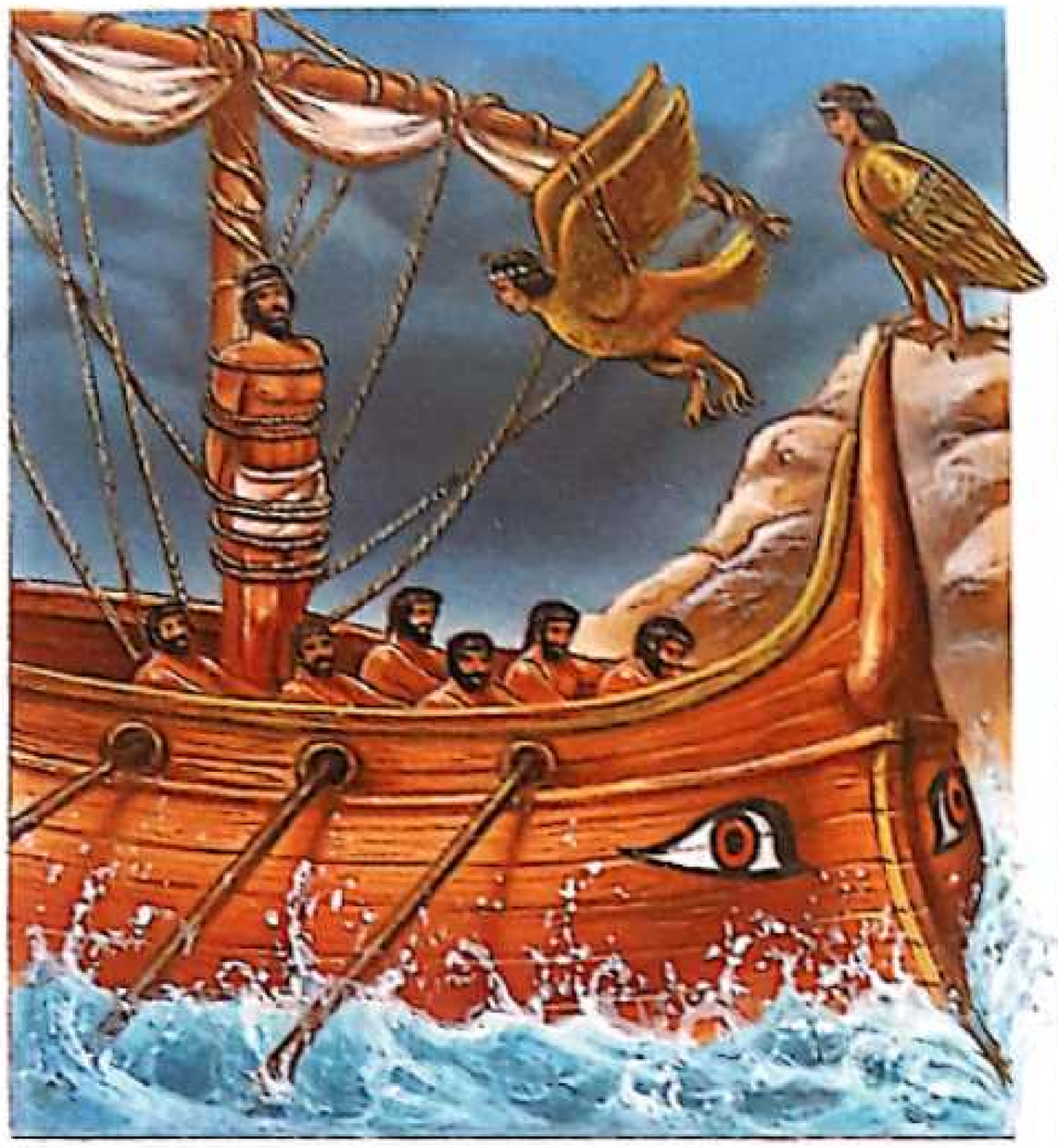

یہ دو ایسی طویل نظمیں ہیں، جو یونانی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ آٹھویں صدی قبل مسیح کے شاعر ہومر (Homer) نے ان نظموں کو ایسے گیتوں کی مدد سے دوبارہ لکھا، جو نسل درنسل منتقل ہوتے چلے آئے تھے۔

ان نظموں میں کیا بیان کیا گیا تھا؟

ٹرائے (Troy) کے بادشاہ کے بیٹے پارس (Paris) نے خوبصورت ہیلن (Helen) کو اغوا کر لیا۔ ہیلن، سپارٹا (Sparta) کے یونانی بادشاہ مینیلس (Menelas) کی بیوی تھی۔ مینیلس اور ایکائی باشندے، ہیلن کو واپس لانے اور اہل ٹروجن کو سزا دینے کے لیے ٹرائے روانہ ہوگئے۔ ایلیڈ (Iliad) میں ٹرائے کے اُسی محاصرے کا ذکر ہے۔ نظم اوڈیسی (Odyssey) میں یونانی ہیرو یولیسس (Ulysses) ٹرائے پر یونانیوں کی فتح کے بعد اپنی ریاست ایتھاکا (Ithaca) میں واپس آتا ہے۔ اس کے بعد اُسے ناقابلِ یقین مہموں سے واسطہ پڑتا ہے۔

انسانوں کے حامی دیوتا

ہر دیوتا کا کسی ایک طرف جھکاؤ ہوتا تھا۔ ہیرا (Hera) نے یونانیوں کی مدد کی جب کہ اپالو نے، اہل ٹرائے کی حفاظت کی۔ دیوتا لوگوں کی مدد کر کے انسانی کاموں میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔

ایلیڈ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ٹرائے میں خفیہ طریقے سے داخل ہونے اور شہر پر قبضہ کرنے کے لیے یونانیوں نے اپنے آپ کو لکڑی کے بنے گھوڑے میں چھپا لیا تھا۔

اوڈیسی میں یولیسس نے اپنے آپ کو ساتھیوں کی مدد سے کشتی کے ساتھ باندھ لیا تاکہ وہ انتہائی خوبصورت جل پریوں کے سُریلے گیتوں کی کشش کا مقابلہ کر سکے، کیوں کہ وہ اُن کی طرف بے اختیار کھنچا چلا جاتا تھا۔

کیا ٹروجن کی جنگ حقیقت میں ہوئی تھی؟

جی ہاں! ٹرائے کو تقریباً 1200 قبل مسیح میں تباہ کر دیا گیا تھا، اس لیے اہل ایکائی شہر لوٹنے کی خاطر خوبصورت ملکہ کے اغوا کا بہانہ کر کے ٹرائے کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔

دیوتاؤں کا احترام

دیوتاؤں سے تعلق قائم رکھنے کے لیے اہل یونان کئی مذہبی رسومات ادا کرتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اس طرح وہ ان کے غضب سے محفوظ اور اُن کی حفاظت میں ہیں۔ پورے یونان میں ہر روز اور ہر لمحہ دُعائیں مانگی جاتیں اور قربانی کے موقع پر مختلف قسم کے مشروبات نذرانے کی صورت میں پیش کیے جاتے تھے۔

گھر کے اندر

گھر میں، آتش دان ایک ایسی جگہ تھی جہاں ہمیشہ آگ جلتی رہتی۔ یہ آگ اس لیے بھی جلائی جاتی تھی کیوں کہ اُس گھر کے رہنے والے، زیوس یا ہیستیا کا احترام کرتے تھے جو آتش دانوں اور روشن آگ کے دیوتا تھے۔ وہ ان میں آگ جلانے سے پہلے پکی اینٹوں سے بنی چھوٹی سی قربان گاہ پر پھل، سبزیاں، پنیر یا کیک رکھا کرتے تھے۔ طلوع اور غروبِ آفتاب کے وقت وہ قربان گاہ پر تیل، شہد یا شراب گرایا کرتے، جنہیں ''سیال قربانیاں'' کہا جاتا تھا اور اُن کا مقصد دیوتاؤں سے گھر کی حفاظت طلب کرنا تھا۔

شہر کے اندر

تہواروں کے موقع پر تمام اہالیانِ شہر اکٹھے ہو جاتے اور دیوتاؤں کے حضور نذرانے پیش کرنے کے لیے جانوروں کی قربانیاں دیا کرتے تھے۔ دیوتا پوسیڈان (Poseidon) بیلوں اور دیوی ایتھینا (Athena) گایوں کو پسند کرتی تھی۔ جانوروں کو آسمانی معبود کی قربان گاہ کے سامنے جلوس کی شکل میں لایا جاتا اور اسے پاک کرنے کے لیے اُن کے سروں پر پانی ڈالا جاتا۔ اس کے بعد پجاری دعائیں پڑھ کر جانور کا گلا کاٹتے اور پھر سارا خون قربان گاہ پر ڈال دیا جاتا تھا۔ جانور کے ٹکڑے کر کے گوشت بھون لیا جاتا۔ آگ کا دُھواں ظاہر کرتا کہ دیوتا بھی اس میں شامل ہیں، جب کہ لوگ پکا ہوا گوشت کھانے میں مشغول ہو جاتے۔

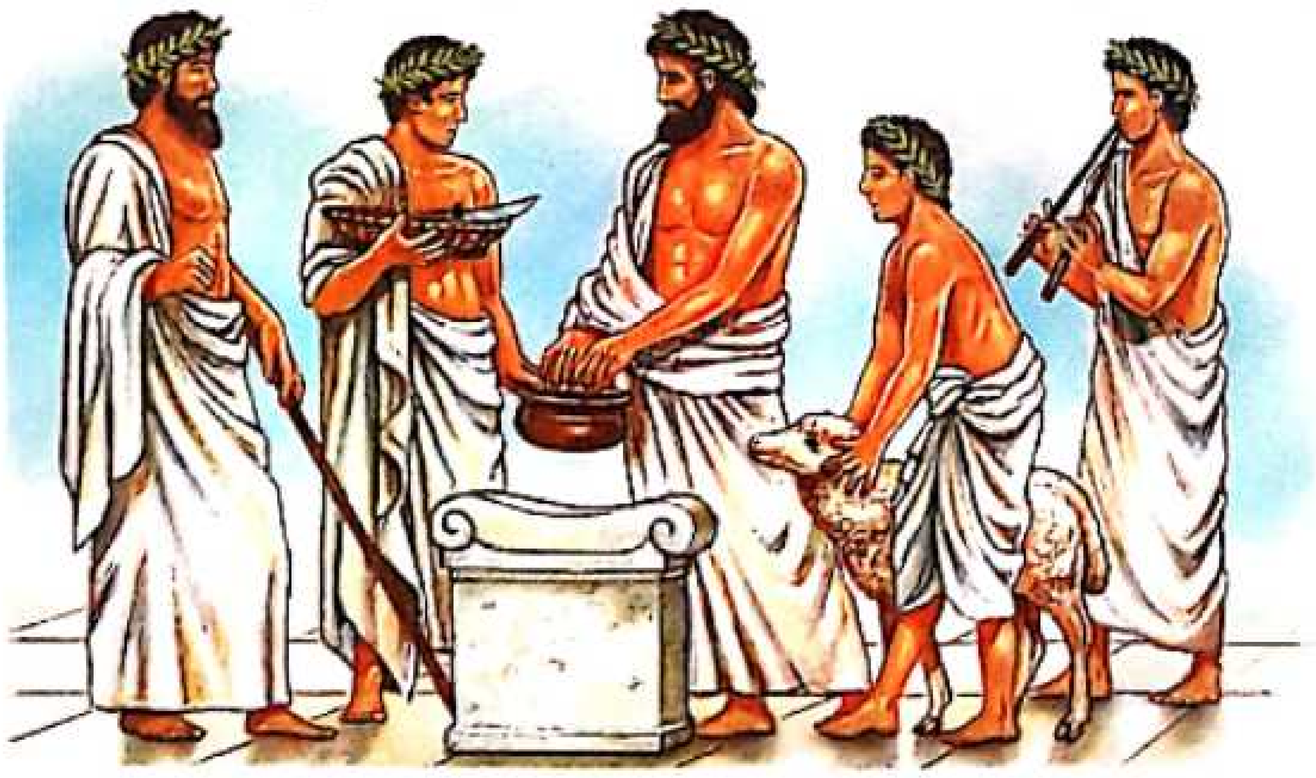

اولمپک کھیلیں

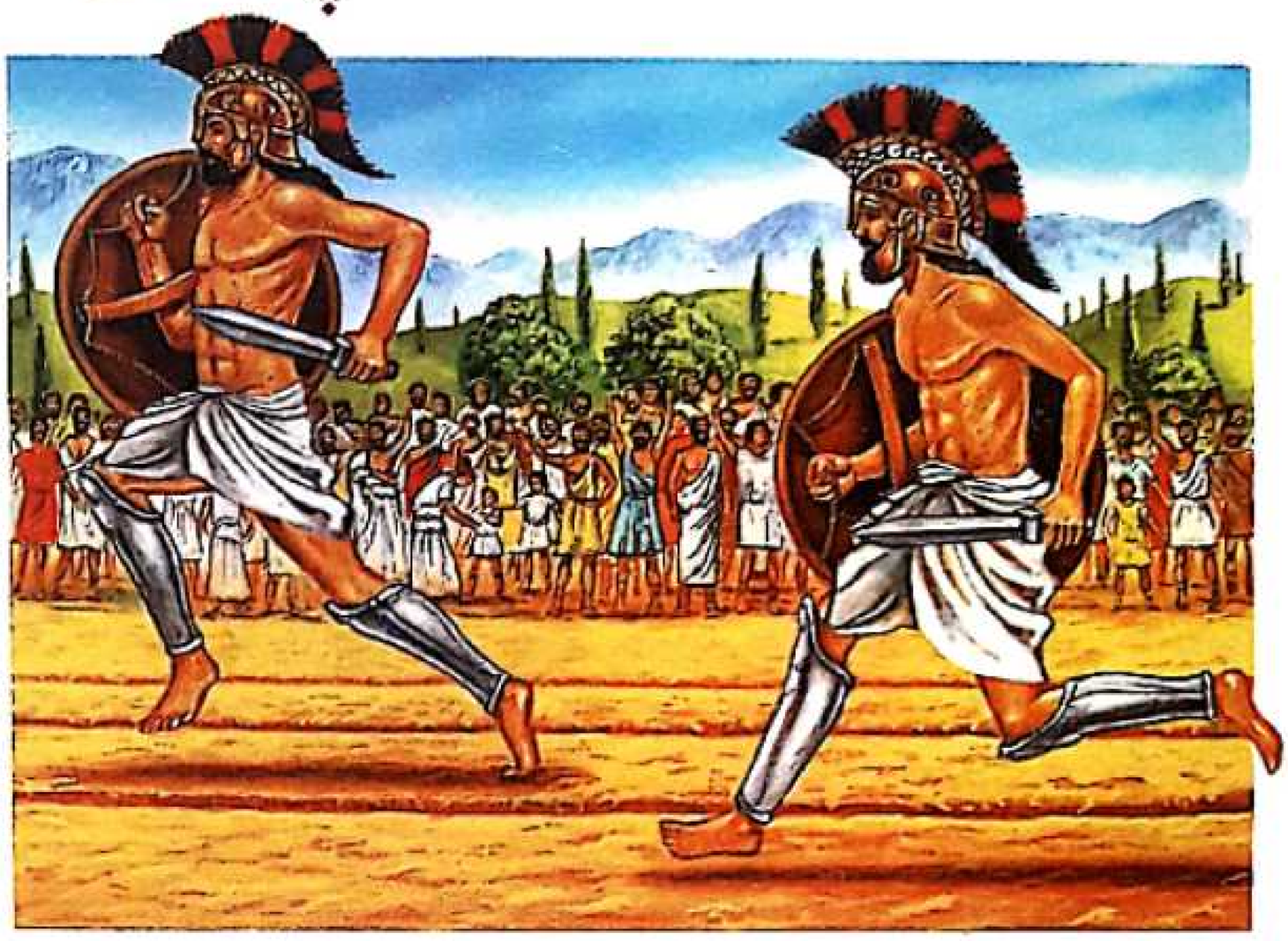

یونان میں کھیلوں کے پہلے مقابلے 776 قبل مسیح میں منعقد ہوئے۔ ہر چار سال بعد اُسی تاریخ پر اہلِ یونان سورج دیوتا، زیوس کے اعزاز میں اولمپیا کے مقام پر اکٹھے ہوتے تھے۔ یہ مذہبی رسوم اور کھیلوں کا بہت بڑا تہوار تھا۔اس عرصے کے دوران یونانی، شہروں میں امن و امان قائم رکھتے تھے۔

کھلاڑی کون لوگ ہوتے تھے؟

کھلاڑی مرد یا نوعُمر لڑکے ہوتے تھے۔ عورتوں کو ان کھیلوں میں حصہ لینے کا کوئی حق نہیں تھا، یہاں تک کہ وہ وہاں جا بھی نہیں سکتی تھیں۔ منتخب کردہ مقابلوں میں حصہ لینے والوں کو کئی ماہ پیشتر تربیت دی جاتی تھی۔ کھیلوں کے پہلے دن وہ حلف اٹھاتے کہ اپنے

جیتنے والوں کے لیے سب سے اچھا انعام وہ عزت افزائی تھی جو اُنہیں حاصل ہوتی۔ یہ عزت انہیں دیوتاؤں کے پسندیدہ مقام تک پہنچا دیتی تھی۔

ملک اور عوام کی عزت کا خیال رکھیں گے اور کھیل میں دھوکا اور بے ایمانی نہیں کریں گے۔

کھیل کون کون سے تھے؟

جوانوں میں دوڑوں کے مختلف مقابلے، مثلاً سنگل ریس، ڈبل ریس، طویل دوڑ اور ہتھیار بند دوڑ اور دوسرے کھیل مثلاً کُشتی، مُکا بازی اور فری سٹائل کُشتی کے مقابلے ہوتے تھے۔اِن کے علاوہ ایک اور مقابلہ بھی ہوتا جس میں پانچ کھیل ہوتے تھے: لانگ جمپ، ڈسکس تھرو، نیزہ بازی، دوڑ اور کُشتی۔ علاوہ ازیں، گھُڑ دوڑ اور چار گھوڑوں کی رتھ دوڑ بھی ہوتی تھی۔ بچوں کے اپنے علیحدہ مقابلے ہوتے تھے۔

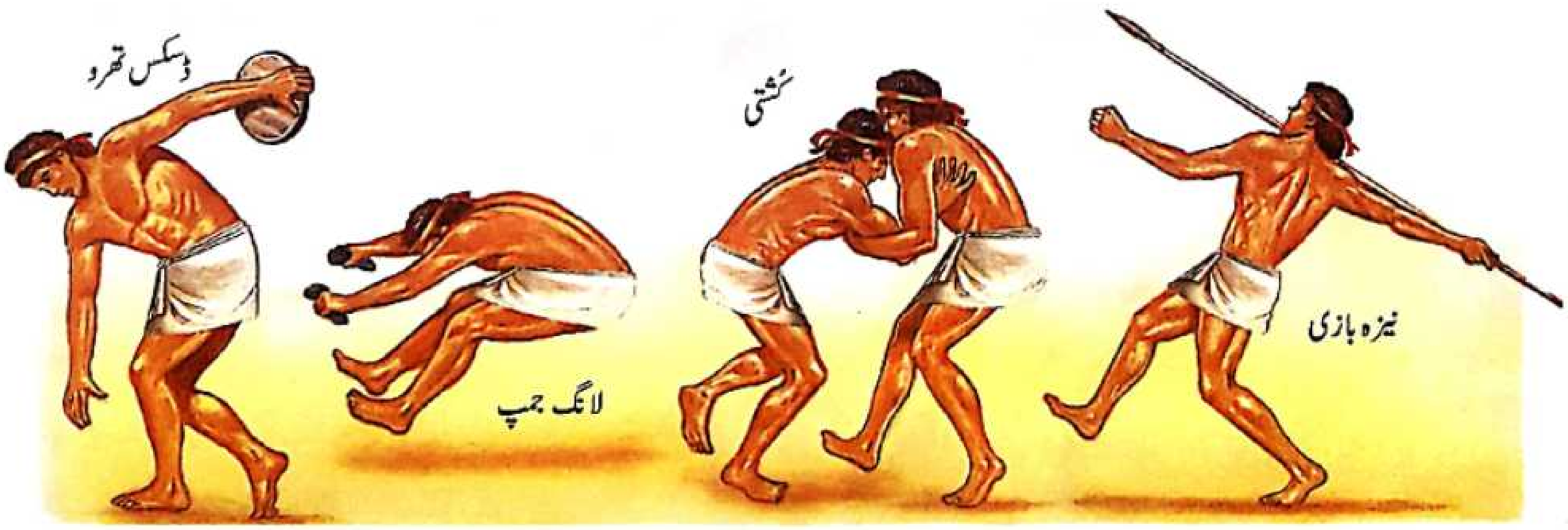

طاقت ور سپارٹائی قوم

یہاں سپارٹا کے سپاہیوں کو دکھایا گیا ہے۔ ہارنے والے جنگی قیدیوں کو چہرے کے صرف ایک طرف ڈاڑھی بڑھانا ہوتی تھی۔

پانچویں صدی قبل مسیح میں سپارٹا جیسا کوئی دوسرا شہر نہ تھا۔ یونانیوں پر سپارٹائی فوج کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ فوج شہر کے باشندوں پر مشتمل ہوتی جنہیں بہت سخت فوجی تربیت دی جاتی تھی۔

سپارٹائی باشندوں کو سخت فوجی تربیت دی جاتی تھی۔

ان کی جگہ کام کون کرتا تھا؟

یہ وہ شہری تھے، جنہوں نے اپنے آپ کو شہر کے دفاع کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کی جگہ ہیلوٹ (Helots) جنہیں زرعی غلام کہا جاتا تھا، اُن کی زمینیں کاشت کرتے تھے۔

کمزوروں کے لیے کوئی جگہ نہ تھی

The council of the Elders، شہر پر حکومت کرتی تھی۔ یہ کونسل اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے نوزائیدہ بچوں کا معائنہ کرتی۔ اس دوران انہیں چناؤ کے سخت مرحلوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ جسمانی طور پر کمزور یا بیمار بچوں کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دیا جاتا۔ یونانیوں کے عام رواج کے برعکس، بچوں کو ریشم کی پٹیوں میں لپیٹنے کی بجائے ننگا رکھا جاتا تاکہ ان کے اعضا آزادی سے حرکت کریں اور وہ نسبتاً صحت مند اور طاقت ور ہوں۔

سخت جسمانی تربیت

7 سال کی عمر سے شہری بچے، سماجی زندگی کی خاطر، خاندانی زندگی کو خیر باد کہہ دیتے تھے۔ وہ لکھنے پڑھنے میں زیادہ وقت صرف نہ کرتے بلکہ ان کی تعلیم کا اولین مقصد جسمانی تربیت تھی۔ وہ ہر وقت اپنی قوتِ برداشت اور حوصلے میں اضافہ کرنے کے لیے دوڑ اور مارشل آرٹس کے مقابلے کرتے رہتے۔ ان کی خوراک کی ایک حد مقرر تھی اور انہیں اپنی اس اہلیت کو ثابت کرنا پڑتا کہ وہ مشکل صورتِ حال سے اچھی طرح نمٹ سکتے ہیں۔

ایتھنز میں جمہوریت

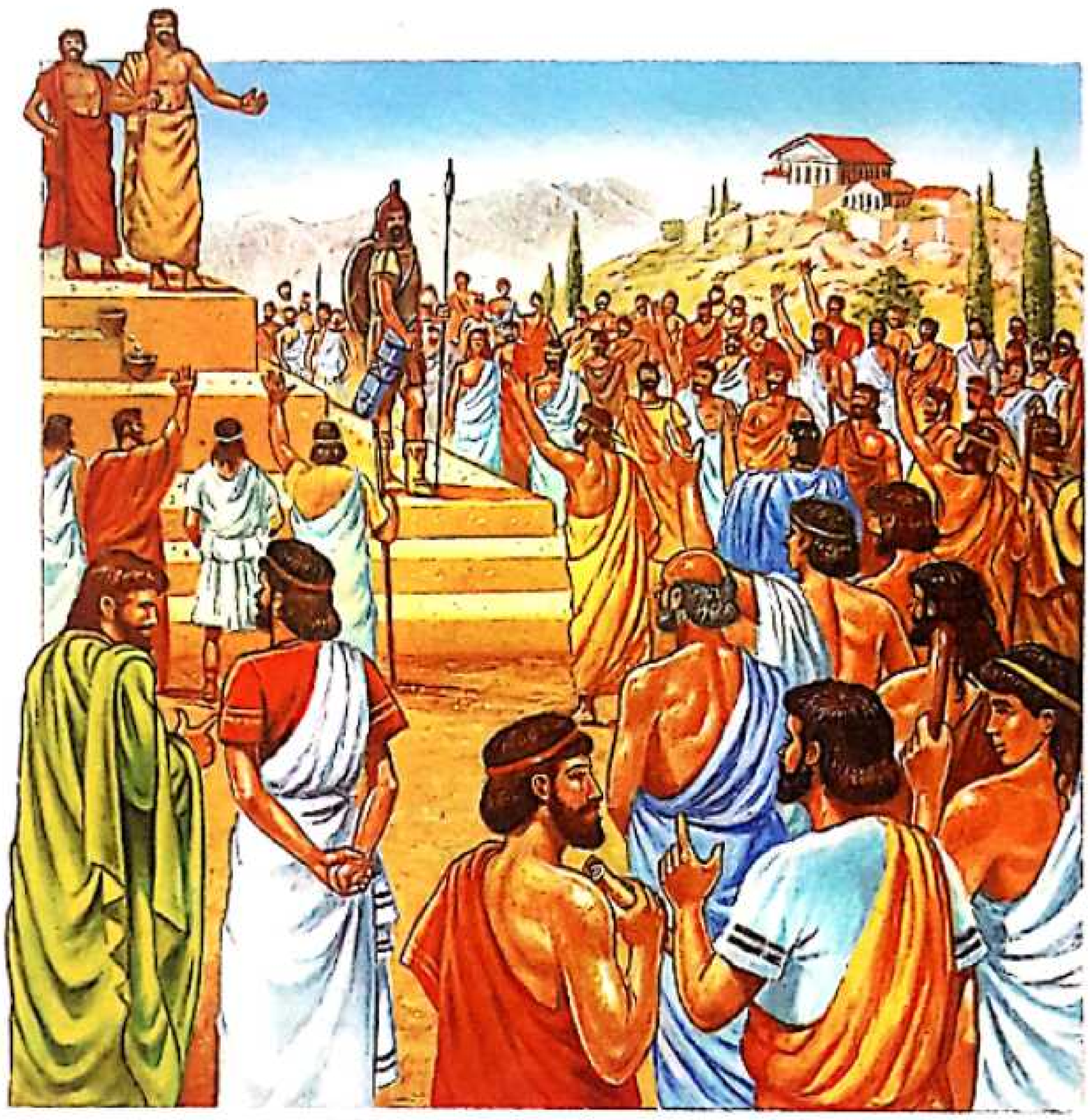

ایتھنز (Athens) کے لوگ شہر پر حکومت کرنے میں براہِ راست حصہ لیتے تھے، اس عمل کو جمہوریت کہا جاتا تھا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں عورتوں، غلاموں اور غیرملکیوں سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے کی پابندیاں اُٹھالی گئیں۔

شہر کا منتظم کون ہوتا تھا؟

شہر کے منتظم وہ شہری ہوا کرتے تھے جنہیں 18 سال کی عمر میں ایتھنز کی شہریت مل جاتی تھی اور وہ عوامی اسمبلی ایکلیسیا (Ecclesia) کے اجلاس میں شرکت کر سکتے تھے۔ شہریوں کا اجتماع مقرروں کی تقریریں سنتا اور پھر مجسٹریٹوں کے بنائے ہوئے قوانین پاس کیے جاتے۔ مجسٹریٹ انصاف کے تقاضے پورے کرتے اور فوج کو احکام صادر کرتے تھے۔ انہیں قرعہ اندازی سے تعینات کیا جاتا یا پھر ان کا انتخاب ہوتا تھا۔

غیر ملکی

انہیں metics کہا جاتا تھا۔ وہ شہروں میں رہتے تو تھے لیکن وہ یا تو غیر ایتھنز یونانی ہوتے یا پھر دوسرے ملکوں سے آئے ہوتے۔ وہ نہ مکان کے مالک بن سکتے تھے نہ زمین کے، انہیں شہری حقوق بھی حاصل نہ تھے۔ وہ اکثر کاری گر، دکان دار یا تاجر ہوتے تھے۔ اس طرح ماہر تعمیرات، فلسفی اور حکیم ایتھنز میں مستقل قیام کے لیے آتے اور اپنے ساتھ علم اور تجربہ بھی لاتے تھے۔

غلام

وہاں کوئی ایک لاکھ سے زیادہ تعداد میں غلام تھے۔ اُن کے آقا metics ہوتے یا یونانی شہری۔ ان میں سے اکثر سابقہ جنگی قیدی ہوتے تھے۔ اگورا (Agora) کے مقام پر ہر مہینے غلاموں کی منڈی لگتی۔ ایک شہری عام طور پر کئی غلام رکھ سکتا تھا۔

جب کوئی شہری تقریر کرتا تو اُسے دیئے گئے وقت کا شمار کرنے کے لیے آبی گھڑی استعمال کی جاتی تھی۔ جب سارا پانی ایک برتن سے دوسرے برتن میں منتقل ہو جاتا تو مقرر کو تقریر کرنے سے روک دیا جاتا تھا۔

ایتھنز

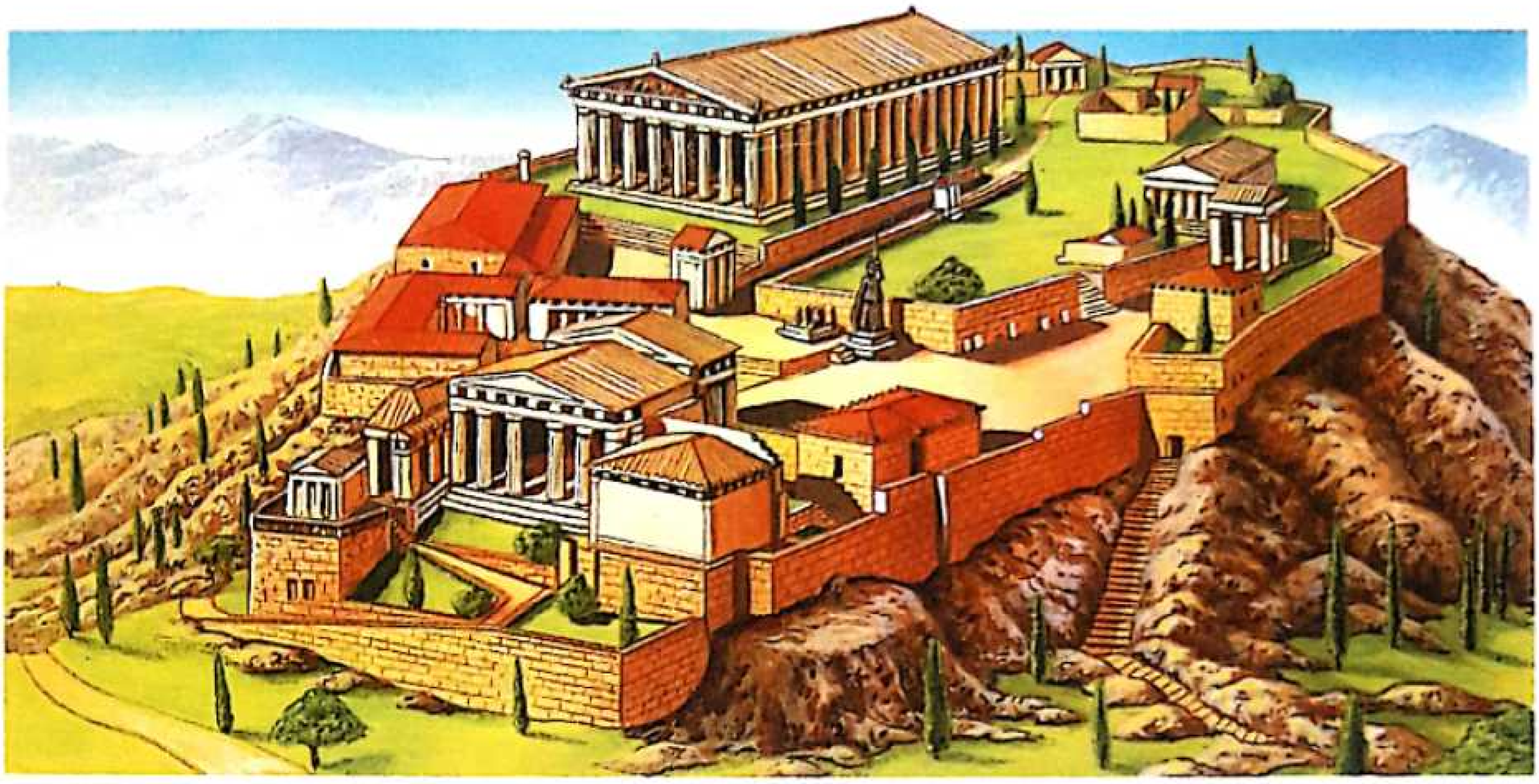

پانچویں صدی قبل مسیح میں ایتھنز، بحیرہ روم سے ملحقہ شہروں میں خوش حال ترین اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ اس کے پہاڑوں کی خوبصورتی اور اس کی مستحکم معیشت نے اسے اہلِ یونان کے لیے ایک پُرکشش مرکز بنا دیا تھا۔

ایکروپولس کیا تھا؟

ایکروپولس (Acropolis) ایک پہاڑ تھا۔ اہلِ ایتھنز کے عقیدے کے مطابق یہ مقدس جگہ اُن کے لیے فخر اور شہرت کا باعث تھی۔ عقل و دانش کی دیوی کا معبد، پارتھی نن (Parthenon) اس کے مرکز میں واقع تھا۔ یہ ایک مقدس معبد تھا جو ایتھینا (Athena) نامی دیوی سے منسوب تھا اور وہ شہر کی حفاظت پر مامور تھی۔ یہ معبد سنگِ مرمر سے بنا ایک حیران کُن مندر تھا جس میں سونے اور ہاتھی دانت سے بنا 12 میٹر بلند ایتھینا کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔

تہواروں کا شہر

ایتھنز کے لوگ سارا سال بڑے بڑے مذہبی تہوار مناتے رہتے تھے۔

- Panatheneas تہوار، ایتھینا دیوی کے اعزاز میں ہر سال جولائی کے مہینے میں منایا جاتا تھا۔ ایک بہت بڑا جلوس شہر سے ہوتا ہوا ایکروپولس پہنچتا، سامنے بہت بڑی قربان گاہ ہوتی، جہاں تقریباً 100 بیلوں کی قربانی دی جاتی۔
- یونانی دیوتا Dionysus کے اعزاز میں منعقد ہونے والا جشن 6 دن تک جاری رہتا۔ اُس دوران قربانیاں دی جاتیں اور دعوتیں ہوتیں۔ تہواروں، شراب اور تھیٹر کے اُس دیوتا کے اعزاز میں یکے بعد دیگرے المیہ اور مزاحیہ مقابلے ہوتے تھے۔

شہر کا نشیبی حصہ

ایکروپولس کے دامن میں صرف تنگ اور پیچیدہ گلیاں تھیں۔ گندم اور لکڑی جیسی اشیائے ضروریہ کی بہم رسانی پیرائیس (Piraeus) کی بندرگاہ کے راستے ہوتی تھی۔ بحیرۂ روم سے ملحقہ شہروں کے راستوں سے آنے والی ہر چیز وہاں میسر تھی۔ دکانیں لگانا اور اسمبلیوں کے اجلاس منعقد کرنا، یہ سب اگورا کے کھلے میدان میں ہوتا تھا۔ چمڑا، گلدان اور اسلحہ وغیرہ اُن علاقوں میں بنتے، جہاں کاریگر رہتے تھے۔

امیر شہری کی زندگی

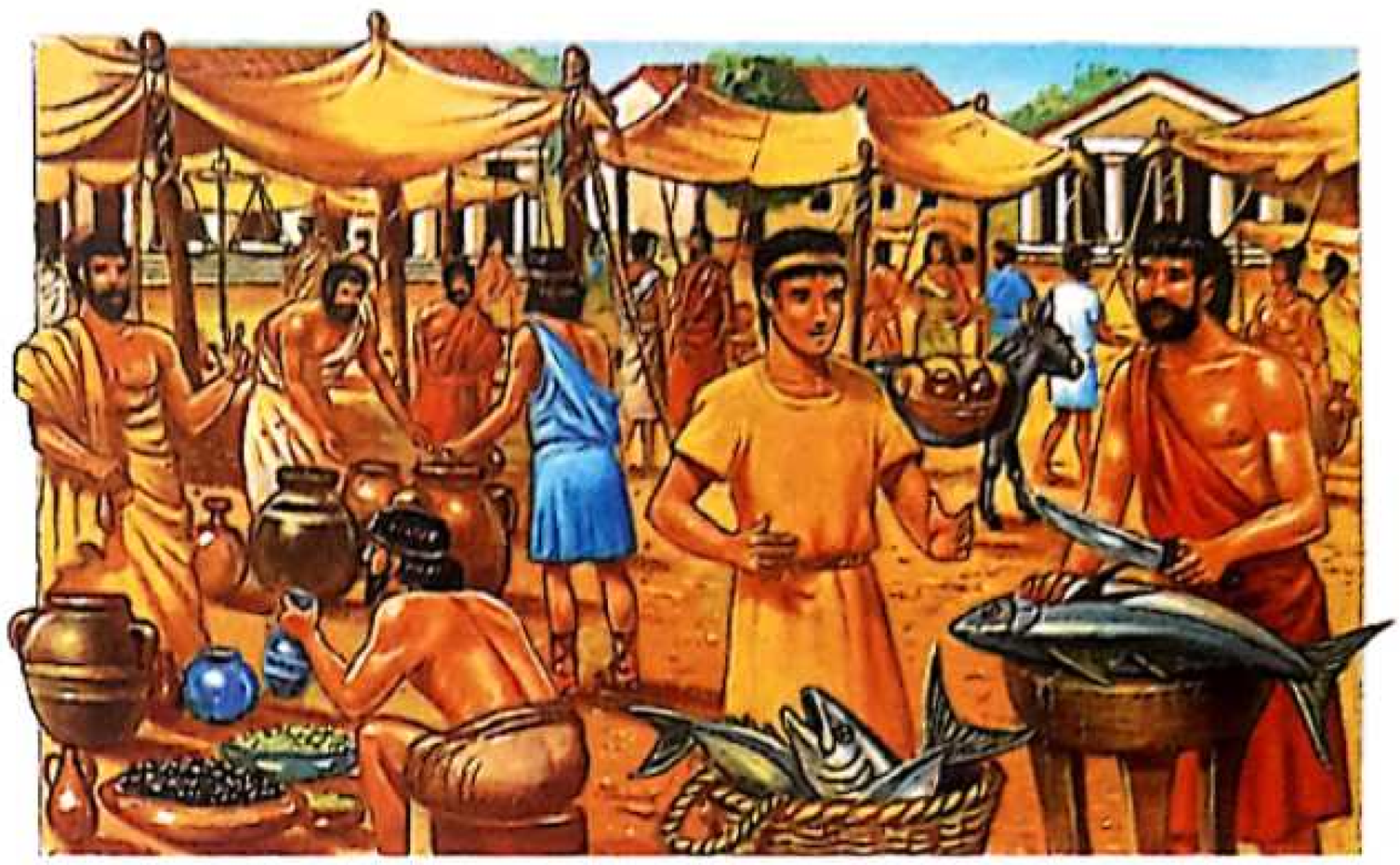

چونکہ امیر آدمی کو ضروریات زندگی کے لیے محنت مشقت کرنے کی ضرورت نہ تھی، اس لیے یونان کا ہر دولت مند شہری اپنے آپ کو شہر کے معاملات کے لیے وقف کر دیتا۔ اس کے ساتھ ہی وہ زیادہ وقت اپنی جسمانی صحت اور ذہنی نشوونما کے حصول کے لیے صرف کرتا لیکن ایتھنز کے بعض لوگ بہت پُرسکون زندگی بسر کرتے تھے۔

اگورا کے میدان میں مٹرگشت

ایتھنز کے شہری میل جول پسند کرتے تھے۔ علی الصبح وہ تازہ ترین خبریں سننے اور سنانے اگورا (Agora) چلے جاتے تھے، وہاں وہ گھنٹوں ہجوم میں بیٹھ کر بحث کرتے جب کہ کاشت کار، ماہی گیر، کاری گر، غلام، غیر مقامی اور غریب لوگ مارکیٹ میں جمع ہو جاتے جہاں ہر طرف روغن زیتون، بھنے ہوئے گوشت اور شہد کی مہک پھیلی ہوتی تھی۔

اہم قومی فریضہ

مہینے میں تین بار ہر شہری کو ایکلیسیا (Ecclesia) کے اجلاس میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ یہ اُن کے فرائض میں شامل تھا، اگر وہ اس میں کوتاہی کرتے تو انہیں جُرمانہ ادا کرنا پڑتا۔ اجلاس میں شریک ہونے والوں کی تعداد کم ہی ہوتی تھی۔ کاشت کار اور کاری گر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوا کرتے تھے۔

کھیل اور تفریحات

ایک یونانی شہری کو ایک اچھا جنگ جُو بننا پڑتا تھا تاکہ وہ اپنے شہر کی بخوبی حفاظت کر سکے، اس لیے وہ اکثر ورزش گاہوں میں چلا جاتا۔ وہ تھیٹر بھی جاتا تھا جو غور و فکر اور تفریح کی جگہ تھی۔ شام کے وقت وہ دوستوں کی دعوت کے دوران بحث و مباحثہ میں حصہ لیتا، اُس دوران غلام گیت گاتے، رقص کرتے اور ساز بجاتے تھے۔

عورتوں کی زندگی

یونانی عورتیں ساری عمر اپنے باپ، بھائی اور خاوند کی محکوم رہیں۔ اُس طرزِ زندگی میں اُن کے سماجی مرتبے کے لحاظ سے بہت زیادہ اختلاف تھا لیکن اُن کی آزادی پر اکثر پابندیاں لگائی جاتی تھیں۔

عورتوں کا مقام کیا تھا؟

یونانی عورتوں کو شہری حقوق حاصل نہ تھے۔ وہ شہری نظم ونسق سے خارج سمجھی جاتی تھیں۔ بڑے بڑے مذہبی تہواروں اور تھیٹروں میں بھی ان کی شمولیت بہت کم ہوتی یہاں تک کہ وہ کھیلوں میں بھی شرکت نہ کرسکتی تھیں۔

خوشحال گھرانوں کی عورتیں گھر کا انتظام سنبھالتیں، غلاموں کو گھریلو کاموں کے بارے میں ہدایات دیتیں اور اشیائے ضروریہ کا خیال رکھتی تھیں۔ وہ اپنا بیشتر فارغ وقت زنان خانے میں گزارتیں۔ گھر کا وہ حصہ صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ وہ اس جگہ اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ مشغول رہتیں اور اُون کاتتی تھیں۔

لڑکیوں کو تعلیم سے دُور رکھا جاتا تھا۔ وہ شادی ہونے تک اپنی ماں کے ساتھ رہتیں۔ شادی کے لیے شوہر کا انتخاب اُن کے باپ کرتے تھے۔

غریب عورت کی زندگی

غریب گھرانوں کی عورتیں امیر عورتوں جیسی زندگی نہیں گزارتی تھیں۔ وہ بازار میں روٹیاں، پیسٹریاں، اُونی دھاگے اور ربن بیچتی ہوئی نظر آتیں تھیں۔ یہ چیزیں انہوں نے خود بنائی ہوتی تھیں۔ وہ کنوؤں پر بھی اکثر دیکھی جاتیں جہاں وہ آپس میں گپ شپ لگانے کے لیے بڑے شوق سے جایا کرتی تھیں۔

مردوں کا رویّہ

مرد اپنی بیویوں کو شاذو نادر ہی دعوتوں میں لے جاتے تھے، وہ کنیزوں کی صحبت پسند کرتے جو اُن کی تفریحِ طبع کے لیے وہاں موجود ہوتی تھیں۔

بچوں کی زندگی

یونانی، بچوں کا زیادہ تعداد میں ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ شہر کا رقبہ اتنا وسیع نہ تھا کہ بڑی آبادی کا کفیل ہوسکتا۔ علاوہ ازیں، والدین نہیں چاہتے تھے کہ ان کی جائیداد بہت سے وارثوں میں تقسیم ہو۔ بچوں کو صرف وہی تعلیم دی جاتی جو انہیں بہتر شہری اور بہادر سپاہی بنانے کے لیے ضروری ہوتی تھی۔

نوزائیدہ بچہ

پیدائش کے وقت اگر لڑکا پیدا ہوتا تو والدین خوشی کے اظہار کے لیے اپنے گھر کے دروازے پر زیتون کی ٹہنی اور اگر لڑکی ہوتی تو اُون کی کترن لٹکا دیتے تھے۔ کچھ دنوں بعد قربانی دی جاتی اور ساتھ ہی ایک دعوت کا اہتمام کیا جاتا جس میں خاندان کے لوگ اور ہمسائے شریک ہوتے تھے۔

شفقت سے محروم بچے

اگر بچے کی پیدائش پر کوئی بُرا واقعہ یا بدشگونی ہو جاتی یا وہ بدشکل پیدا ہوتا تو والدین اُسے نامعلوم جگہ پر چھوڑ آتے تھے۔

تعلیمی سرگرمیاں

سب سے پہلے بچے کو اس کا خاندان پالتا تھا۔ 7 سال کی عمر میں اُس کا باپ اس کے لیے اُستاد کا چناؤ کرتا جو اسے لکھنا پڑھنا سکھاتا، ایلیڈ اور اوڈیسی کی تعلیم دیتا اور موسیقی وغیرہ سکھائی جاتی۔ کھیل کود بہت ضروری ہوا کرتی تھی۔ 12 برس کی عمر میں یونانی لڑکا جنگی کھیلوں اور دوڑ کی تربیت حاصل کرنے کے لیے ورزش گاہ جاتا۔ جہاں سارا دن ایک غلام، جسے ''معلمِ اطفال'' کہتے تھے، اس کے ساتھ رہتا، اس کی نگہداشت کرتا اور شام کے وقت اس کے سبق کی دُہرائی کراتا تھا۔

موسیقی کو تعلیم میں اہم مقام حاصل تھا۔ یہ نوجوان بربط کا استعمال سیکھ رہا ہے۔

ایسے بچے، جن کے والدین کاری گر ہوتے تھے، وہ زیادہ عرصے تک تعلیم حاصل نہ کر پاتے بلکہ اکثر ورکشاپ میں اپنے باپ کا ہنر سیکھتے تھے۔

فلسفی

قدیم یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ زمین کی تخلیق دیوتاؤں کی وجہ سے ہوئی۔ انہوں نے ہر شے کے وجود اور ہر جاندار ہستی کی تشریح کی لیکن چھٹی صدی قبل مسیح سے کچھ یونانیوں نے بنی نوع انسان اور کرۂ ارض کے وجود کی ایک اور توجیہ تلاش کرنی شروع کر دی۔ ایسے دانش مند لوگوں کو ''فلسفی'' کہا جاتا تھا۔

پہلے فلسفی

وہ پہلا عنصر کون سا تھا جس نے کائنات اور زندگی کو تخلیق کیا؟ اُن فلسفیوں کے نزدیک وہ عنصر پانی تھا، بعض کے مطابق

سقراط ہر اس آدمی سے بات کرنا پسند کرتا تھا جو اسے ایتھنز کی گلیوں یا اگورا میں ملتا۔ اکٹھے ہو کر وہ فطرت، کائنات اور انسانی رویوں کے بارے میں سوالات کرتے تھے۔

وہ ہوا اور آگ تھی بلکہ انتہائی چھوٹے عناصر بھی تھے لیکن سب فلسفیوں کا عقیدہ

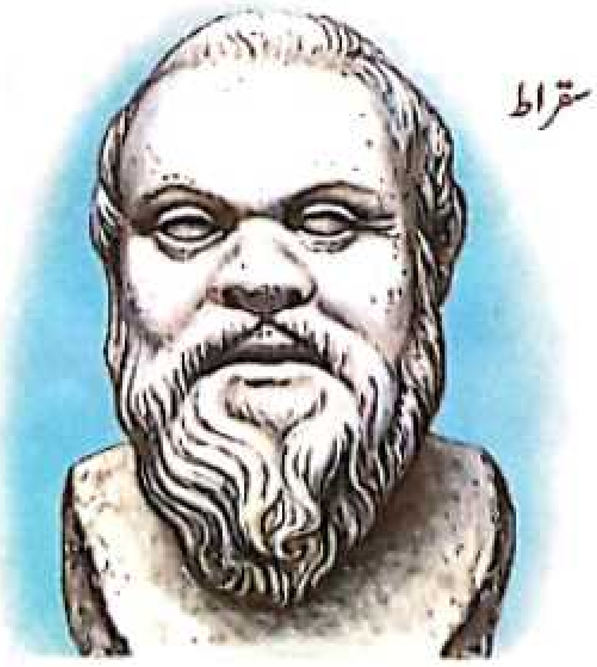

سقراط

یہی تھا کہ دنیا دیوتاؤں کی مرضی اور حکم سے تخلیق اور منظم نہیں ہوئی۔

سقراط (470 سے 399 قبل مسیح)

ایتھنز کی گلیوں میں سقراط سے جو کوئی بھی ملتا، وہ اس سے پوچھتا: نیکی کیا ہے؟ دلیری کیا ہے؟ انصاف کیا ہے؟ اس کا عقیدہ تھا کہ صراطِ مستقیم پر چلنے کے لیے صحیح راہِ عمل اختیار کرنا ضروری ہے لیکن اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ شہر کے دیوتاؤں پر ایمان نہیں رکھتا اور لوگوں میں گمراہی پھیلا رہا ہے۔ اُسے شیکران کے پودے کا رس پینے پر مجبور کیا گیا جو ایک زہرِ قاتل تھا۔

افلاطون اور ارسطو

سقراط نے کسی چیز کو تحریر نہ کیا تھا۔ اُسے خاص طور پر اس لیے یاد رکھا جاتا ہے کہ اس کا شاگرد افلاطون (427 سے 347 قبل مسیح) اُس کی تعلیمات اور نظریات کو ضبطِ تحریر میں لایا۔ افلاطون نے ایتھنز میں ایک سکول کی بنیاد رکھی، جسے اکیڈمی (Academy) کہا جاتا تھا۔ افلاطون کے بعد اُس کے شاگرد ارسطو نے اس کے مقابل ایک سکول کھولا، جس کا نام لائسیم (lyceum) رکھا۔ ارسطو وہ فلسفی اور سائنس دان تھا جس نے سکندرِ اعظم کو اپنے علم سے فیض یاب کیا۔

تھیٹر

مذہبی تہواروں کے موقع پر Dionysus دیوتا کے اعزاز میں سٹیج پر ڈرامے پیش کیے جاتے تھے۔ المیہ اور طربیہ ڈرامہ نگاروں میں انعامات کے لیے گرما گرم مقابلے ہوتے تھے۔

سٹیج کا تعمیراتی حصہ

سٹیج کے عین درمیان، کھلی جگہ پر Dionysus کی قربان گاہ ہوا کرتی تھی جس کے اردگرد مل کر گانے والوں کی منڈلی، جو 24 افراد پر مشتمل ہوتی، بانسری کی دُھن پر گاتی اور رقص کرتی۔ تین یا چار اداکار ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ بازی سے گانے والوں کو مخاطب کرتے، جو انہیں گیت کی صورت میں ہی جواب دیا کرتے تھے۔ وہ نقاب پہنے ہوتے جن کی وجہ سے وہ مردانہ یا زنانہ کئی کردار ادا کر سکتے تھے اور ان کی آواز بھی بلند ہوتی تھی۔ عورتوں کو ڈراموں میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔

نشستوں کی ترتیب

تقریباً 15000 لوگ یا تماشائی پتھر کی چبوترہ نُما نشستوں پر ایک ترتیب سے بیٹھ جاتے تھے۔ ایتھنز شہر میں غریب ترین شہریوں کو رقم دی جاتی تاکہ وہ بھی ڈرامہ دیکھ سکیں۔ ڈرامے کے دوران لوگ کھاتے پیتے رہتے، یہ سلسلہ سارا دن جاری رہتا، لوگ کسی منظر پر قہقہے لگاتے، کسی پر تنقید کرتے، کسی پر تعریفی کلمات بولے جاتے اور کسی پر صرف سرگوشی ہوتی تھی۔

المیہ یا طربیہ ڈرامے

یونانی ڈرامے دو طرح کے ہوتے تھے۔ المیہ ڈرامے میں زندگی کے دکھ درد اور مشکلات دکھائی جاتیں اور طربیہ ڈرامے دیکھنے والے قہقہے لگاتے اور خوش ہوتے تھے۔ لوگوں کو اس بات میں بہت دلچسپی ہوتی تھی کہ سٹیج پر پیش کیا جانے والا ڈرامہ المیہ ہوگا یا طربیہ!

دیوتاؤں کے لیے فنونِ لطیفہ کے کمالات

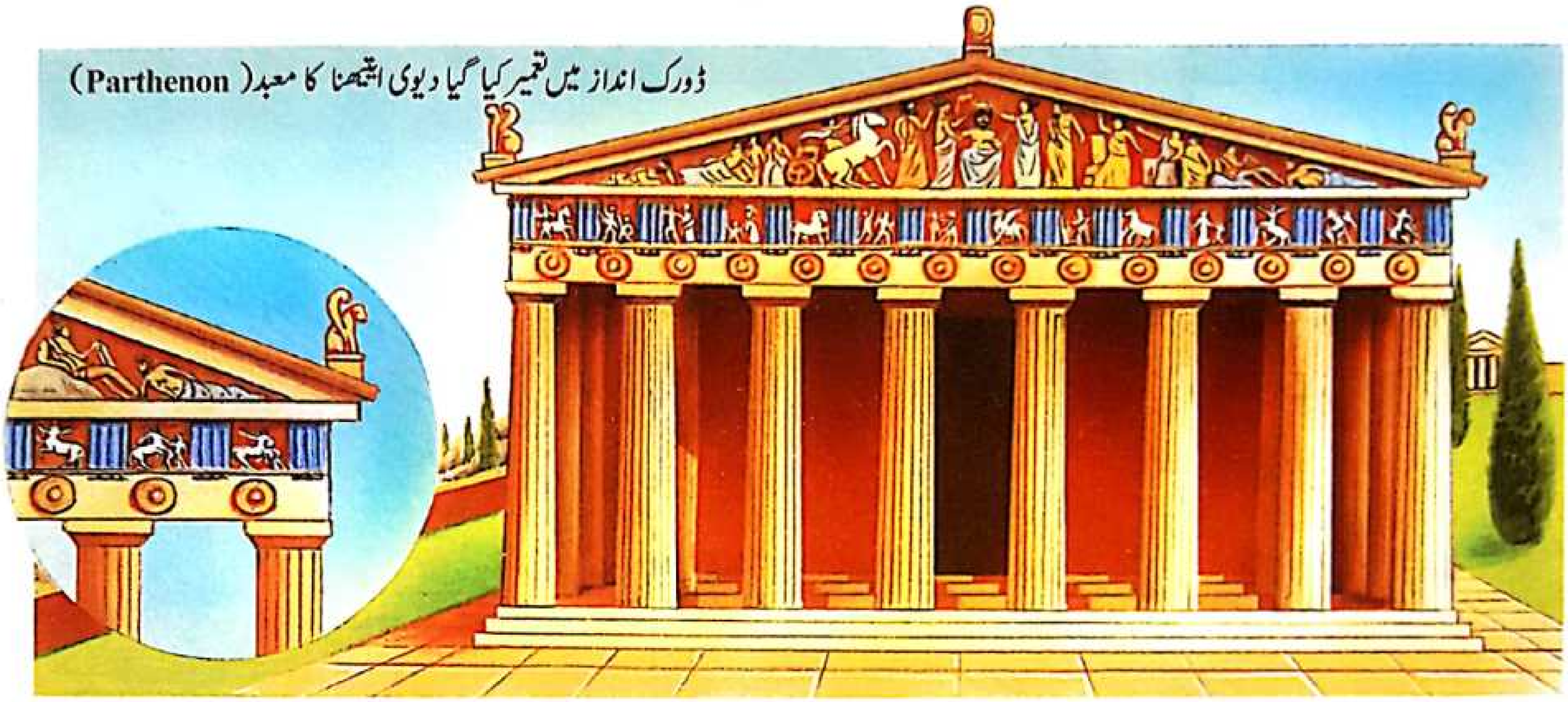
ڈورک انداز میں تعمیر کیا گیا دیوی ایتھنا کا معبد (Parthenon)

یونانی فنونِ لطیفہ مثلاً مندروں کی تعمیر، مجسمہ سازی اور نقش نگاری وغیرہ یہ سب دیوتاؤں کے لیے وقف تھے۔ ان کے ذریعے دیوتاؤں کے کارناموں کا اظہار کیا جاتا تھا۔ یونانی، انسانی جسم کی خوبصورتی کا اظہار بھی اِنہی ذرائع سے کرتے تھے۔

فنِ تعمیر

مصریوں کے برعکس یونانی اپنے مندروں کو انسانی پیمانے پر بناتے تھے۔ ماہر تعمیرات، پیمائش اور توازن قائم رکھنے کے سخت اصولوں کی پیروی کرتے تھے۔ ستونوں کی بناوٹ مختلف طرزِ تعمیر کا اظہار کرتی تھی۔ ڈورک (Doric) انداز (یونان کے آیونی باشندوں کا تعمیراتی انداز) نسبتاً عمدہ اور اُن کے بنائے پتلے ستون تھے جب کہ کورنتھین (Corinthian) انداز (قدیم یونانی شہر کورنتھ کا انداز) دوسروں کی نسبت زیادہ پسندیدہ خصوصیات کا حامل تھا۔

مجسمہ سازی

مجسمے انسان کی جسمانی ساخت کے توازن اور خوبصورتی کا اظہار کرتے تھے۔ جسمانی اعضا اور ان کے تناسب کا مطالعہ اور مشاہدہ مجسمہ ساز بڑی تفصیل سے کرتے تھے۔

برتنوں پر نقش نگاری

ابتدا میں یونانی برتن سرخ مٹی کے ہوتے تھے جن پر سیاہ رنگوں میں نقش نگاری کی جاتی تھی۔ بعد میں برتنوں پر سیاہ روغن کر کے سرخ مٹی سے نقش ونگار بنائے جانے لگے ۔ مصور روزمرہ زندگی کے مناظر سے بہت متاثر ہوا کرتے اور اُسی طرح کے نقش ونگار بناتے تھے۔

وہ فنکار کون لوگ تھے؟

اُن میں سے اکثر کاری گر ہوتے تھے جو اپنی ورکشاپ میں کام کیا کرتے اور معمولی ذرائع سے روزی کماتے تھے۔ اگرچہ امیر لوگ اُن کے کام کو بہت پسند کرتے تھے لیکن وہ غریب لوگوں کو زیادہ عزت نہیں دیتے تھے۔

نئ آبادیاں اور کاروبار

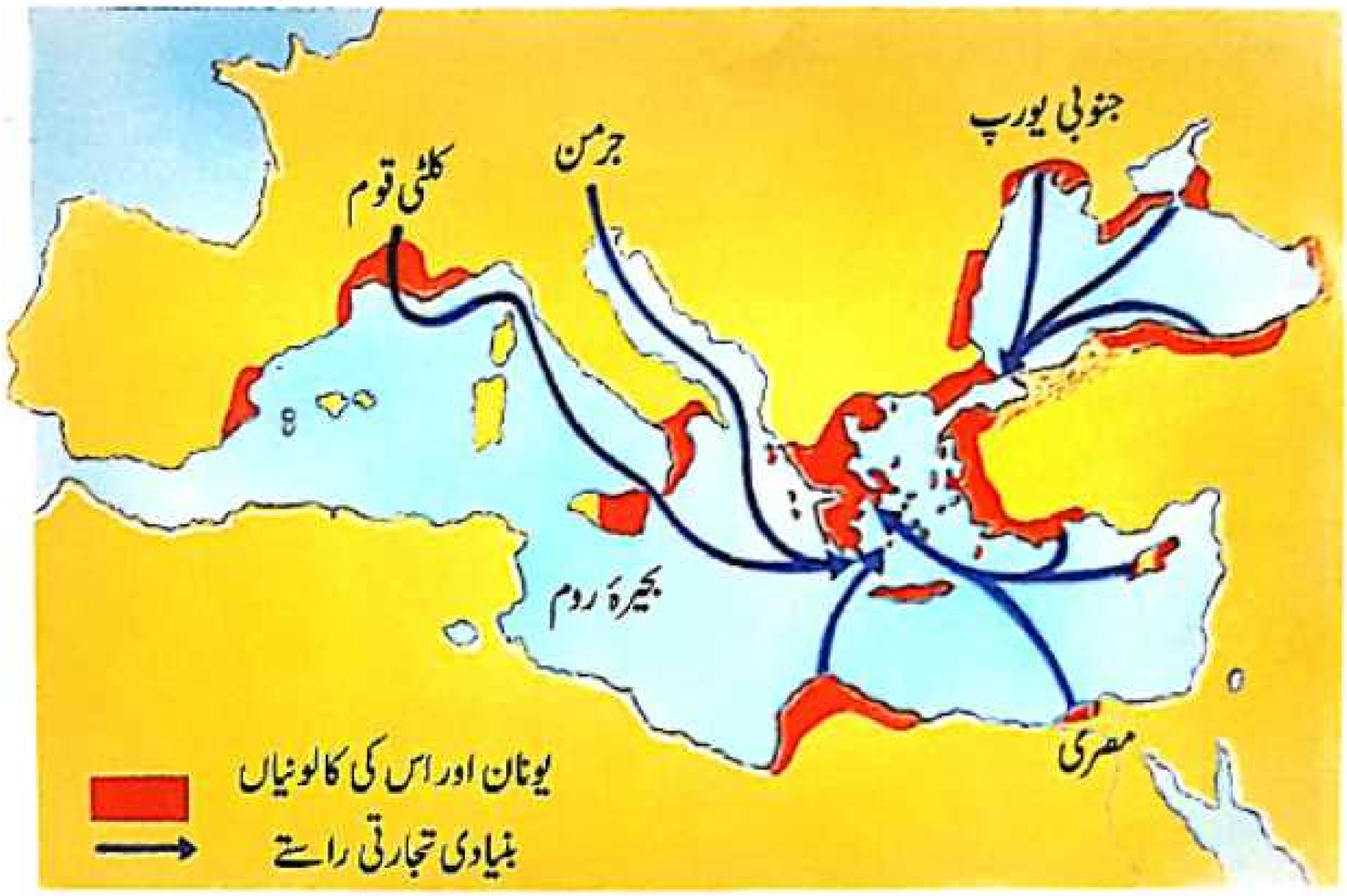

اہلِ یونان اپنے یونانی ہونے پر فخر کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر وہ اپنے آبائی شہر سے دُور کسی جگہ مستقل قیام کر لیتے تو وہاں بھی یونانی آباد کار اپنی زبان، مذہب اور رسم ورواج کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ وہ لوگ جو یونانی زبان نہیں بول سکتے تھے، انہیں بربری (Barbarians) کہا جاتا تھا۔

نئی آبادیاں

تیرہویں صدی قبل مسیح سے یونانی، زرخیز زمینوں کی تلاش میں غیر مُمالک کا رُخ کرنے لگے۔ اُنہوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے ساحلوں کا کونا کونا چھان مارا۔ وہ جہاں بھی موزوں جگہ پاتے، وہیں مستقل رہائش اختیار کر لیتے۔ بعض اوقات، مقامی باشندوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں اُنہیں بڑی دُشواری پیش آتی، جیسے اہلِ سپارٹا کو جنوبی اٹلی میں ٹیرنٹم (Tarentum) پر قبضہ کرنے کے لیے لڑنا پڑا۔ دوسری جانب سینٹوریم کے جزیرے تھیرا (Thera) کے یونانیوں کو افریقا میں سیرن (Cyrene) کے نیم خانہ بدوش چرواہوں کی جانب سے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا ہی نہ کرنا پڑا۔

تجارت

غیر ملکی بھی یونان آیا کرتے تھے۔ پاریئس کی بندرگاہ (Port of piraeus) پر افریقا، یورپ اور ایشیا کے سیاح اور سوداگر دیکھے جاتے تھے۔ وہ غلام اور مختلف قیمتی اشیا ساتھ لاتے تھے، مثلاً شمالی افریقا سے چمڑا، بحیرہ اسود سے نمک لگی مچھلی اور سونا، اٹلی سے گوشت اور نمک، مصر سے نقاب، شام سے لوبان، لیبیا سے ہاتھی کے دانت، کارتھیج سے قالین اور ان اشیا کے بدلے اہلِ یونان شراب، زیتون کا تیل اور خاص طور پر چینی کے برتن برآمد کیا کرتے تھے۔

یونانی اور اہلِ مشرق

چھٹی صدی قبل مسیح میں یونانیوں نے اہلِ مشرق کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کر لیے یونانی لوگ مشرقی نفاست سے بہت متاثر تھے اور ان کی دیکھا دیکھی، انہوں نے ہیروں، بھرپور منقش ملبوسات اور خوشبویات کا استعمال شروع کر دیا۔

بربریوں کے خلاف محاذ آرائی

یونانی شہروں کے درمیان اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں لیکن جب بربر قبائل کے خلاف جنگ کرنی ہوتی تو یونانی آپس میں متحد ہو جاتے تھے کیوں کہ بربری اُن کی نظر میں غیر یونانی تھے۔ غیر یونانیوں کے خلاف ہر شہری کو اپنے شہر کا دفاع کرنے کا حق حاصل تھا۔

سپاہی کس طرح لڑا کرتے تھے؟

بہت سے فوجی دستے بھاری مسلح پیادہ فوج پر مشتمل ہوتے تھے۔ بھاری اسلحے سے لیس یہ پیادہ سپاہی کئی قطاروں کی صورت میں حملہ کرتے۔ وہ اپنی ڈھالیں بائیں ہاتھ میں پکڑتے تھے، اس طرح ان کے قریبی ساتھی کے جسم کا دایاں حصہ محفوظ ہو جاتا تھا۔ جنگ جیتنے کے لیے اُنہیں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کرنا پڑتا تھا۔ وہ لوگ جنہیں اسلحہ مہیا نہ کیا جاتا، وہ بحری جہازوں میں چپو چلانے کی ذمہ داری سنبھال لیتے تھے۔ اُن کے تیز رفتار اور سریع الحرکت بیڑے اپنے سامنے والے حصے پر کانسی کا ایک نوکیلا کھونٹا رکھتے تھے جو دشمن کے بحری جہازوں کو اطراف سے چھید ڈالتا تھا۔

شکست خوردہ اہلِ فارس

پانچویں صدی قبل مسیح کے آخر میں، اہل فارس نے یونان کے یورپی حصے پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ 490 قبل مسیح میں ایتھنز کے 6000 سپاہیوں نے 20000 سے بھی زیادہ ایرانی فوجیوں کا مقابلہ کیا، اگرچہ ایرانیوں کی تعداد زیادہ تھی، تاہم ایتھنز والے کامیاب رہے۔ 10 سال بعد اہل ایران نے جزیرہ نما یونان کو روند ڈالا اور ایتھنز کو تاخت وتاراج کر دیا۔ تب ایتھنز والوں نے سمندری جنگ کا فیصلہ کیا۔ یونان کے ساحل سے ہٹ کر اُن کے جنگی جہاز ایرانیوں کے بحری جہازوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے۔ جونہی دشمن کا بحری بیڑہ اُن کے قریب پہنچتا، یونانی جہاز اُن کے ڈھانچوں کو توڑ پھوڑ ڈالتے۔ اس کے بعد ایرانیوں نے کبھی اُدھر کا رُخ نہ کیا۔

دیوتاؤں کی طرف سے امداد

ہر جنگ سے قبل یونانی اپنے دیوتاؤں کی مدد حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانیاں دیتے تھے۔ وہ بدقسمتی کا باعث بننے والی ہر بدشگونی کو نظر میں رکھتے تھے۔

سکندرِ اعظم

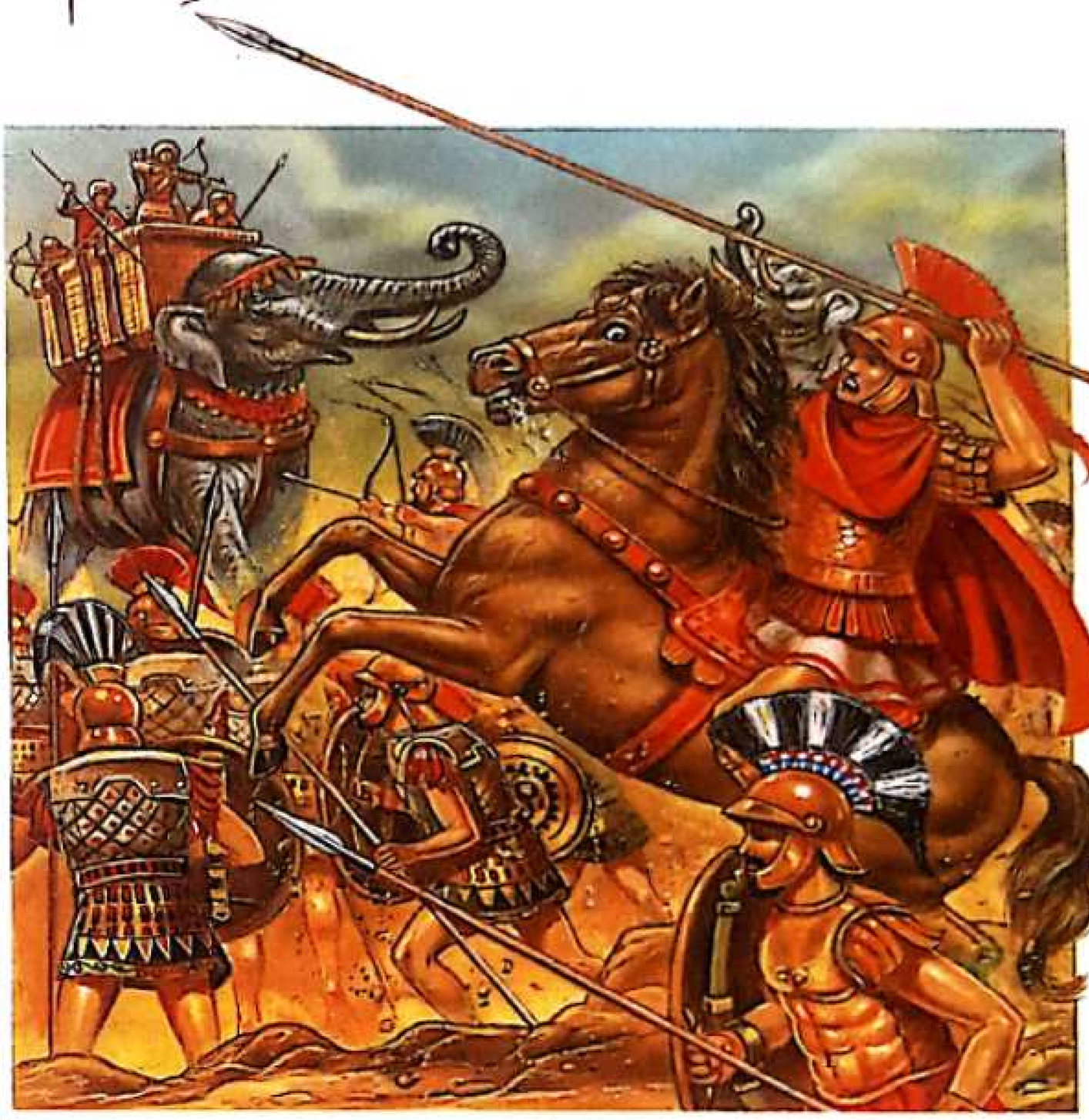

یہ نوجوان بادشاہ غیر معمولی ارادوں کا مالک تھا۔ صرف گیارہ سال کے قلیل عرصے میں اس نے ایک وسیع و عریض مملکت قائم کر لی، جو اس کی چھوٹی سی سلطنت مقدونیہ سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی تمام سلطنت میں یونانی زبان اور تہذیب کو فروغ دیا یعنی سکندرِ اعظم کے دور کی تہذیب (Hellenistic culture) نے جنم لیا۔

یہ شہزادہ کہاں سے آیا؟

سکندر، مقدونیہ کے بادشاہ فلپ دوم کا بیٹا تھا۔ چھے برس کی عمر سے اس نے عظیم یونانی فلاسفر ارسطو سے ریاضی اور علم الادویہ کی تعلیم حاصل کی۔ 20 سال کی عمر میں اسے اپنے باپ کے مرنے کے بعد سلطنت ورثے میں ملی۔

فاتح سکندر

اس کا ایک زبردست خواب تھا، جسے پورا کرنے کے لیے اس نے یونان فتح کیا اور پھر یہی خواب اُسے ایشیائے کوچک، مصر، میسوپوٹامیا اور وسطی ایشیا تک لے گیا۔ یہاں تک کہ اس نے دارا (darius) پر بھی فتح حاصل کی، جو ایران کا بادشاہ تھا۔ مزید

ہندوستان کی مہم کے دوران سکندر کو ایسی فوج کا سامنا کرنا پڑا جو ہاتھیوں پر سوار تھی۔ بعد میں اس نے بھی اپنے فوجیوں کو ہاتھی فراہم کیے۔

فتوحات کی خواہش اسے ہندوستان لے گئی۔ اس کی فوج میں 120,000 افراد تھے، جن میں 60,000 عورتیں اور بچے تھے۔ اس نے گھمسان کی جنگ کے بعد ہندوستان کے بادشاہ پورس اور اس کی ہاتھیوں کی فوج پر فتح پائی۔ یونان واپس آتے ہوئے وہ 33 سال کی عمر میں ملیریا سے مر گیا۔ بعد میں اس کے جرنیلوں نے اس کی وسیع و عریض سلطنت کو تین ریاستوں میں تقسیم کر لیا۔

کئی صوبے اور شہر

یونان اُس وقت ایک چھوٹا سا صوبہ تھا جو سکندرِ اعظم کی وسیع سلطنت میں شامل ہو گیا۔ وہ جن علاقوں کو فتح کرتا گیا، وہاں درجنوں شہر بساتا گیا، جن میں سے تقریباً پچیس شہر اسکندریہ کہلائے۔ ان میں سے مصر کا شہر اسکندریہ سب سے مشہور ہے۔ یہاں روشنی کا ایک مینار تعمیر کیا گیا جو بحیرہ روم سے آنے والے تاجروں کی بندرگاہ تک راہ نمائی کرتا تھا۔ اسکندریہ میں قائم کی گئی لائبریری دنیا بھر کے عالموں اور شاعروں کی توجہ کا مرکز رہی۔

روم، شہر سے سلطنت کیسے بنا

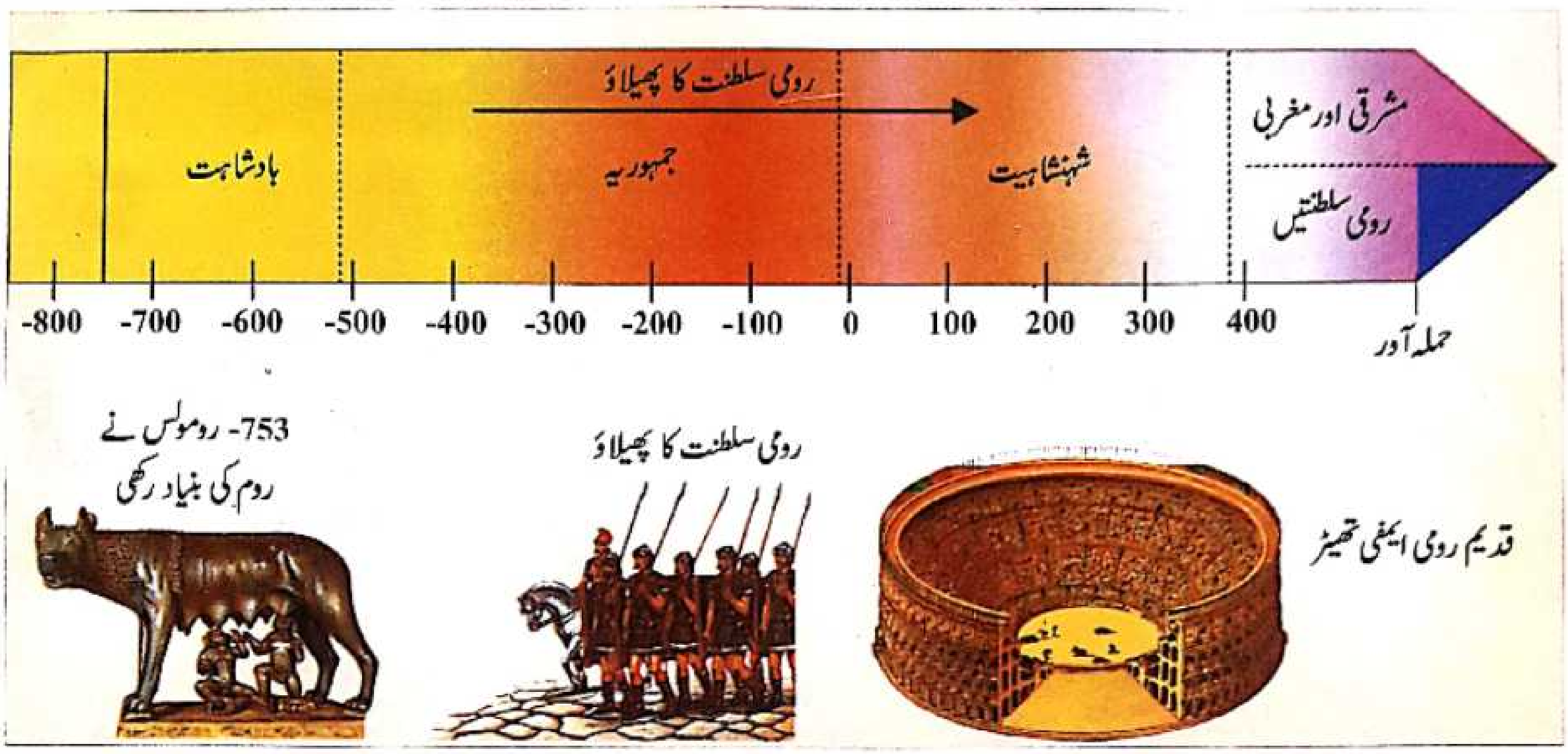

جب رومی تہذیب، آٹھویں صدی قبل مسیح میں معرضِ وجود میں آئی تو اس وقت روم ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو پہاڑیوں کے اُوپر چھونپڑیوں کی صورت میں قائم تھا۔ تاہم، اس گاؤں نے ایک ایسی وسیع وعریض سلطنت کا دارُالحکومت بننا تھا جس نے آہستہ آہستہ پانچویں صدی قبل مسیح تک بحیرہ روم کے سارے ملحقہ علاقوں پر غالب آ جانا تھا۔

ایٹروریا کا بادشاہ

ساتویں صدی قبل مسیح کے اختتام پر ٹائبر (Tiber) کے دائیں کنارے سے آنے والے ایٹروریائی باشندوں نے روم پر غلبہ حاصل کر لیا۔ روم اُن دنوں ایک چھوٹا سا لاطینی گاؤں تھا، ان لوگوں نے اِسے صحیح معنوں میں ایک شہر بنا دیا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں لاطینی لوگوں نے ایٹروریا کے آخری بادشاہ کو بھگا دیا اور وہاں جمہوریہ قائم کر دی۔

جمہوریہ

جمہوری طرزِ حکومت میں علاقے کے سربراہان، لوگوں کے منتخب کردہ مجسٹریٹ ہوتے تھے۔ روم نے اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ بہت سی جنگیں کیں۔ تیسری صدی قبل مسیح میں اس نے جزیرہ نُما اٹلی کے تمام علاقے کا کنٹرول سنبھال لیا۔ اس کے بعد فاتح رومی فوج نے یونان، گال اور مصر وغیرہ پر حملے کئے لیکن مسلسل خانہ جنگی نے اس جمہوریہ کو ہلا کر رکھ دیا، جس کا اختتام ایک نئی طرزِ حکومت یعنی، مطلق العنان شہنشاہیت پر ہوا۔

شہنشاہیت

شاہی حکومت میں تمام معاملات فردِ واحد کے سپرد ہوتے، جسے شہنشاہ کہا جاتا تھا۔ رومی فتوحات جاری رہیں، یہاں تک کہ دوسری صدی قبل مسیح تک رومی سلطنت کی سرحدیں بحرِاوقیانوس سے دریائے فرات تک اور برطانیہ سے صحرائے صحارا تک پھیل گئیں۔

رومی شہنشاہیت کا خاتمہ

بہتر نظم ونسق کے لیے اس وسیع مملکت کو شہنشاہ نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا لیکن 476 عیسوی میں آخری مغربی رومی بادشاہ کو حملہ آوروں نے تاج و تخت سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد مشرقی رومی سلطنت ہی باقی بچی جو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے تک قائم رہی۔

روم، شہر سے سلطنت کیسے بنا

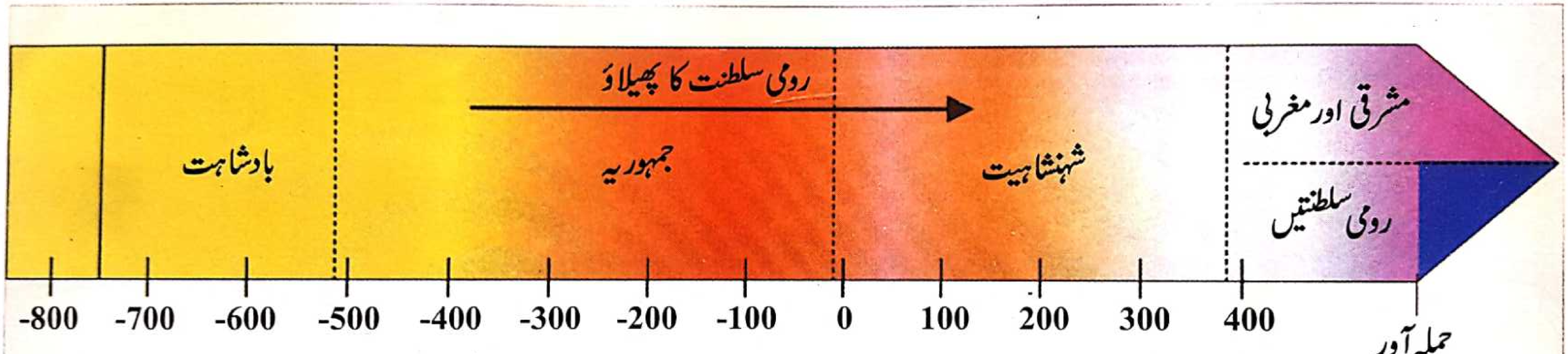

753- رومولس نے
روم کی بنیاد رکھی

رومی سلطنت کا پھیلاؤ

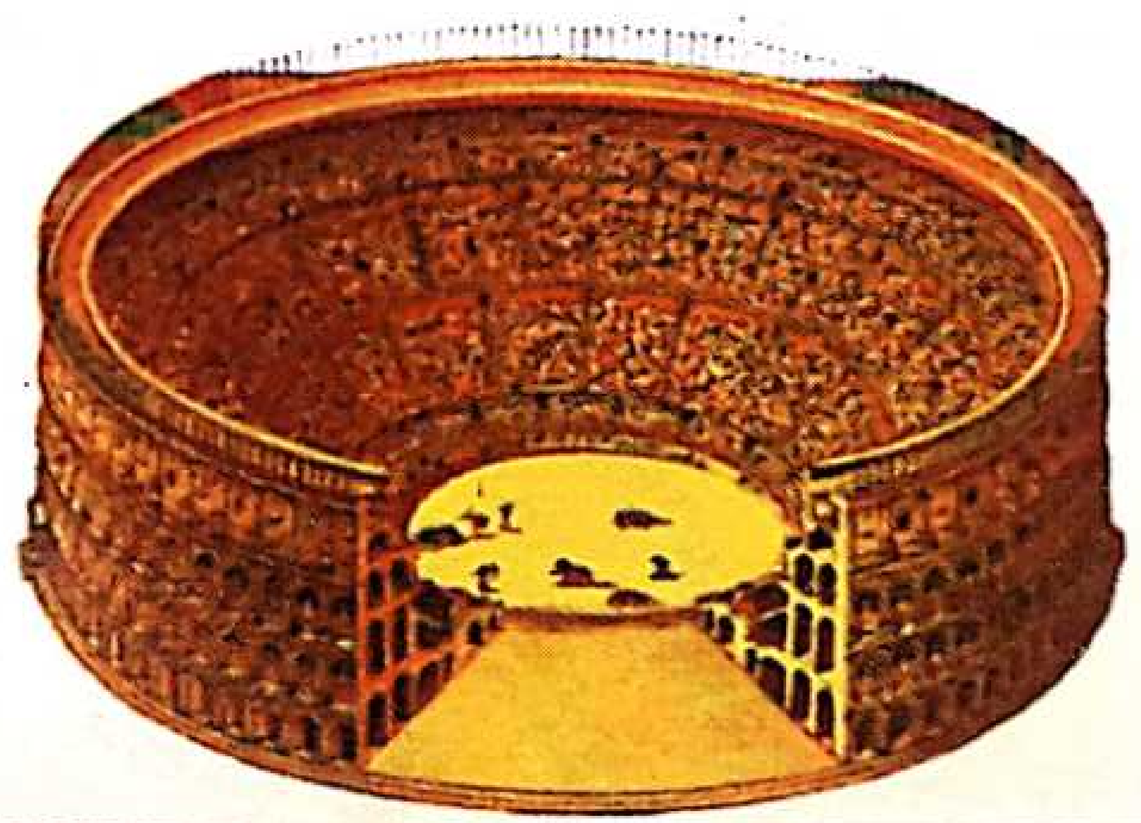

قدیم رومی ایمفی تھیٹر

رومولس اور ریمس

ایک عظیم شہر اور سلطنت کا دارالخلافہ بننے سے پہلے روم چرواہوں کی جھونپڑیوں پر مشتمل ایک علاقہ تھا۔

روایات کے مطابق، روم شہر کی بنیاد 753 قبل مسیح میں رومولس (Romulus) نے رکھی جو ریمس (Remus) کا جڑواں بھائی تھا۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ تصدیق کر چکے ہیں کہ اس شہر کے ابتدائی باشندے آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہاں آباد تھے۔

رومولس اور ریمس کون تھے؟

وہ دیوتا مریخ اور اُس کی پجارن ری سلویا (Rhea Silvia) کے بیٹے تھے۔ انہیں البا (Alba) کی بادشاہت ورثے میں ملنے والی تھی لیکن ایمولیس (Amulius)، جس نے اُن کے تخت پر قبضہ کر رکھا تھا، انہیں ٹائبر (Tiber) میں پھینک دیا، جہاں ایک مادہ بھیڑیے نے انہیں اپنا دودھ پلا کر اُن کی جان بچائی۔ پھر ایک گڈریا انہیں اپنے گھر لے گیا اور ان کی پرورش اپنے بیٹوں کی طرح کرنے لگا۔ 18 سال کی عمر میں انہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے آئے تھے۔ حقیقت جان کر انہوں نے ایمولیس کو ہلاک کر کے انتقام لے لیا۔ ماؤنٹ پیلٹائن (Mount Palatine) کے اُس مقام پر جہاں مادہ بھیڑیے نے اُن کی جان بچائی تھی، انہوں نے ایک شہر کی بنیاد رکھی۔ جلد ہی اُن میں اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ دونوں میں سے حکومت کون کرے گا۔ رومولس نے ریمس کو قتل کر دیا اور شہر روم کی بنیاد رکھی۔

چرواہوں کے جھونپڑے

ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے متعدد جھونپڑیوں اور قبروں کے نشانات دریافت کئے ہیں۔ جو داستان ہم نے پڑھی، اُس کے مطابق اُن جھونپڑیوں میں سے قدیم ترین کا تعلق آٹھویں صدی قبل مسیح کے وسط سے تھا۔ گڈریوں نے دریائے ٹائبر سے ملحق پہاڑوں پر رہنا اس لیے پسند کیا ہوگا کیوں کہ اس طرح وہ لیٹروں سے محفوظ رہتے تھے۔ چھٹی صدی قبل مسیح سے اُن دیہات نے ہُوبہُو ایک قصبے کی صورت اختیار کر لی۔ جہاں ٹائل کی چھتوں والے پُختہ گھر، پُختہ فرش والے عوامی چوک اور دریا عبور کرنے کے لیے پُل بنائے گئے جو رومی شہر کی ترقی کی علامت تھے۔

جمہوریہ اور فتوحات

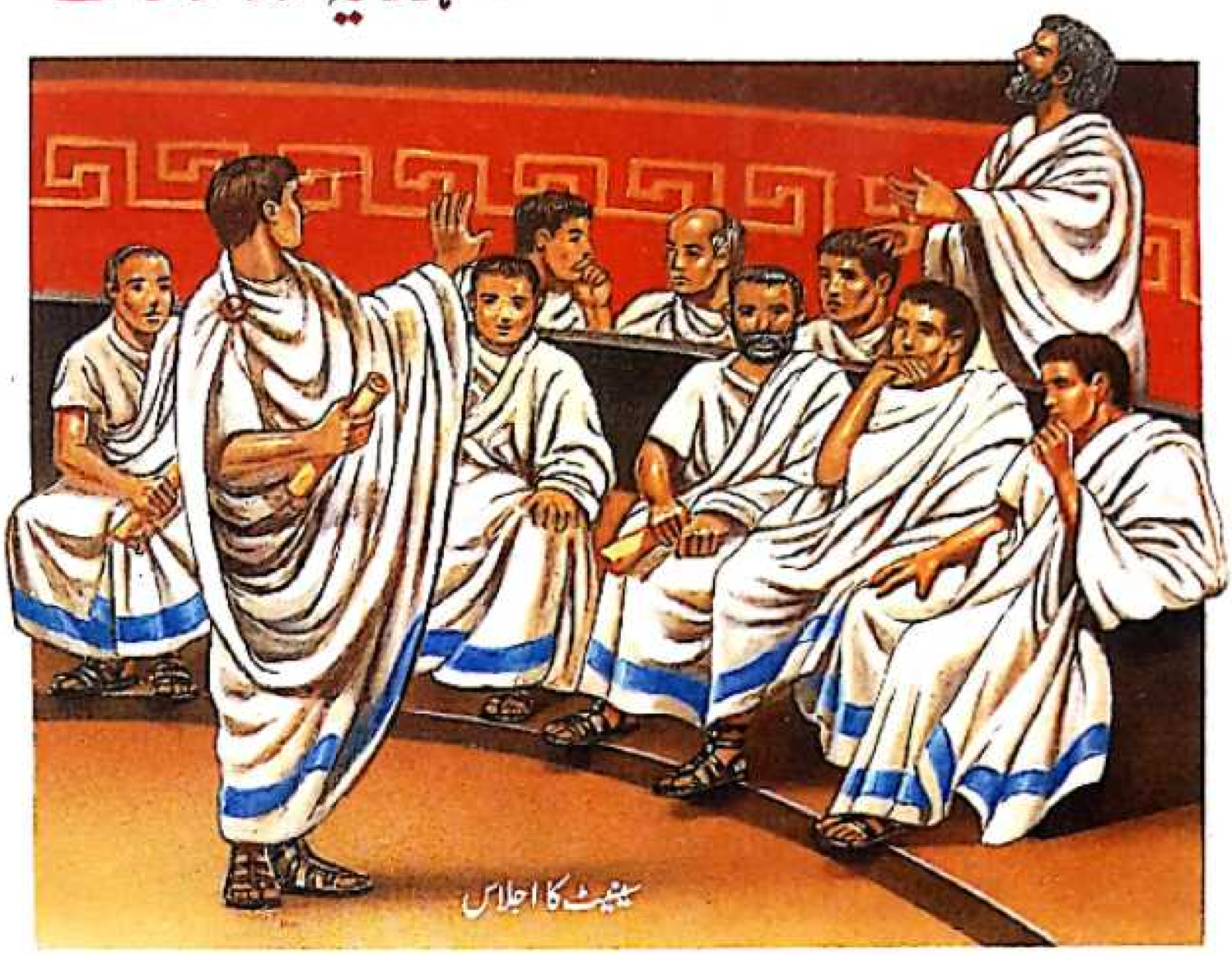
سینیٹ کا اجلاس

ایٹروریائی (Etruscan) بادشاہوں کی شخصی حکومت سے نجات حاصل کرنے کے بعد رومیوں نے ایک نیا طرزِ حکومت اختیار کیا، یعنی جمہوری طرزِ حکومت۔ پانچ صدیوں تک جاری رہنے والی فتوحات کے بعد روم ایک وسیع و عریض مملکت کا دارالخلافہ بننے والا تھا۔

امورِ حکومت کون سنبھالتے تھے؟

خود مختار شہری قانون پاس کیا کرتے تھے۔ وہ اُن مجسٹریٹوں کا انتخاب بھی کیا کرتے تھے جو قانون نافذ کرتے، انصاف قائم کرتے، مالیاتی معاملات اور پولیس وغیرہ پر توجہ دیتے تھے لیکن کوئی بھی اہم فیصلہ Council of the Elders یعنی سینیٹ کی توثیق کے بغیر ممکن نہ تھا۔

اُمرا اور غُربا

اعلیٰ طبقہ (Patricians) ہی مجسٹریٹ یا سینیٹ کا رُکن بن سکتا تھا۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں، غریب شہریوں کو، جنہیں ادنیٰ طبقہ (Plebeians) کہا جاتا تھا، مجسٹریٹ ان پیشوں میں آنے سے روک دیتے تھے۔

فتوحات ہی فتوحات

دو صدیوں میں رومی پورے اٹلی کے حکمران بن گئے۔ تیسری صدی قبل مسیح میں افریقا میں کارتھیج (Carthage) والے مزاحمت پر آمادہ ہو گئے لیکن رومیوں نے بعد میں کارتھیج کے جنرل ہنی بال (Hannibal) اور اس کی ہاتھیوں کی فوج کو شکست دے کر اُس مزاحمت کو کُچل ڈالا۔ اس کے بعد رومیوں نے مشرق میں مقدونیہ اور شام وغیرہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

باہمت سپہ سالار

پہلی صدی قبل مسیح میں کچھ بہادر سپہ سالاروں نے شہرت اور طاقت کے سہارے، روم پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ جنرل پومپی (Pompey) نے مشرق میں فتوحات حاصل کیں اور سیزر نے گال (فرانس) کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ چونکہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے اس لئے ان میں جنگ چھڑ گئی۔

ایک مفتوح سپاہی رومی جنرل کے سامنے ہتھیار ڈال رہا ہے۔

ب
7879

جولیس سیزر

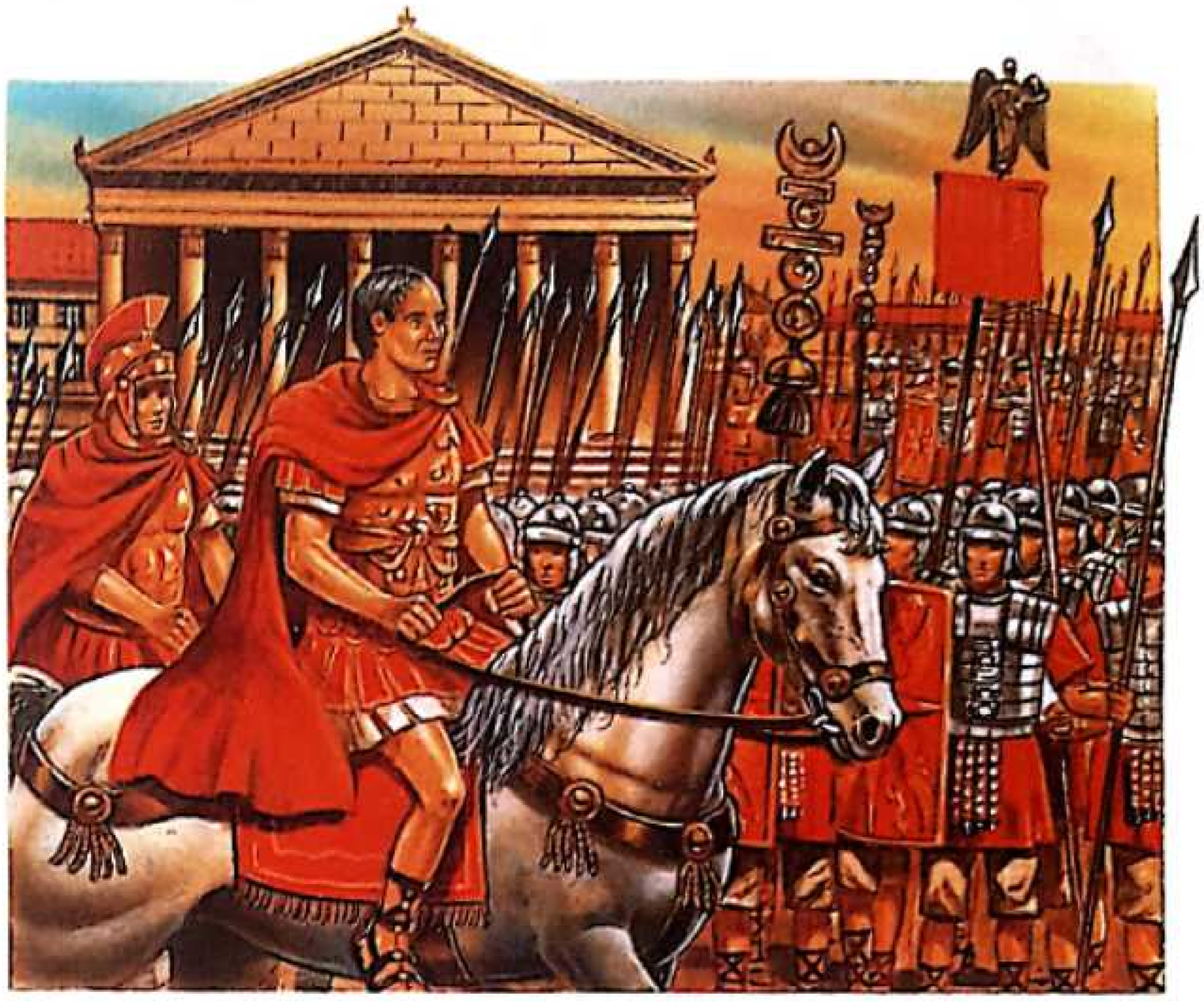

سیزر (Caesar) اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوا، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ وینس دیوی کے وارثوں میں سے ہے۔ 33 سال کی عمر میں اسے مجسٹریٹ چُن لیا گیا اور 41 سال کی عمر میں وہ مشیر بن گیا لیکن اُس کی اقتدار حاصل کرنے کی زبردست خواہش ختم نہ ہوئی۔ سیزر رومی سلطنت کا حاکمِ مطلق بننا چاہتا تھا۔

عظمت اور دولت

گال (موجودہ فرانس) کو رومی سلطنت میں شامل کرنے کے لیے سیزر کو چھے سال تک جنگ لڑنی پڑی ۔ الیسیا (Alesia) کی فتح اس کے لیے شہرت اور دولت لے کر آئی۔

تعاقب

روم میں سینیٹرز نے حکومت کا کنٹرول جنرل پومپی کے (Pompey) سپرد کر دیا۔ وہ سیزر کی بڑھتی ہوئی طاقت سے پریشان تھے۔ اُنہوں نے اسے بغیر فوج کے واپس دارُالحکومت میں آنے کو کہا۔ سیزر نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ واپس آیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا۔ پومپی اور اس کے ساتھی مشرق کی جانب بھاگ گئے۔ سیزر نے مصر تک ان کا پیچھا کیا، جہاں پومپی کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ اسکندریہ کی ایک نوجوان شہزادی قلوپطرہ سے ملا۔ سیزر شہزادی سے بہت متاثر ہوا اور اس کے ساتھ مل کر مصری حکومت کے کاموں میں اس کی معاونت کرنے لگا۔ بعض سینیٹرز کو شک ہو گیا کہ سیزر دوبارہ اپنی حکومت قائم کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ 15 مارچ 44 قبل مسیح میں سینیٹ کے ممبران نے سیزر کو طلب کیا اور اسے کہا گیا کہ وہ تمام حکومتی اختیارات سینیٹ کو دے دے۔ یہ ایک سینیٹر Brutus اور اس کے ساتھیوں کی سازش تھی جس کے تحت سیزر کو سینیٹ میں بُلا کر قتل کر دیا گیا۔

رُومی سلطنت

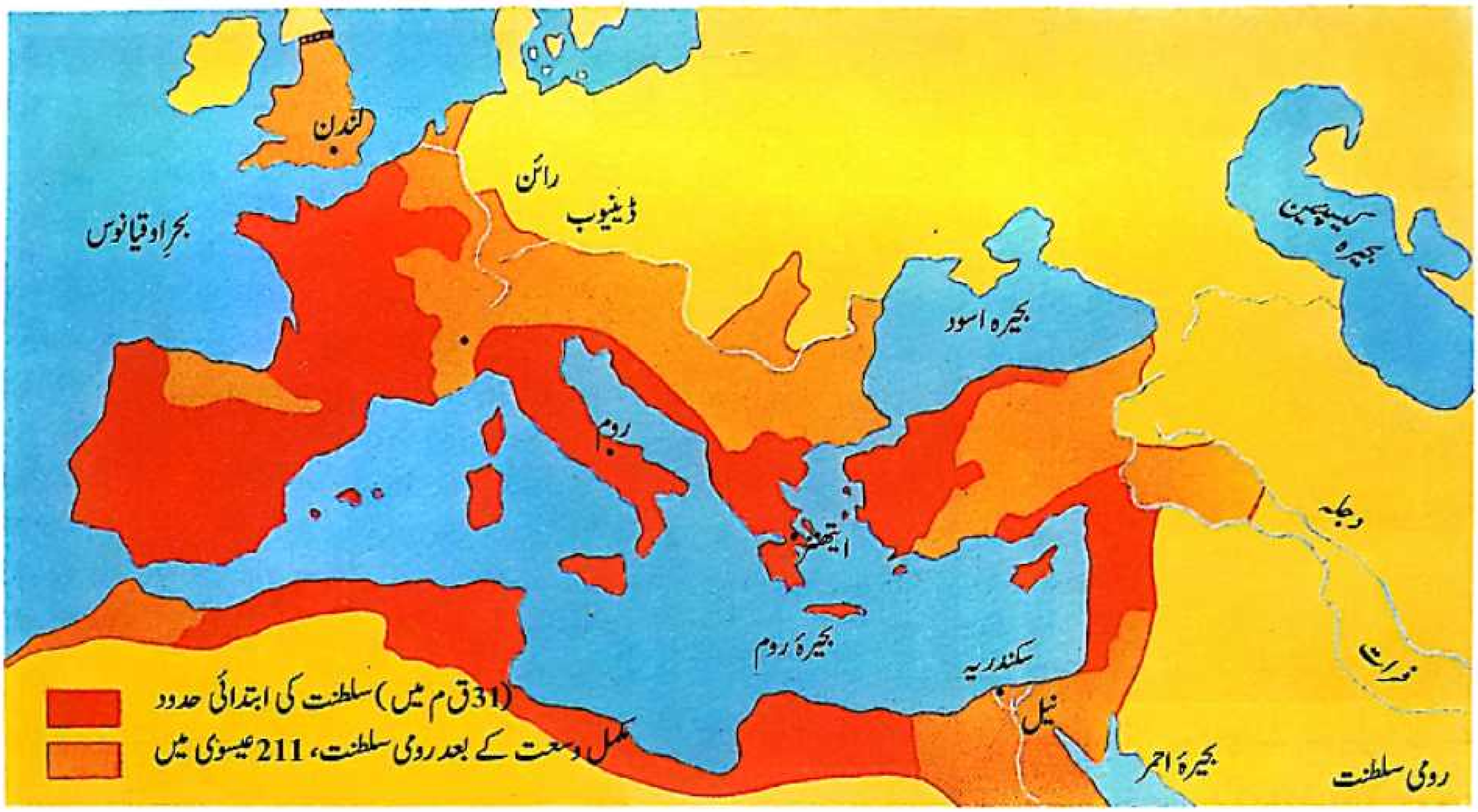

سیزر کے قاتلوں کو یقین تھا کہ وہ اپنی جمہوری حکومت بچا سکتے ہیں۔ تاہم، 27 قبل مسیح میں سینیٹ نے حکومت کا کنٹرول سیزر کے لے پالک بیٹے اوکٹیویا (Octavia) کے سپرد کر دیا جس نے شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

شہنشاہ کون تھا؟

شہنشاہ ایک مطلق العنان حکمران تھا۔ مجسٹریٹ، فوج، سربراہ یا سینیٹرز سب اس کی مرضی کے تابع تھے۔ یوں تو شہریوں کی اسمبلیاں مجسٹریٹوں کا انتخاب کر رہی تھیں اور سینیٹرز کے اجلاس بھی مسلسل ہو رہے تھے لیکن اکثر فیصلے شہنشاہ خود کرتا تھا۔ اس کا خطاب "فاتح جنرل ان چیف" تھا۔ اس کا پرشکوہ تاج اس کی قوت اور حشمت کا نشان تھا۔ امپیریل رومن گارڈ یا پریٹری گارڈ (Praetorian Guard) اس کے ذاتی محافظ تھے۔

سلطنت میں امن و امان

پہلی صدی عیسوی میں رومی سلطنت پہلے سے زیادہ وسعت اختیار کر چکی تھی۔ تاہم شہنشاہ کلاڈ (Claude) اور ٹراجن (Trajan) نے اپنی فتوحات جاری رکھیں۔ دوسری صدی عیسوی میں رومی سلطنت کی وسعت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

9000 کلومیٹر لمبی سرحدیں

رائن (Rhine)، ڈینوب (Danube) اور فرات (Euphrates) جیسے دریا اور کچھ صحرا، وحشی لوگوں کے خلاف قدرتی حفاظتی حصار بنائے ہوئے تھے لیکن اس وسیع سلطنت کے صوبوں میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے قلعے اور فصلیں تعمیر کرنا بھی بہت ضروری تھا۔ برٹنی (برطانیہ کا قدیم نام) میں شہنشاہ نے حفاظتی دیواریں بنائی ہوئی تھیں جو 110 کلومیٹر سے زیادہ طویل تھیں۔ اُن کا مقصد جزیرے کے شمال میں بسنے والے شمال مغربی فرانسیسیوں (Bretons) سے اپنے علاقے کا دفاع کرنا تھا۔

نیرو، ایک شہنشاہ

نیرو کی متنازع شخصیت، اس کی تشدد پسندی اور ساتھ ہی فنونِ لطیفہ کی طرف اس کے زبردست رُجحان نے اُسے رومی تاریخ میں ایک عجیب مقام عطا کر رکھا ہے۔ وہ صرف 16 سال کا تھا جب وہ اپنے سرپرست کلاڈ (Claude)، جس کا یہ لے پالک بیٹا تھا، کی جگہ تخت نشین ہو گیا۔

نیرو اور اس کا فن

نیرو ایک مصور اور شاعر تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بانسری بجانے کا بڑا شوقین تھا۔ اُسے اپنی ان صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ اس نے موسیقی اور سٹیج کے مقابلوں میں حصہ لینے کے لیے یونان کا دورہ کیا اور وہ تمام مقابلے اس نے جیت لیے۔

روم میں لگنے والی آگ کا ذمہ دار کون؟

64 عیسوی میں، روم میں زبردست، آگ بھڑک اُٹھی جس نے اُسے تباہ کر دیا۔ اس کا ذمہ دار کون تھا؟ بغیر تحقیق کیے نیرو کے ملزم ہونے کی افواہ پھیلا دی گئی۔ شک وشبہ کی فضا کا رُخ بدلنے کے لیے اس نے جواب میں عیسائیوں پر الزام لگا دیا اور اُنہیں سزائیں بھی دیں۔ شاید آگ اتفاقیہ طور پر بھڑک اٹھی ہو لیکن عام تصور یہی ہے کہ نیرو ہی اس ہولناک حادثے کا ذمہ دار تھا۔

64 عیسوی میں ایک ہولناک آگ نے روم کو تباہ کر دیا۔ اس کا الزام نیرو کو دیا گیا جو ایک جابر اور متشدد شہنشاہ تھا۔

ایک قاتل

شروع میں نیرو نے اپنے فلاسفر معلم سینیکا (Seneca) کی ہدایات کے مطابق حکومت کی، لیکن بعد میں نوجوان شہزادہ اپنے علاوہ کسی اور کی سنتا ہی نہ تھا۔ اس پر یہ خوف طاری ہو چکا تھا کہ ہر آدمی اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ اپنے آپ کو بچانے کے لیے اس نے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا، جن میں کلاڈ کا بیٹا بریٹینکس (Britannicus) اور اس کی ماں ایگری پینا (Agrippina) بھی شامل تھی۔ اب سینیٹرز، اشرافیہ، اور اعلیٰ فوجی عہدے دار اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نیرو مفرور ہو گیا اور 8 جون 68 عیسوی کو اس نے خودکشی کر لی۔

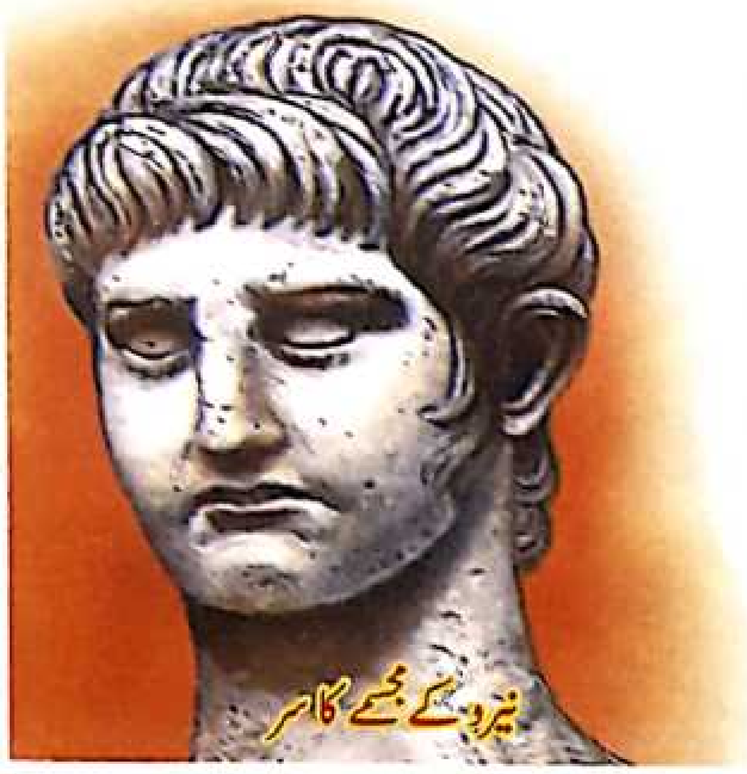

نیرو کے مجسمے کا سر

ایک بے حد منظّم فوج

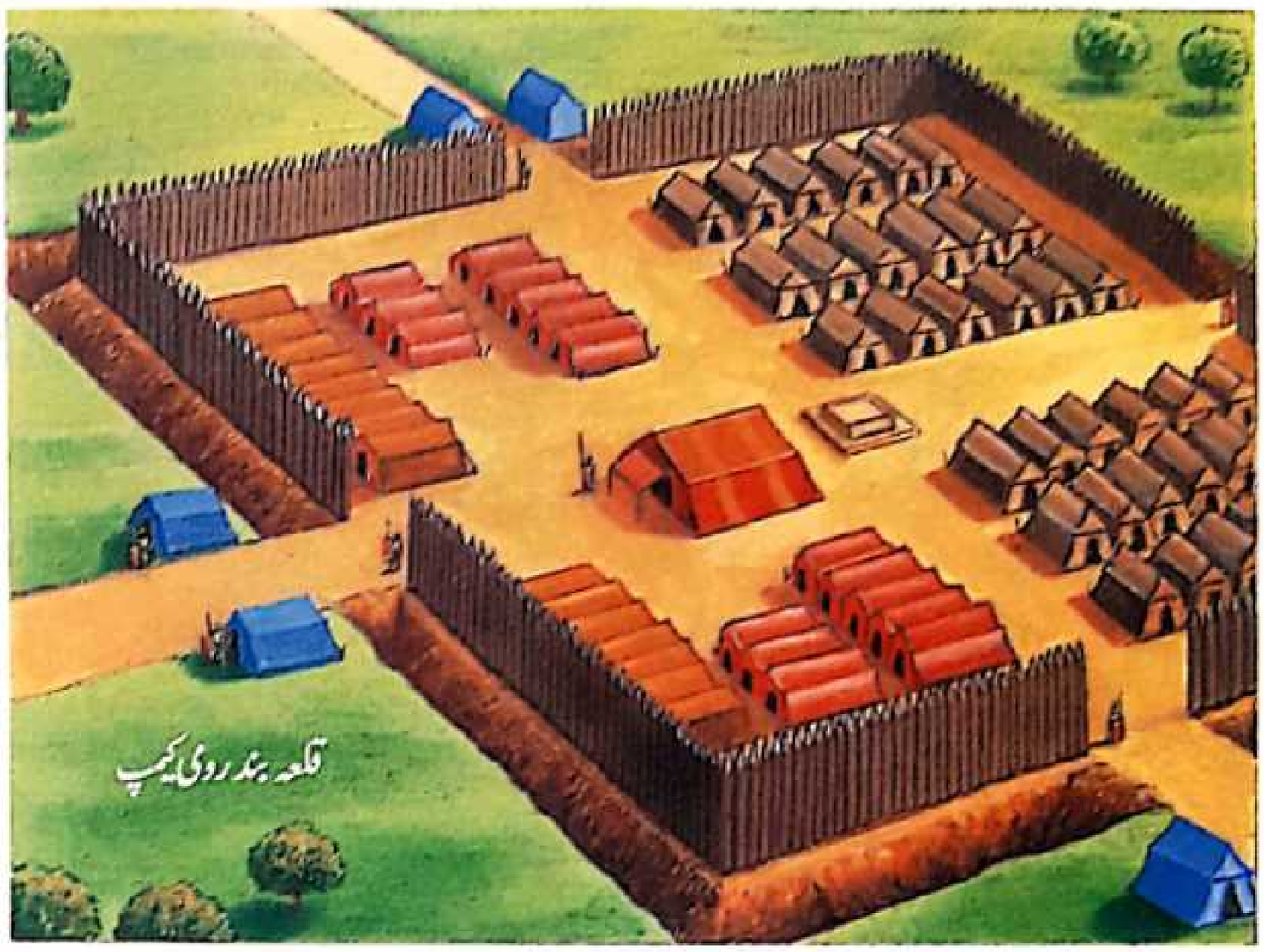

یہ رومی فوج تھی، جس نے روم کو حقیقی شان و شوکت عطا کی۔ اس کے علاوہ یہ دفاع اور فتح کا وسیلہ بھی تھی۔ اس کی فتوحات انتہائی سخت تنظیم سازی اور قواعد وضوابط کی مرہونِ منت تھیں۔

بیس سال پیادہ فوج میں

رومی فوج کی طاقت کا انحصار اس کے پیادہ دستوں پر تھا۔ اُن میں سے ہر دستے میں 5000 پیدل سپاہی ہوتے تھے۔ پیادہ فوج میں شہریوں کو 20 سال کے لیے بھرتی کیا جاتا تھا۔ اس کے بدلے انہیں تنخواہ اور ریٹائرمنٹ کے بعد پنشن اور پلاٹ ملتا تھا۔ کچھ سپاہی مفتوحہ لوگوں میں سے بھی بھرتی کیے جاتے تھے۔ 25 سال کی ملازمت کے بعد وہ روم کے شہری بن جاتے تھے۔ پُرامن حالات میں سپاہی فلاحِ عامہ مثلاً سڑکوں کی تعمیر، پانی کی نالیاں بنانا اور سرحدوں کی قلعہ بندی وغیرہ کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔

جسمانی ورزشیں

فوجی مہموں کے دوران فوج کو روزانہ 25 کلومیٹر فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ پڑاؤ ڈالنے کے بعد ہر سپاہی کے لیے ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو جسمانی طور پر تندرست رکھے۔ مہینے میں تین مرتبہ سپاہیوں کو 30 کلو میٹر دوڑنا پڑتا تھا، جس کا نصف فاصلہ 40 کلوگرام وزن پیٹھ پر اُٹھا کر طے کرنا ہوتا تھا۔

نظم ونسق

ایک جنرل کو اپنے سپاہیوں کی زندگی اور موت پر مکمل اختیار حاصل ہوتا تھا۔ جو پہرے دار فرض کی ادائیگی کے دوران سو جاتا، اسے مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ چوری کرنے اور جھوٹ بولنے پر بید مارے جاتے۔ اگرچہ اکثر سپاہی رضا کار ہوتے، تاہم وہ اپنی شاندار فوج پر فخر کرتے تھے۔

رومن پیادہ سپاہی اپنی حفاظت کے لیے کچھوا طرز کی جنگی چال اپنائے ہوئے ہیں۔

روم اور اُس کے صُوبے

رومی سلطنت وسیع و عریض تھی۔ اس میں مختلف قوموں اور علاقوں کے لوگ آباد تھے مثلاً شامی ، فرانسیسی اور مصری۔ یہ سب زبان، مذہب اور طرزِ زندگی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ تاہم، رومی انہیں اپنے رسم و رواج اور تہذیب کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

فتوحات کا راز

تیسری صدی قبل مسیح میں رومی فوج دس لاکھ سپاہیوں کو حرکت میں لا سکتی تھی۔یعنی 3 لاکھ یونانیوں کے مقابلے میں وہ 10 لاکھ رومی تھے، جنہوں نے ان پر حملہ کیا تھا۔ مزید برآں، رومی چالوں کی وجہ سے وہ اپنی چالوں کو بھول گئے۔ رومی فوجی بہت اچھی طرح منظّم تھے اور ایک قطار کی بجائے تین قطاروں کی صورت میں پیش قدمی کرتے۔ ہر قطار اپنی باری پر حملہ کرتی پھر وہ اکٹھے ہو جاتے اور دشمن جو انفرادی حملوں سے کمزور ہو چکا ہوتا، اچانک دیکھتا کہ اس کے سامنے ایک ہی ہراول دستہ ہے جو بڑے خوفناک انداز میں پیش قدمی کرتا ہوا اُن کی طرف بڑھ رہا ہے۔

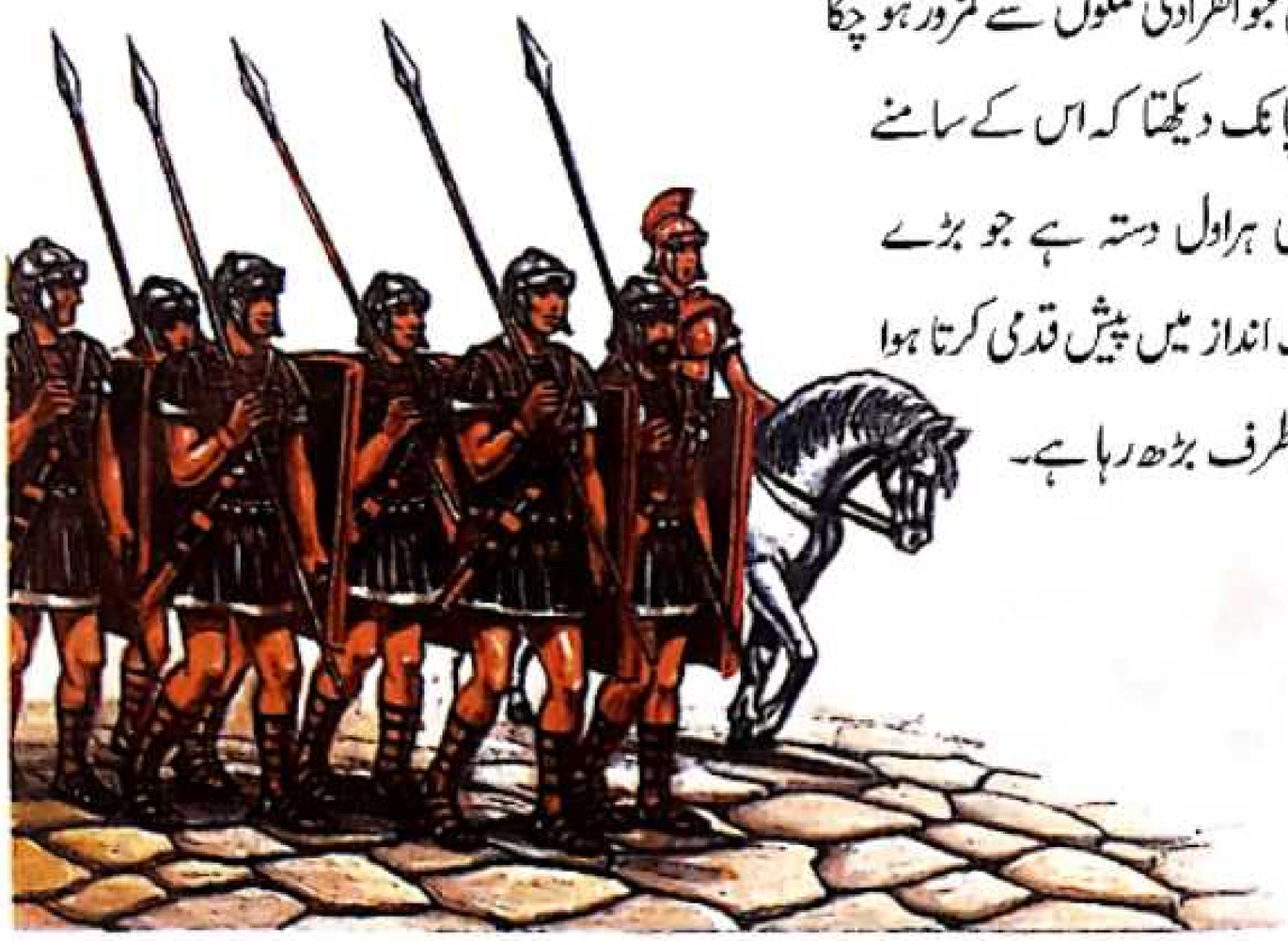

رومی اور اُن کے صوبے

عام طور پر مفتوحہ صوبوں کے رہائشی، رومی اقتدار تسلیم کر لیتے تھے۔ وہ رومیوں کو ٹیکس دیتے اور ان کی عدلیہ کو تسلیم کرتے تھے۔ حملہ آوروں نے جو امن وامان قائم کیا ہوتا، وہ اس کی قدر کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ باہمی میل جول کو فروغ حاصل تھا۔

رومیوں کی موجودگی

مملکت کی سرحدوں پر رومی فوجی دستے تعینات کیے گئے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی یہ دستے علاقے میں موجود رہتے تھے۔ مملکت کے اندر رومیوں کی موجودگی کی پہچان ہموار اور پختہ سڑکیں تھیں جو ضروری اشیا دوسرے شہروں اور علاقوں میں پہنچانے کے لیے بنائی گئی تھیں۔

دیوتاؤں کی پُوجا

رومی سینکڑوں دیوتاؤں کو مانتے تھے اور اپنی مفتوحہ قوموں کو بھی اُنہیں ماننے کی ہدایت کرتے تھے۔ بہت سے رومی دیوتا، یونانی دیوتاؤں جیسے تھے۔ بعض اوقات، رومی دوسری تہذیبوں کا کچھ حصہ بھی اپنا لیتے تھے۔

اندرونِ خانہ

گھروں میں رکھے جانے والے دیوتاؤں کے مجسموں کو تعظیم دینے کے لیے پورا خاندان، آتش دان کے اِردگرد یا قربان گاہ کے نزدیک اکٹھا ہو جاتا۔ گھر میں ایک قسم کی چھوٹی سی عبادت گاہ ہوتی جس میں گھر کی رکھوالی کا دیوتا (Lares) اور اشیائے ضروریہ کی دیوی (Penates) کے مومی مجسمے رکھے جاتے تھے۔ گھر کا سربراہ جو باپ ہوتا تھا، شہد میں بھیگے روٹی کے ٹکڑے، شراب اور پھول قربان گاہ کے آگے رکھ دیتا یا آگ میں ڈال دیتا۔ یہ چیزیں اُن کے خیال میں دیوتاؤں کی خوراک کا حصہ تھیں۔

بدقسمتی کو کیسے ٹالا جاتا تھا؟

جب کوئی متعدی مرض پھوٹ پڑتا، زلزلہ آتا یا رومیوں پر کوئی اور تباہی نازل ہوتی تو بزرگ پجاری اپنی مقدس کتابوں کا ورد کرتے، جس کے بعد اکثر اُن کی ہدایت یہی ہوتی کہ قربانی دو یا ایک مندر تعمیر کرو۔

مستقبل بینی

یونانیوں کی طرح رومی بھی قدرت کی رضا کے چھوٹے سے چھوٹے اشارے بھانپ لینے کے منتظر رہتے تھے۔ پرندے کا اُڑ جانا، قربان کیے گئے جانوروں کی انتڑیوں کا کہیں دیکھا جانا یا طوفان بادوباراں کے دوران بجلی کی کڑک یا چمک کی شدت..... ان سب کو اچھے یا برے شگون سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

بعض اوقات پجاری اور عورتیں سیاست میں بھی حصہ لیا کرتے تھے۔

ایک نیا مذہب

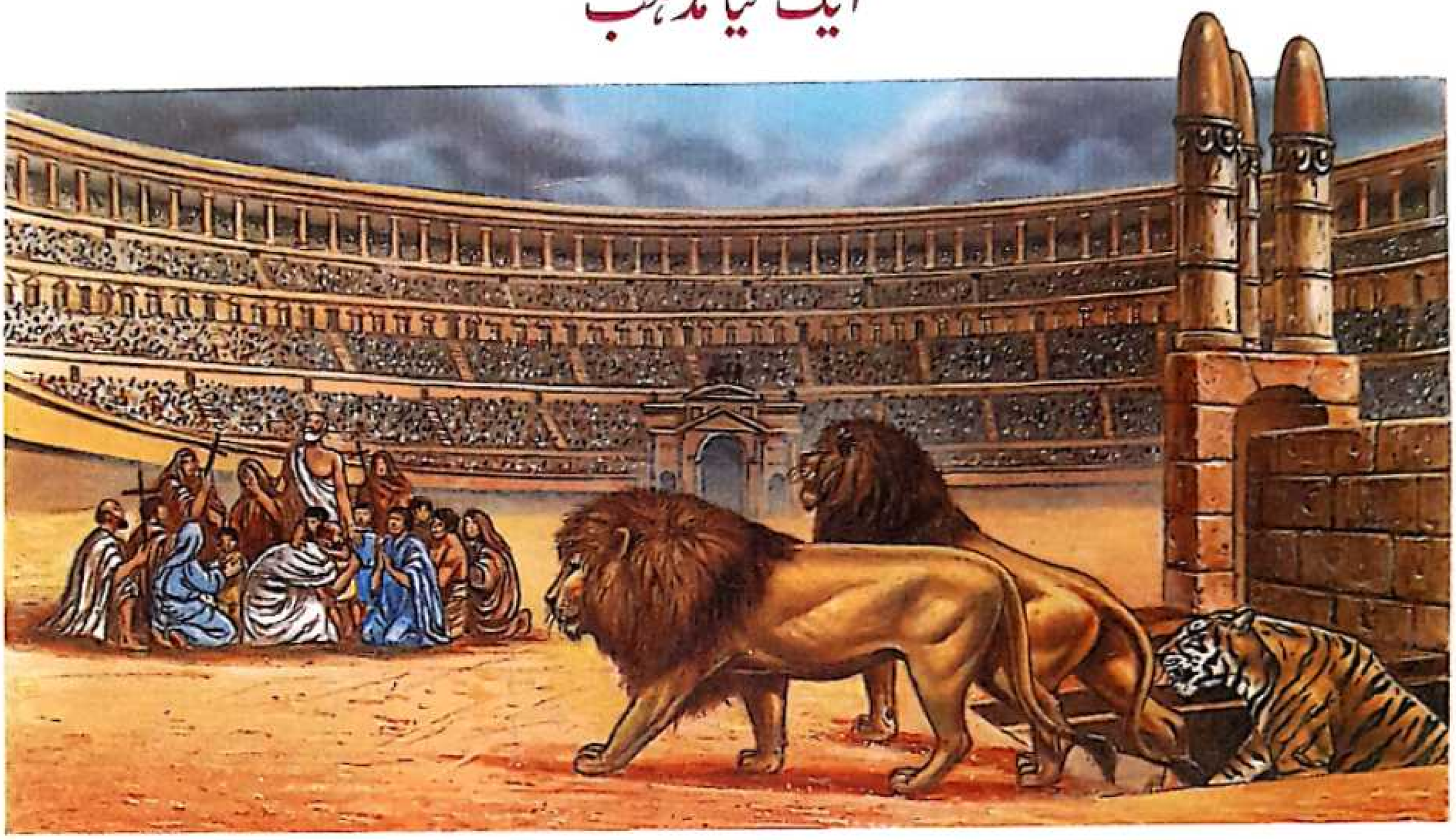

جس عہد میں رومیوں نے ایک فلسطینی صوبے جوڈیا (Judea) پر قبضہ کیا، اس دوران وہاں ایک نئے مذہب عیسائیت نے جنم لیا۔ کچھ رومیوں نے عیسائیت کو قبول کیا لیکن شہنشاہوں کی طرف سے اس مذہب کی منظوری سے پہلے عیسائیوں پر بہت زیادہ ظلم وستم روا رکھا گیا۔

عیسائیوں کو ایذا دینا

شروع شروع میں عیسائیت اختیار کرنے والوں نے شہر کے دیوتاؤں کو تعظیم دینے سے انکار کر دیا جس سے رومی طیش میں آگئے۔ رومیوں نے عیسائیوں پر الزام لگایا کہ وہ شہنشاہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ نیرو جیسے بعض تشدد پسند حکمرانوں کے دورِ حکومت میں جن عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑنے سے انکار کیا، انہیں زندہ جلا دیا گیا یا پھر جنگلی درندوں کے آگے پھینک دیا گیا۔ ایسے حالات میں عبادت کرنے یا مذہبی احکامات پورے کرنے کے لیے عیسائی رات کے وقت خفیہ طور پر ملتے تھے۔

شہنشاہ قسطنطین کا خواب

عیسائیوں کی جرأت و ہمت نے بہت سے غیر اہل کتاب رومیوں کو بہت متاثر کیا۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا عیسائیوں کا دیوتا دوسروں کے دیوتاؤں سے زیادہ طاقتور ہے؟ آہستہ آہستہ کافی تعداد میں رومی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پھیلائے ہوئے پیغام سے متاثر ہونے لگے اور انہوں نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا۔ آخر کار 313ء میں، شہنشاہ قسطنطین نے عیسائیوں کو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دے دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جنگ کے موقع پر شہنشاہ نے خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کو آسمان پر ظاہر ہوتے دیکھا تھا۔ اس جنگ میں فتح یاب ہونے کے بعد اس نے اپنا مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور عیسائی ہو گیا۔

ابتدائی دور کے عیسائی، رومیوں کے لیے پریشانی کا سبب تھے۔ بہت سے شہنشاہوں نے انہیں ایذائیں دیں۔ بعض کو جنگلی درندوں کے سامنے خوراک کے طور پر پھینک دیا جاتا تھا۔

روم، ایک مثالی شہر

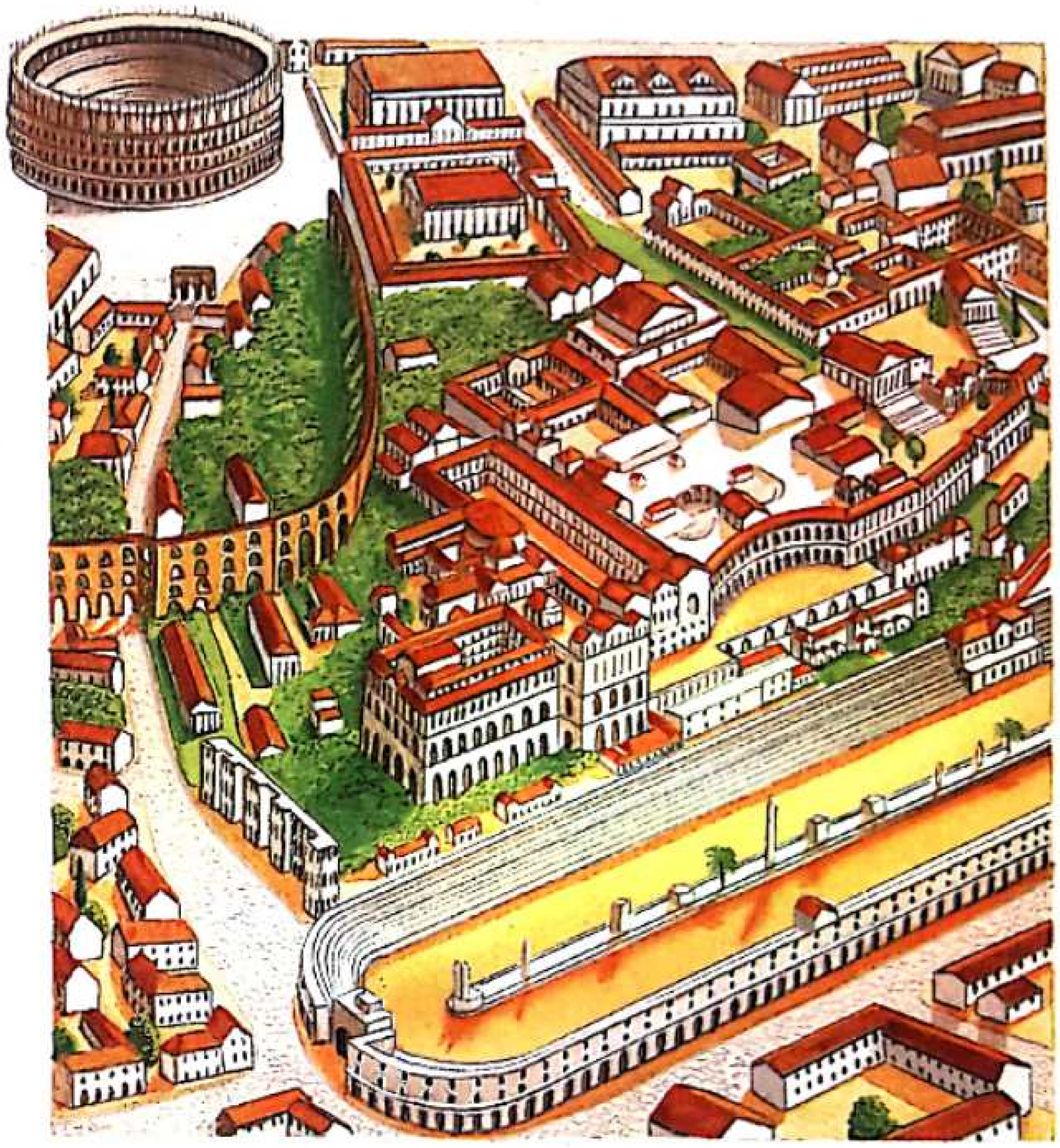

دوسری صدی عیسوی میں روم مغرب کا سب سے وسیع اور خوشحال شہر تھا۔ رومی شہنشاہ چاہتے تھے کہ روم اُن کی شان وشوکت کا آئینہ دار ہو۔ انہوں نے مجالس عامہ کے لیے مشاورت گھر، مندر، فتح کے محراب اور ایمفی تھیٹر بنائے۔ جلد ہی سلطنت کے دوسرے شہروں نے بھی اُن کی تقلید شروع کر دی۔

مشاورت گھر کیا تھا؟

مشاورت گھر (forum) ایک بہت بڑی عوامی جگہ ہوتی تھی جس کے پہلو میں حکومت کی شاندار عمارات تھیں۔ یہ شہر کا کاروباری اور انتظامی مرکز بھی تھا جہاں منڈی لگتی، خصوصی تہوار منعقد ہوتے اور سرکاری عہدے دار تقریریں کرتے تھے۔

بارونق گلیاں

بڑی بڑی عوامی جگہوں کے قریب پختہ، تنگ اور بل کھاتی ہوئی گلیوں کا جال سارے شہر میں بچھا ہوا تھا۔ دن کے وقت وہاں گھوڑا گاڑیوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ پیدل چلنے والوں کا شور مچاتا ہوا ہجوم، سوداگر، سیاح، اشیا اُٹھائے ہوئے غلام کندھے سے کندھا ملائے چلتے پھرتے تھے۔ پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی کئی منزلہ اونچی عمارتوں کی کھڑکیوں سے ہی لوگ ایک دوسرے کو پکار لیتے تھے۔ عوامی مقامات پر بہت بڑی تعداد میں خاندان اکٹھے ہوتے تھے۔ دوسری صدی میں بھی روم کی آبادی تقریباً دس لاکھ تھی۔ جونہی سورج غروب ہوتا، رومی اپنے آپ کو گھروں کے اندر بند کر لیتے تھے کیوں کہ اُن دنوں گلیوں میں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ لوگ جو کسی دعوت سے رات گئے لوٹتے، وہ اپنے ساتھ مشعل بردار غلام رکھتے تھے کیوں کہ شام کے وقت گلیاں تاریک، غیر محفوظ اور سنسان ہوا کرتی تھیں۔

رومی صوبوں کے رہائشی اپنی سلطنت کے دارالخلافہ پر فخر کرتے اور اسے خوب صورتی کا نمونہ سمجھتے تھے۔

1۔ روم میں واقع دنیا کا سب سے قدیم ایمفی تھیٹر Circus Maximus ۔2 (رومیوں کا سب سے بڑا اکھاڑا)

ایک امیر رومی کی زندگی

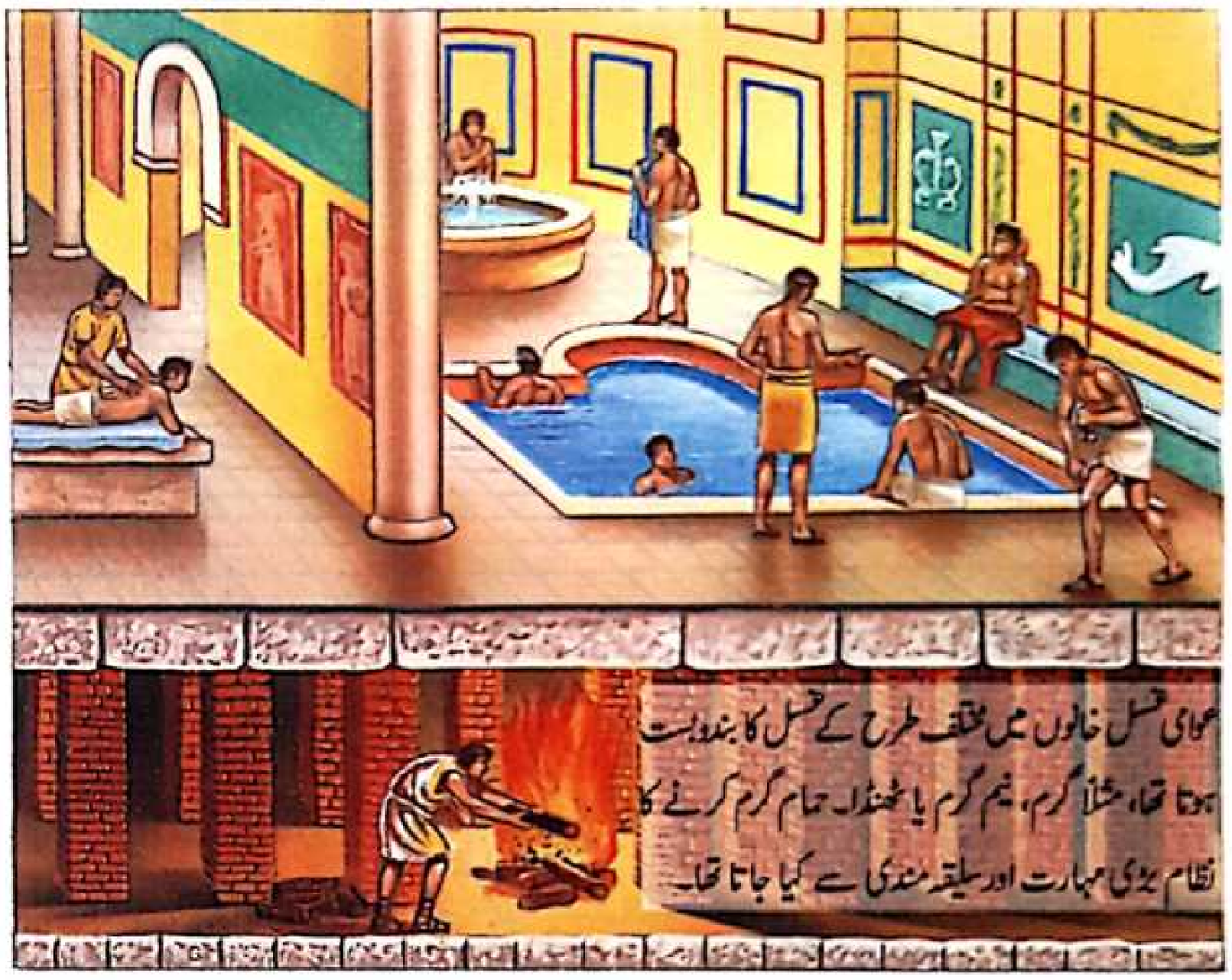

کھاتے پیتے رومی اپنا وقت مختلف عوامی مشاغل اور ذاتی مصروفیات میں گزارا کرتے تھے۔ وہ عوامی غسل خانوں میں جانا اور دعوتوں سے لطف اندوز ہونا نہ بھولتے تھے۔

مصروف دن

ہر صبح امیر رومی کے گھر میں غریب شہری آتے تھے۔ وہ ان میں کھانے کی ٹوکری میں سے کھانا تقسیم کرتا۔ اُسے اُمید ہوتی تھی کہ اس کی یہ سخاوت انتخابات میں اسے فائدہ پہنچائے گی کیوں کہ اسے سیاست میں حصہ لینا ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی زمین اور جائیداد سے متعلق معاملات طے کرنے مشاورت گھر یا سینیٹ میں جاتا تھا جہاں اسے اپنی عدالتی ذمہ داریاں ادا کرنی ہوتی تھیں۔ دوپہر تک اس کا دن بھر کا کام ختم ہو جاتا تھا۔

غسل خانے

ہلکا پھلکا کھانا اور تھوڑی استراحت کے بعد امیر رومی، عوامی غسل خانوں یا گرم حماموں میں چلے جاتے۔ وہ باغوں میں سیر گشت کرتے، ورزش کرتے اور کتب خانوں میں مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ گرم بھاپ کا غسل لیتے اور چھوٹے سے جھانوے کے ساتھ اپنا جسم صاف کرتے۔ آخر میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے، پھر ایک غلام ان کے جسم پر مالش کرتا، دباتا اور خوشبو لگاتا تھا۔

شام کا کھانا

اُمرا کے دن کا اختتام دعوت پر ہوتا تھا۔ مہمان ایسی چارپائیوں پر دراز ہو جاتے جن کے ساتھ ہی ایک نچلی میز ہوتی۔ وہ انگلیوں سے کھاتے اور پانی ملی شراب پیتے تھے۔ بعض دعوتیں صبح ہونے تک جاری رہتی تھیں۔

رومی بچے

تعلیم کے حصول کا انحصار خاندان کی دولت پر تھا۔ تاہم، ہر رومی کم و بیش اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا، بہ شرط یہ کہ اُسے پیدا ہوتے ہی تنہا نہ چھوڑ دیا گیا ہو۔ یہ ایک ایسی رسم تھی جس کی قانون اجازت دیتا تھا۔

نوزائیدہ

ایک خاندانی تقریب کے دوران باپ اپنے بچے کو بازوؤں میں اُٹھا کر اس بات کا اظہار کرتا کہ وہ اپنے بچے کو تسلیم کرتا ہے لیکن بعض باپ اپنے بچے کو مسترد بھی کر دیتے تھے۔ اگر وہ اپاہج ہوتا تو اسے گھر سے نکال دیا جاتا اور جو اسے پناہ دیتا، وہ اسے اپنا غلام بنا لیتا لیکن اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کرتا تھا۔

تین نام

نوجوانوں کا اصل نام "ius" کے الفاظ پر ختم ہوتا، جیسا کہ کلاڈئیس (Claudius)۔ اس کا پہلا نام اس کے آباؤ اجداد میں سے کسی ایک کے نام پر رکھا جاتا جیسے مارکس (Marcus)، ٹائی ٹس (Titus) وغیرہ۔ عُرفی نام کا تعلق اس کی ذاتی خصوصیات کا اظہار کرتا، مثلاً روفس (Rufus) ''سرخ بالوں والا''، بروٹس (Brutus) ''احمق۔''

کیا سب بچے سکول جاتے تھے؟

رومی سلطنت میں پرائمری سکول، ہر شہری حتیٰ کہ غریب بچوں کو بھی داخل کر لیتے تھے۔ 12 سے 18 سال کی عمر کے اُمرا کے بچے سیکنڈری سکول میں چلے جاتے جہاں وہ یونانی زبان کے ساتھ فنِ خطابت سیکھتے تھے۔ جہاں تک لڑکیوں کا تعلق تھا، انہیں اچھی خاتون خانہ بننے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

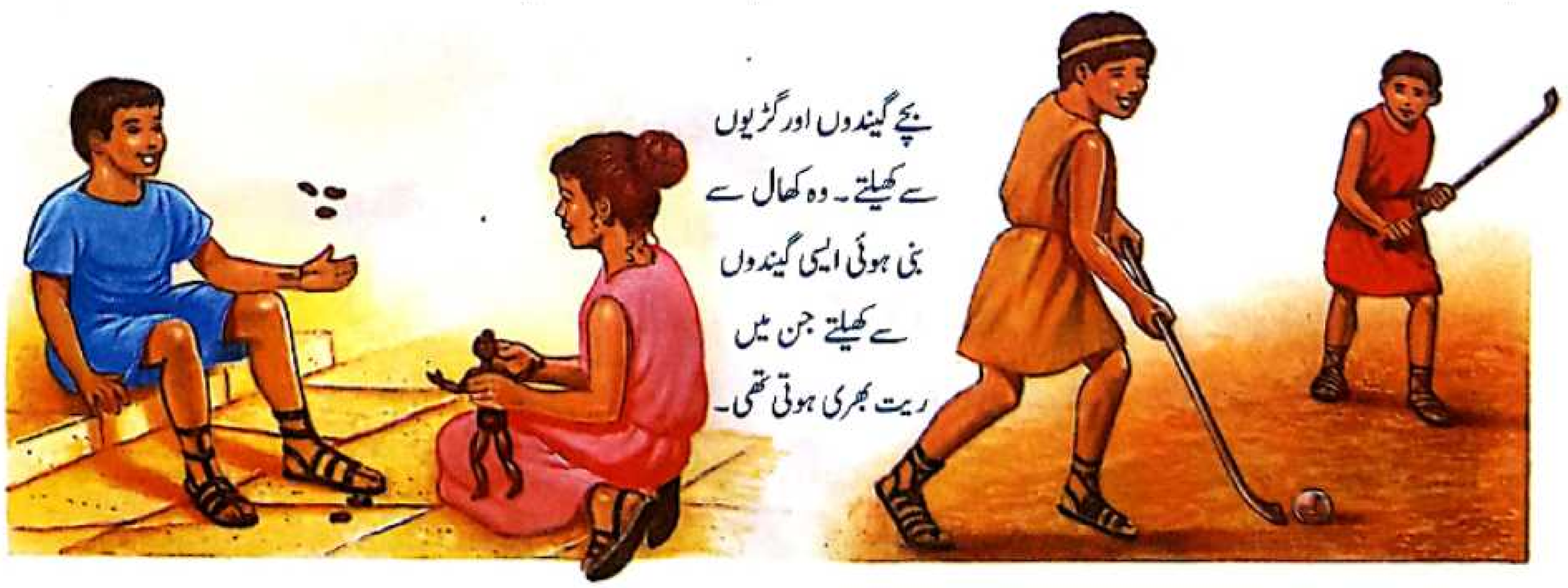

بچے گیندوں اور گڑیوں سے کھیلتے۔ وہ کھال سے بنی ہوئی ایسی گیندوں سے کھیلتے جن میں ریت بھری ہوتی تھی۔

ایک غلام کی زندگی

ایک امیر رومی خاتون اپنی آرائش وزیبائش یعنی اپنے بال سنوارنے اور میک اپ کے لیے بہت سی غلام عورتیں رکھتی تھی۔

ایک امیر رومی عورت کی بے شمار کنیزیں ہوتی تھیں جو اُس کا بناؤ سنگھار کرتی تھیں۔

جنگی قیدیوں، مجرموں اور گھر سے نکالے ہوئے بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔ وہ بطور ڈاکٹر، پیشہ ور جنگجو، اور چرواہے، حتیٰ کہ شہنشاہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے سکتے تھے لیکن انہیں کوئی شہری اور قانونی حقوق حاصل نہیں تھے۔

غلاموں سے کیسا سلوک کیا جاتا تھا؟

یونانیوں کی طرح، رومی اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے تھے۔ بعض خاندانوں میں آقاؤں اور غلاموں میں دوستانہ تعلقات استوار ہو جاتے تھے۔ کانوں میں کام کرنے والے غلاموں کی زندگی نسبتاً تلخ تھی لیکن اُن کے آقا اگر اُن کے ساتھ برا سلوک کرتے تو اُن سے بھی باز پرس کی جا سکتی تھی۔

امیر خاندانوں میں

امیر خاندان اپنے گھروں میں بہت سے غلام رکھتے جو بطور ملازم بچوں کے لیے معلم، باغبان اور باورچی وغیرہ کی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان کے آقا ان کے لیے خوراک، لباس اور رہائش مہیا کیا کرتے تھے لیکن اگر ان غلاموں کا رویہ اچھا نہ ہوتا تو انہیں سزا دی جاتی تھی۔

غلاموں کو رہائی کون دیتا تھا؟

بعض اوقات، غلاموں کی حسنِ کارکردگی کے پیشِ نظر، اُن کے مالک دوسرے غلام خریدنے سے پہلے انہیں آزاد کر دیا کرتے تھے۔ دولت مند رومی اپنی سخاوت کے اظہار کے لیے درجنوں غلام آزاد کر دیتے۔ بعض اوقات یہ نو آزاد اشخاص بڑے امیر تاجر بن جاتے تھے لیکن اُن کا مقدر خواہ کیسا ہی ہوتا، وہ اپنے پہلے آقا کے ہمیشہ فرمانبردار رہتے تھے۔ نارسی سس (Narcissus) ایک آزاد کردہ نامور غلام تھا، جو شہنشاہ کلاڈ کا سیکرٹری بنا۔

بغاوت

73 قبل مسیح میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد نے پیشہ ور جنگجو سپارٹاکس (Spartacus) کی سربراہی میں بغاوت کر دی۔ تقریباً دو سالہ جنگ کے بعد بالآخر رومی فوج نے تمام غلاموں کو قتل کر دیا۔

کھیل تماشے

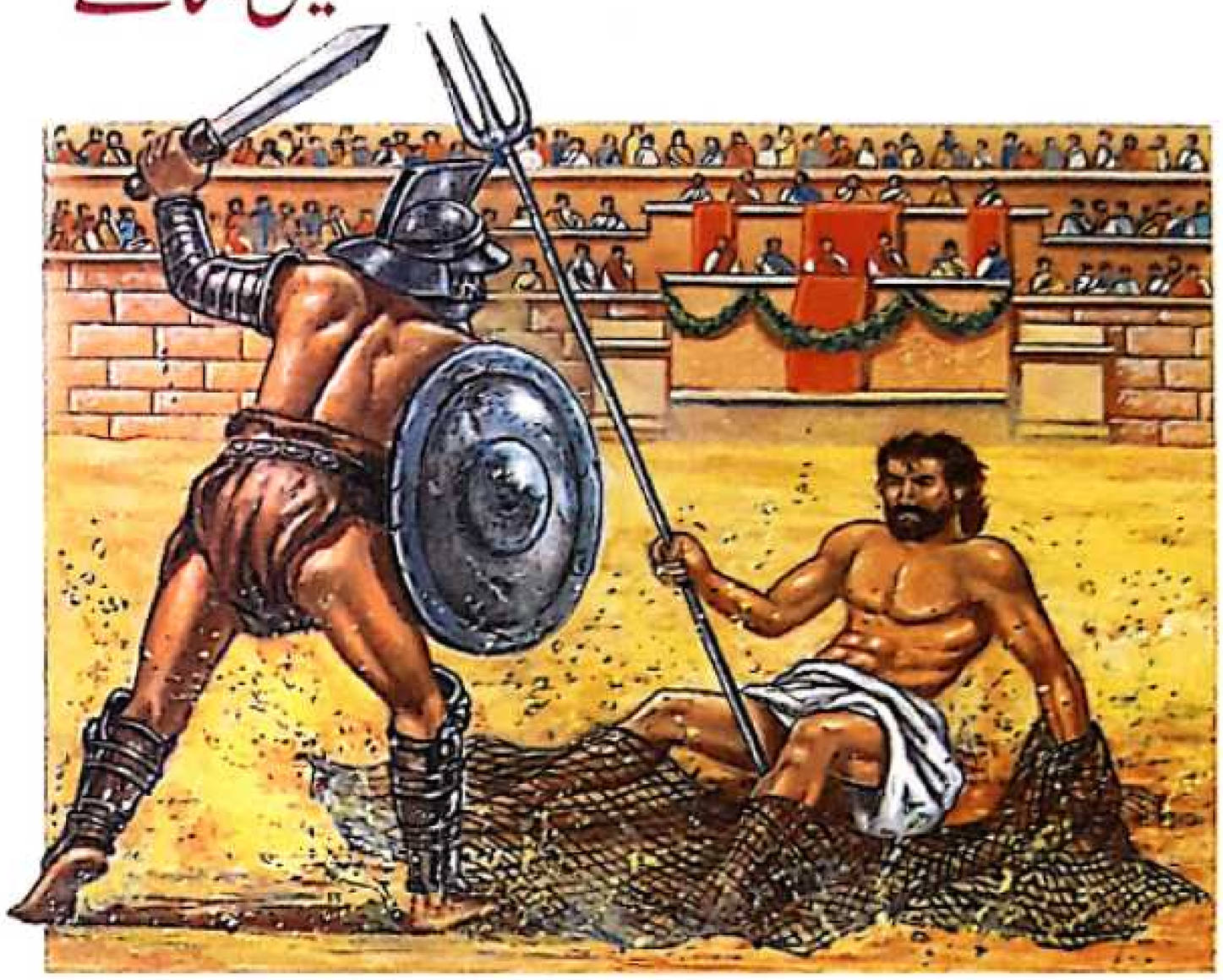

رومی، سرکس میں پیش کیے جانے والے کھیل بہت پسند کرتے تھے۔ شہنشاہ، لوگوں کے اس شوق کی تسکین کے لیے بہت سا مال و زر خرچ کیا کرتے تھے۔ اس طرح ان کی شہرت میں اضافہ ہو جاتا اور لوگ چونکہ مطمئن ہوتے تھے، اس لیے شہنشاہ کے خلاف بغاوت کا سوچتے بھی نہ تھے۔

ایسی لڑائی جس میں کوئی رحم نہ دکھایا جاتا

ایمفی تھیٹر ہجوم سے کھچا کھچ بھر جاتا تھا۔ یہ ایک بیضوی شکل کا اوپن ایئر تھیٹر ہوا کرتا تھا۔ تھیٹر کے فرش پر ریت بچھی ہوتی تھی تاکہ شکار کا خون جذب ہو سکے۔ بیل، شیر، مینڈھے، گھوڑے، ریچھ، ہرن اور ہاتھی ایک دوسرے کو ہلاک کرتے یا بہادر سپاہیوں کی تلواروں کے واروں سے ختم ہو جاتے۔ لوگ اس کشت وخون سے مسحور ہو جاتے لیکن وہ آدمیوں کے درمیان مقابلے بازی کو زیادہ ترجیح دیتے تھے۔

پیشہ ور جنگجو کون تھے؟

یہ جنگی قیدی، جرائم پیشہ یا غلام ہوتے جو اکھاڑے میں مقابلے بازی کو پیشے کے طور پر اپنا لیتے تھے۔ اکھاڑے میں ہر اس وار اور ہر اُس زخم سے، جس میں خون تیزی سے بہنے لگتا، تماشائی زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوتے تھے۔ مقابلہ کرنے والے، تماشائیوں کی داد سے حوصلہ پا کر ایک دوسرے پر مزید وار کرتے۔ بعض اوقات، زخمی جنگجو رحم کی التجا کرتا، تو اس پر شہنشاہ عوام سے مشورہ کرتا تھا۔ عوام کی نارضا مندی دیکھ کر وہ انگوٹھے سے موت کی سزا کا اشارہ دے دیتا۔ جب کوئی پیشہ ور جنگجو بہت سے مقابلوں میں کامیاب ہو جاتا تو اسے آزاد کر دیا جاتا تھا اور یوں وہ لوگوں میں خوب شہرت پاتا۔

رتھ دوڑ

یہ دوڑ بھی اہل روم کو مسحور کر دیتی تھی۔ شرط لگانے والے شرکت کرنے والی چاروں ٹیموں میں سے کسی ایک پر شرط لگاتے، اگر ان کی شرط لگائی ہوئی ٹیم جیت جاتی تو وہ اس پر خوب تالیاں بجاتے اور داد دیتے۔ جیت کو اچھا شگون سمجھا جاتا تھا۔

رتھ کے کوچوان کی جان اکثر خطرے میں رہتی، بعض اوقات موڑ کاٹتے ہوئے بگھی کا پہیہ کسی پتھر یا کسی دوسری گاڑی سے ٹکرا جاتا تھا۔

عظیم معمار

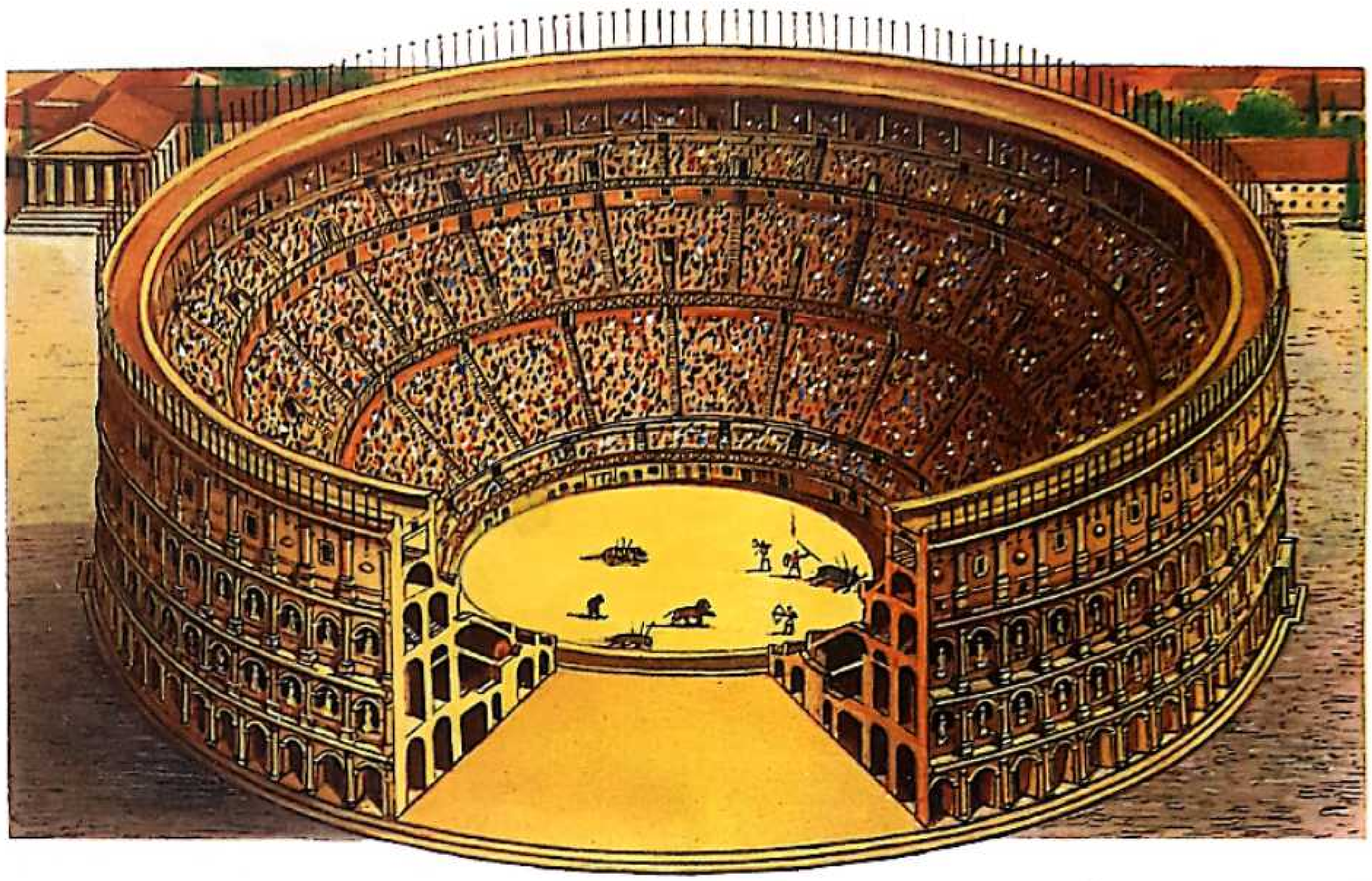

رومی، فن تعمیر کے ماہر تھے۔ پورے یورپ میں اُن کی تعمیر کی گئی بہت سی یادگار عمارات ایسی ہیں جو اَب بھی وقت کی شکست و ریخت سے محفوظ ہیں۔

رومی کیا تعمیر کرتے تھے؟

کاریگر صاف پانی کی نالیاں، پل، نکاسی آب کے نظام اور پختہ سڑکوں کی تعمیر سے اپنی مہارت ظاہر کرتے تھے۔ جہاں تک ماہرین تعمیرات کا تعلق ہے، وہ تعمیر میں محرابوں، ستونوں پر قائم محرابوں، مندروں اور گرم غسل خانوں میں گنبد بنایا کرتے تھے۔

شہر کے لیے پانی کی بہم رسانی

رومی جانتے تھے کہ شہریوں کے لیے پانی کیسے لایا جا سکتا ہے۔ یہ پانی پہاڑوں سے آیا کرتا اور پہاڑوں کے اندر ہی اندر آبی نالیوں کے ذریعے وادی میں پھیل جاتا تھا۔ ڈھلان دار راستے بنا کر اسے نہروں تک لایا جاتا اور پھر شہروں میں یہ پانی فواروں، گرم حماموں، عوامی بیت الخلاؤں اور گھروں کی ضروریات پوری کرتا تھا۔

قدیم ایمفی تھیٹر یا کلوزیم

یہ رومیوں کا بہترین نقشے کے مطابق تعمیر کیا گیا وسیع ترین ایمفی تھیٹر تھا جس میں 50,000 سے زیادہ تماشائیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس کی تعمیر کا آغاز 72 عیسوی میں شہنشاہ ویسپاسیئن (Vespasian) کے حکم پر ہوا اور یہ تقریباً دس سال میں مکمل ہوا۔ زیر زمین پمپوں کے ذریعے اس اکھاڑے کو بحری جنگی مشقوں کے لئے مصنوعی جھیل میں بدلا جا سکتا تھا۔

اس ایمفی تھیٹر میں داخل ہونے کے لیے 76 راستے اور درجنوں کے حساب سے گیلریاں (غلام گردشیں) تھیں تاکہ آنے جانے میں سہولت رہے اور ایمفی تھیٹر بغیر افراتفری کے خالی ہو جائے۔

رومی اور بربر قبائل

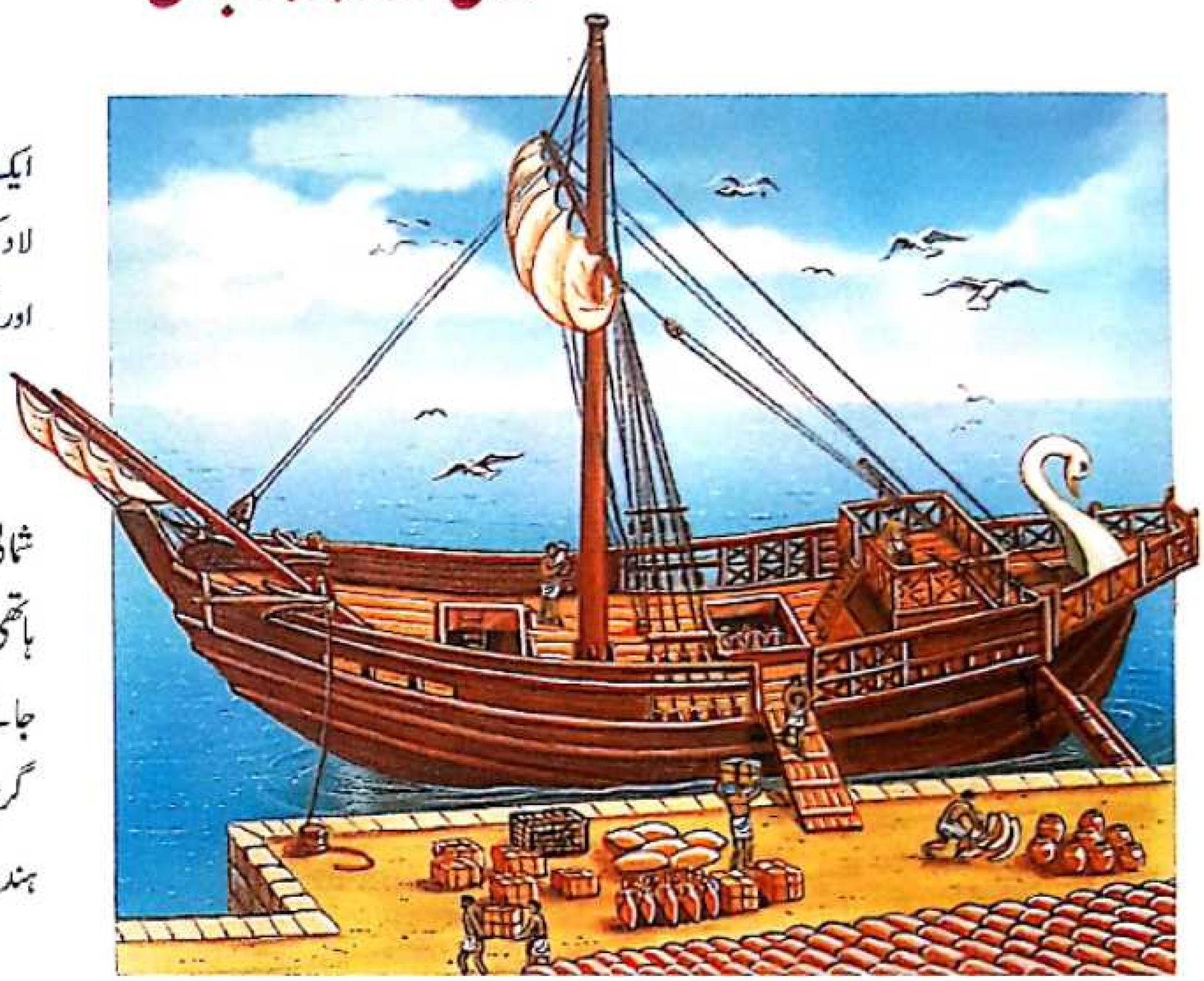

ایک تجارتی جہاز پر تقریباً 6000 برتن یا مرتبان لاد کر لائے جا سکتے تھے جن میں شہد، مصالح جات اور دیگر چیزیں بھری ہوتی تھیں۔

رومی اپنی فتوحات کے دوران مفتوحہ علاقوں کے لوگوں، خصوصاً یونانیوں سے بہت متاثر تھے۔ اُن کے فن تعمیر اور آرٹ کی رومیوں نے نقل کی، اِسی دوران انہوں نے یونانیوں کے ساتھ تجارتی اور معاشرتی تعلقات اُستوار کر لیے۔

سرحدوں پر تبادلہ

سرحدوں پر متعین رومی فوجی دستے اکثر ہمسایہ ممالک کے دورے کرتے رہتے تھے، وہ غیر رومی باشندوں کو ''barbarians'' کہتے تھے۔ اس دوران دریائے رائن (Rhine) کے کناروں پر انہیں جرمن چرواہوں کے ذریعے جانوروں کا تازہ گوشت ملتا رہتا تھا۔ وہ ان سے چمڑا بھی خریدتے جس سے وہ جوتے اور شامیانے بناتے تھے۔ اس طرح انہوں نے مختلف قوموں سے علم اور تجربہ سیکھا۔ تیسری صدی میں یہ بربر قبائل رومی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

تجارت اور درآمدات

رومی ایک وسیع و عریض سلطنت ہونے کے باوجود بیرون سلطنت بھی مصنوعات

رُومی دُور دراز کے سفر طے کر کے ہاتھی، شتر مرغ اور زرافے جیسے نادر جانور، لوگوں کی تفریح طبع کے لیے لاتے تھے، حتیٰ کہ سرکس میں کرتب دکھانے اور مقابلوں کے لیے شیر بھی۔

سلطنت کا خاتمہ

تیسری صدی عیسوی سے روم کمزور ہوتا چلا گیا۔ رومی سلطنت کی بے پناہ دولت، عروج اور خوشحالی کو سرحدوں کے قریب رہنے والے بربر قبائل، حسد کی نظر سے دیکھتے تھے۔

سرحدیں خطرے میں تھیں

تیسری صدی عیسوی میں، رومی فوج اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ بربر قبائل نے رومی علاقوں پر حملے شروع کر دیئے۔ یہ حملے کرنے والے نہ صرف فرانسیسی، جرمن اور گاتھ تھے بلکہ مشرق سے آنے والے ایرانی بھی اُن حملہ آوروں میں شامل تھے۔

اور سلطنت تقسیم ہوگئی !

ڈاکوؤں اور بحری قزاقوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ زیرِ تسلط صوبوں کو احساس ہونے لگا کہ اب رومی اقتدار ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ جب 300 عیسوی میں شہنشاہ ڈایوکلیٹین (Diocletian) نے انتظامیہ کی تنظیمِ نو کی تو اس نے مملکت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا: مشرقی رومی سلطنت اور مغربی رومی سلطنت لیکن رومی طاقت بتدریج کمزور ہوتی گئی کیوں کہ دونوں مملکتوں پر ایک ہی شہنشاہ کی حکومت تھی۔ 330 میں شہنشاہ قسطنطین نے قسطنطینہ کو نیا دارالخلافہ بنایا۔

ہن قوم اور اُن کا قائد اٹیلا (Attila) رومی حملے کی زد میں

وسیع پیمانے پر حملے

مشرق سے آنے والے وحشی خانہ بدوش جنگجو (Huns) زرخیز زمینوں کی تلاش میں تھے۔ متوقع دشمن کی تاخت وتاراج سے بچنے کے لیے تمام لوگ یورپ کے مشرقی اور مغربی حصوں کی جانب بھاگ گئے اور مملکت کی سرحدیں عبور کر گئے۔ Visigoths نامی قوم نے 410ء میں روم کو خوب لوٹا۔ 455ء میں Vandals قوم کی باری تھی۔ آخر کار 476ء میں جرمن حملوں کی وجہ سے مغربی رومی سلطنت مکمل طور پر زوال پذیر ہوگئی، تاہم مملکت کا نصف مشرقی حصہ جو ''بازنطینی مملکت'' کہلاتا تھا، قائم رہا۔

قسطنطین کا مجسمہ

چین

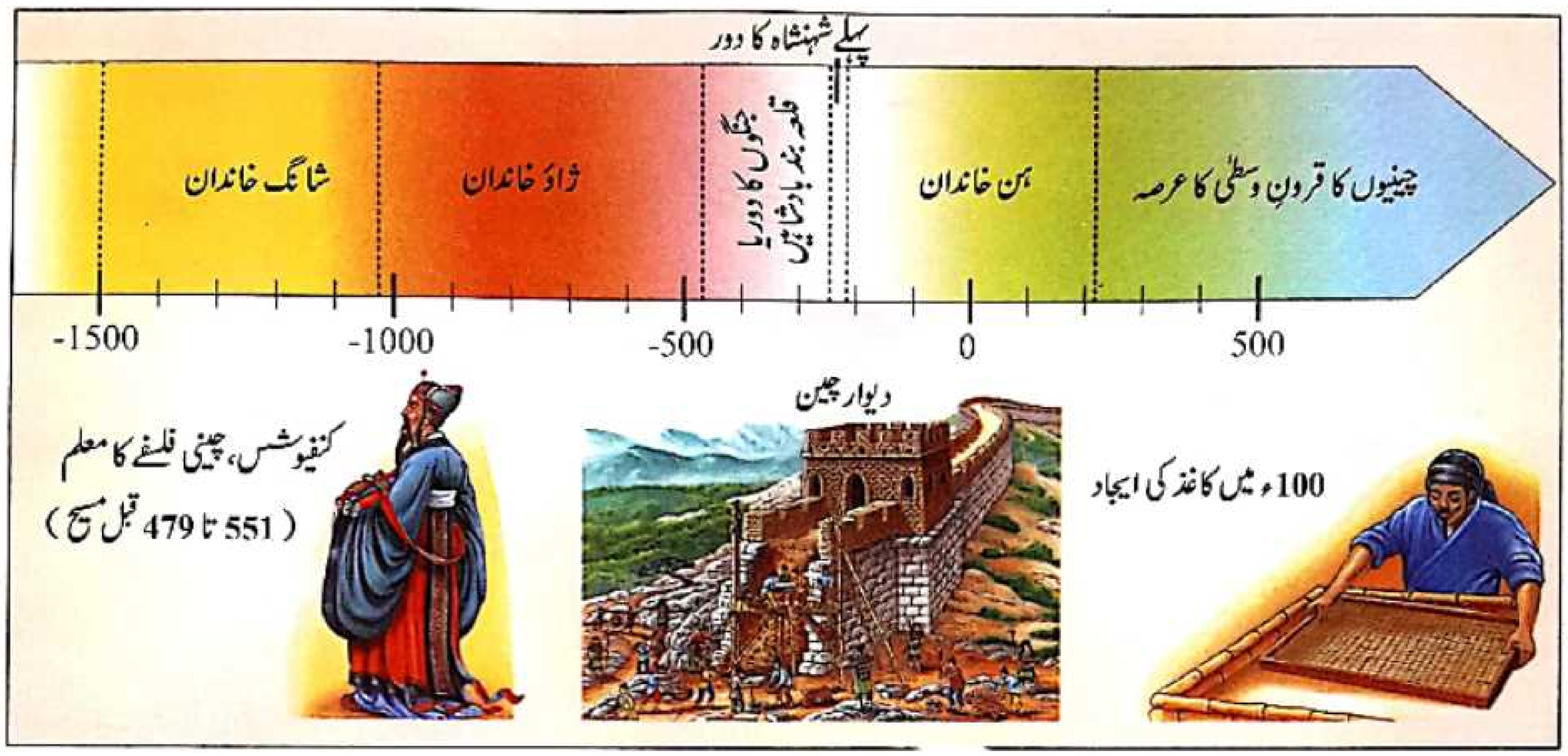

چینی تہذیب کی ابتدا 1500 قبل مسیح سے ہوئی۔ چینیوں نے صدیوں کے عرصے میں ایک وسیع و عریض سلطنت قائم کرلی۔ نہ صرف اُن کی سائنسی اور تکنیکی ایجادات بلکہ اُن کے عظیم افکار نے بھی انسانی تاریخ پر اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

شانگ اور ژاؤ ادوار

اِن نامور حکمران خاندانوں نے چینی تہذیب کو ابتدائی ماخذ مہیا کیے۔ پہلا نامور شاہی خاندان شانگ (Shang) تھا۔ گیارہویں صدی قبل مسیح میں ژاؤ (Zhou) خاندان نے شانگ خاندان کو نکال باہر کیا اور اس کی جگہ ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا لیکن 481 سے 221 قبل مسیح کے درمیانی عرصے میں مملکت کے طاقتور اُمراء اقتدار اور علاقوں کے حصول کے لیے آپس میں لڑنے لگے۔ مسلسل جنگیں ہوئیں اور ژاؤ خاندان ختم ہوگیا۔ یہ قلعہ بند بادشاہتوں اور جنگوں کا دور تھا۔

پہلا شہنشاہ

221 قبل مسیح میں چن (Qin) سلطنت کا شہنشاہ اپنے مخالفین پر غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے شہنشاہ کا منصب اختیار کرلیا۔ اس سے پہلے شہنشاہ (259 تا 210 قبل مسیح) نے اپنے ملک کو متحد کیا اور بے حد سخت گیری سے حکومت کی۔ اس نے دیوارِ چین بھی تعمیر کروائی۔ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ اس کی وفات کے فوراً بعد ہن خاندان کی سربراہی میں ایک زرعی انقلاب آیا، جس کے نتیجے میں چن خاندان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔

ہن سلطنت

ہن خاندان کے شہنشاہوں نے چینی سلطنت کو Blue River سے آگے مغرب، شمال مشرق اور جنوب تک وسیع کر دیا۔ انہوں نے سرکاری عمال (mandarins) کی مدد سے وسیع و عریض مملکت پر حکومت کی لیکن زرعی انقلاب نے قدیم چین کے اس انتہائی طاقتور اور صاحبِ ثروت خاندان کو بھی تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد چینی قرونِ وسطیٰ کے دَور میں داخل ہو گئے۔ اس طرح آخری شہنشاہ کی حکومت 1912ء میں ختم ہوگئی۔

چین

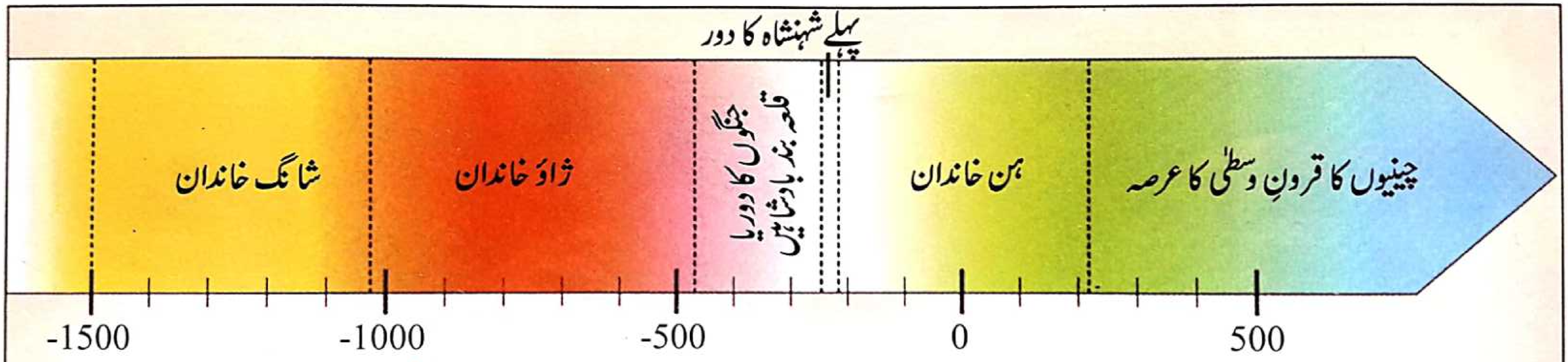

کنفیوشس، چینی فلسفے کا معلم
(551 تا 479 قبل مسیح)

دیوار چین

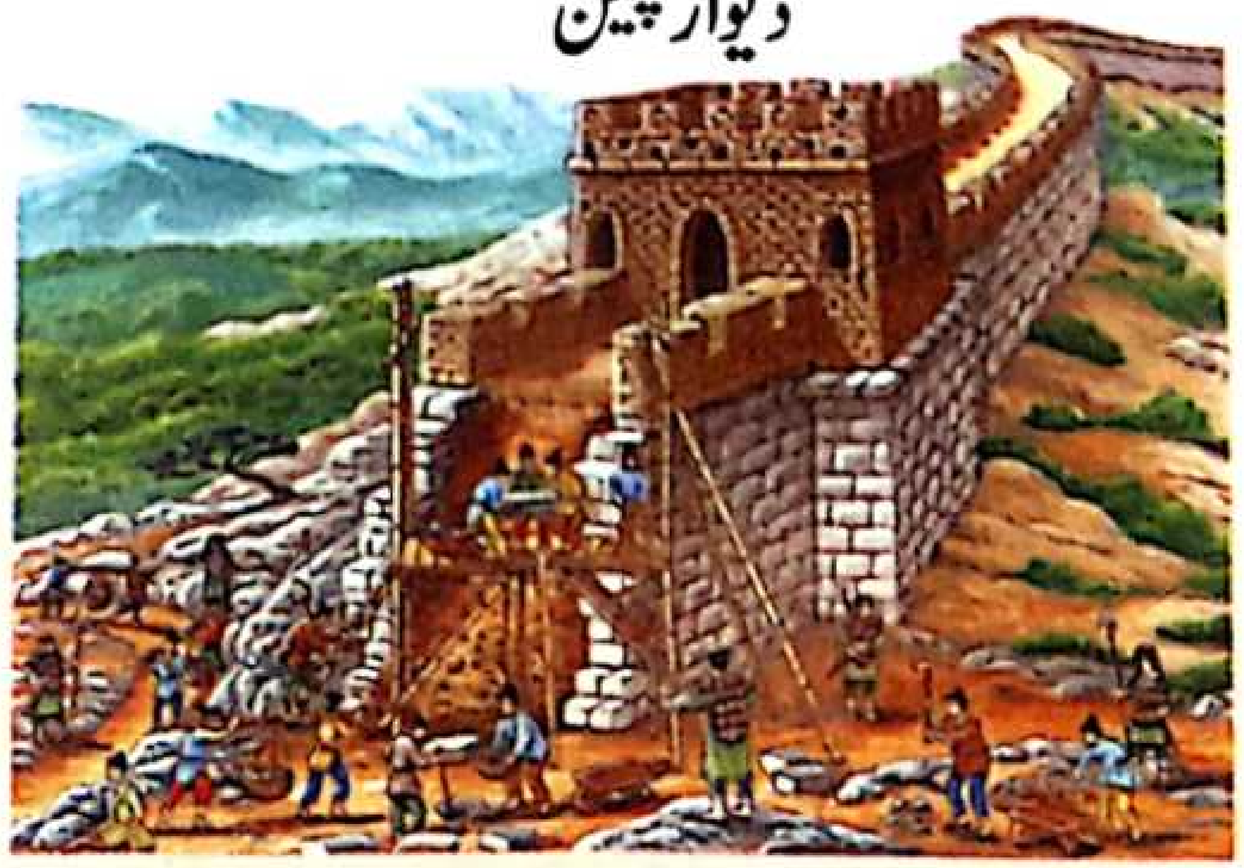

100ء میں کاغذ کی ایجاد

وسطی ریاست

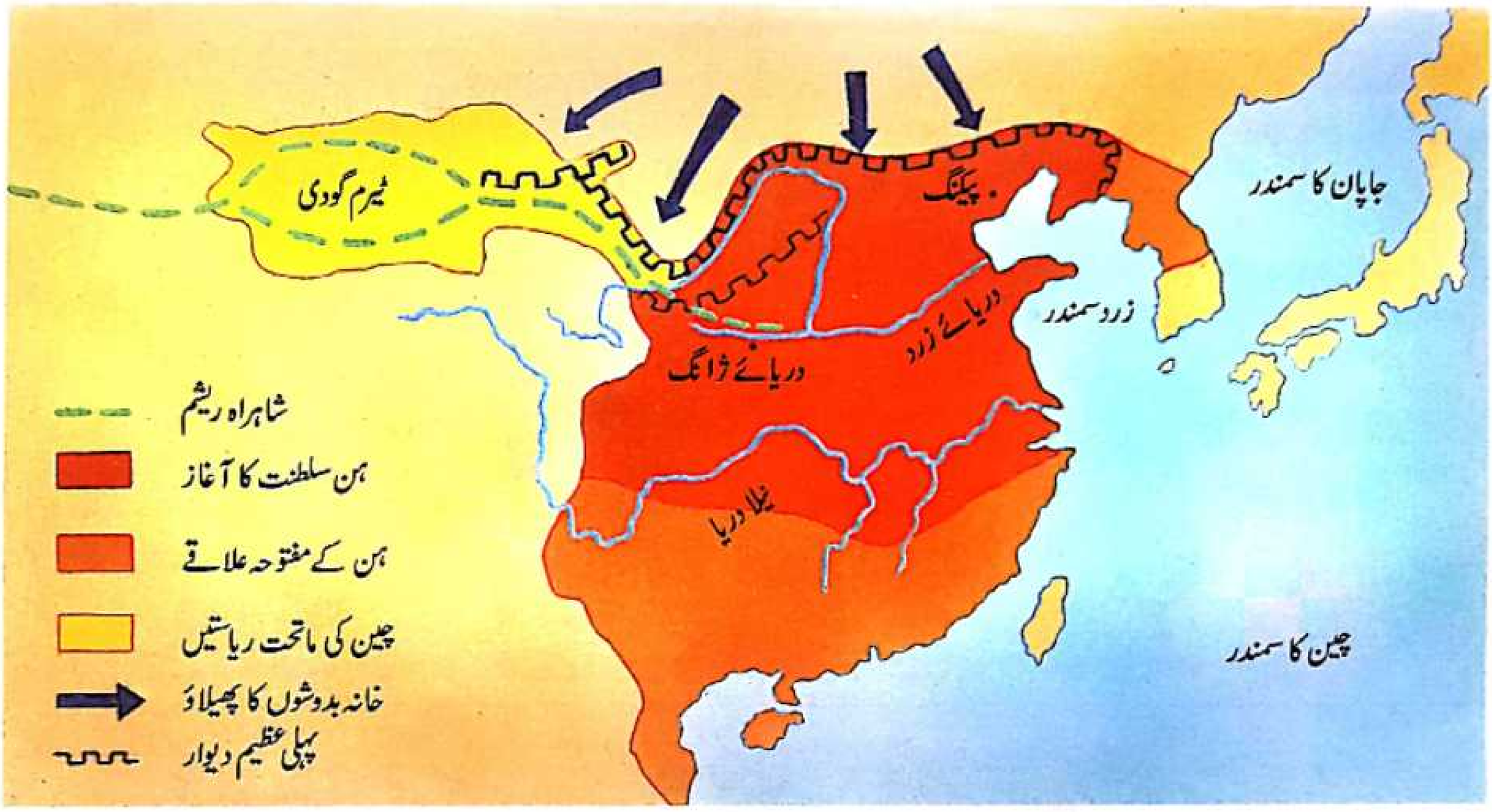

زمانہ قبل از تاریخ سے لوگ دریائے زرد کے کناروں پر آباد چلے آ رہے ہیں جہاں زمین بہت زرخیز ہے۔ دریا کا ملحقہ علاقہ قدیم چین کا دل تھا، یہیں سے چینی اپنی مملکت کو وسیع کرتے چلے گئے۔ اس طرح ایک ''مملکتِ وسطیٰ'' وجود میں آ گئی۔ اُسے اِس نام سے اس لئے پکارا جاتا تھا کیوں کہ وہاں کے لوگوں کو یقین تھا کہ دنیا کا مرکز اُن کے قبضے میں ہے۔

دریا سے کیسے فائدہ اٹھایا گیا؟

کہا جاتا ہے کہ بائیسویں صدی قبل مسیح میں ژی (Xia) خاندان کا بانی یو (Yu) اس بے قابو دریا کو مطیع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اس دریا پر ڈیم بنوائے اور نہریں کھدوائیں، جس سے اس کا پانی کناروں سے باہر تک پھیلنا بند ہو گیا۔ دیومالائی روایات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یو کی کامیابی کی وجہ دنیا کا وہ نقشہ تھا جو اسے اُس اژدہے نے دیا تھا جو معجزانہ طور پر دریا سے نکل آیا تھا۔

دریائے زرد

دریائے زرد یا ہوانگ ہو (Huang-Ho) کے نام کی وجہ تسمیہ وہ رنگ دار کیچڑ ہے جو یہ دریا تبت کی سطح مرتفع سے اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اس دریائی مٹی کی ایک خاص مقدار اور دیگر مادے دریا کی تہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ چند سالوں سے زبردست سیلابوں کے باعث دریا کا پانی ڈیم توڑ کر کھلے میدانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

تضادات کا ملک

شمالی میدانی علاقے موسم سرما میں برفانی ہواؤں کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں لیکن سورج اور موسم گرما کی حدت فصلیں پکا دیتی ہے۔ نیلے دریا کے جنوب میں موسم استوائی ہوتا ہے اور مون سون کی بارشیں چاول کی کاشت میں مدد دیتی ہیں۔ مغرب میں صرف پہاڑ، گھاس کے میدان اور صحرا ہوتے ہیں جہاں نیم خانہ بدوش رہتے ہیں۔

چینیوں کی دانائی

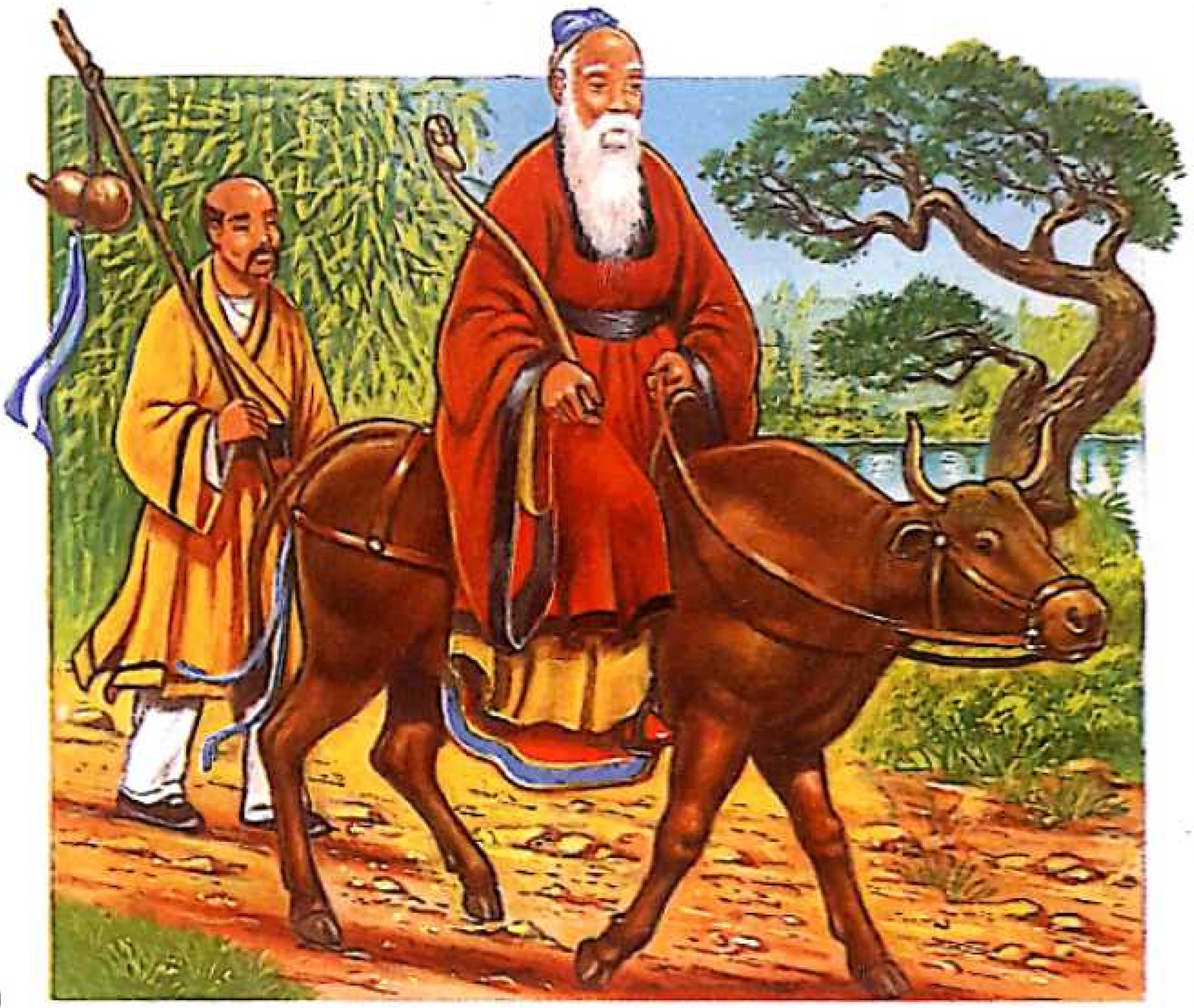

ہر چینی اپنے لیے پسندیدہ مذہب کے انتخاب کا حق رکھتا ہے ۔ بہت سے مذاہب کی بنیاد فطرت کی متوازن اور غیر یقینی قوتوں کے مشاہدے پر ہوتی تھی، مثلاً زلزلے، خشک سالی اور سیلاب وغیرہ ۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں لاؤ ژے (Lao-Tseu) اور کنفیوشس (Confucius) جیسے مفکروں نے انہی عقائد پر اپنے فلسفے کی بنیاد رکھی۔

عقیدہ

اہلِ چین کا عقیدہ تھا کہ پہاڑوں، دریاؤں، جنگلوں، جھیلوں اور ہواؤں میں روحیں رہتی ہیں۔ وہ اپنی حفاظت کی خاطر اُن کا احترام کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ اکثر کاہنوں (Shamans) سے بات کرتے، جو اُن روحوں کو مطیع کرنے اور ان سے رابطہ کرنے کے علم کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ چینی اپنے آباؤ اجداد کی بھی عزت کرتے تھے۔

ین اور یانگ

چینی باشندوں کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہ مخالف اور ثانوی قوتیں ہیں جو کائنات میں ہم آہنگی برقرار رکھتی ہیں۔ ین (Yin) کی قوت تاریکی، سردی، زمین، چاند اور عورتوں میں پائی جاتی ہے۔ یانگ (yang) کی قوت، روشنی، حدت، آسمان، سورج اور مردوں میں پائی جاتی ہے۔ دونوں قوتوں کے ملنے سے دنیا کا توازن قائم ہے۔

تاؤ ازم کیا ہے؟

یہ محض ایک سوچ تھی جس کا پانچویں صدی قبل مسیح میں لاؤ ژے (Lao-Tseu) نے پرچار کیا کہ ہر ذی روح کو اپنے طریق یعنی ''تاؤ'' سے واقف ہونا چاہیے۔ فطرت سے ہم آہنگ ہونے کے لیے گہرا غور و فکر اور جستجو ہی لافانی زندگی کا راستہ ہے۔ رفتہ رفتہ تاؤازم ایک مذہب بن گیا اور سارے چین میں پھیل گیا۔

ین کا نشان سیاہ ہے، یانگ کا نشان سفید

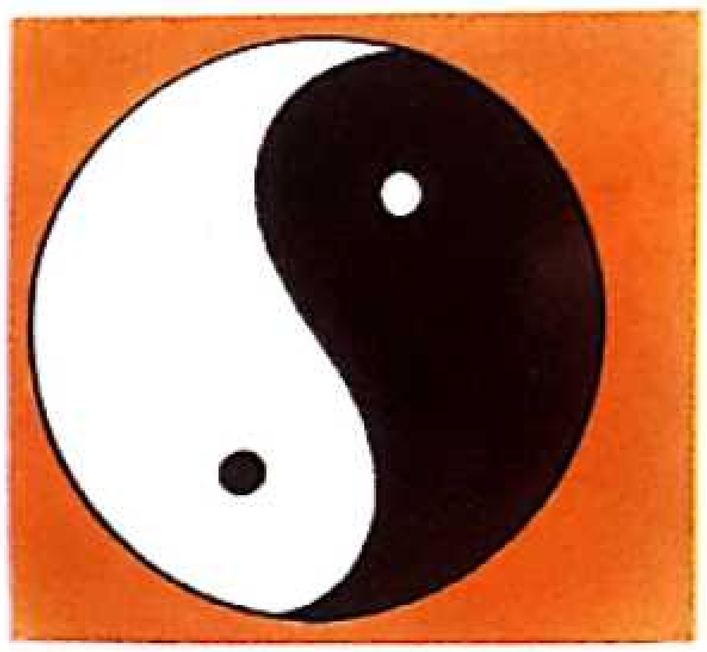

بُدھ مت

پہلی صدی عیسوی میں غیر ملکی تاجروں نے تعلیم یافتہ اہل چین سے بُدھ مت کی تعلیم حاصل کی۔ آہستہ آہستہ یہ مذہب نچلے طبقوں میں بھی پھیل گیا۔

ایک فلسفی، کنفیوشس

جنگوں کے دور میں کنفیوشس نامی آدمی (551 سے 479 قبل مسیح) سارے چین میں گھوما کرتا تھا۔ وہ سرداروں کی جاگیروں سے لے کر شہزادوں کے درباروں تک گیا۔ اس نے اپنی پوری کوشش کی کہ لوگ اس کی دانش سے بھرپور باتیں سنیں تاکہ وہ بہتر انسان بن سکیں۔

کنفیوشس کون تھا؟

کنفیوشس ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ تین سال کی عمر میں وہ یتیم ہو گیا۔ اُس کی ماں نے پرانی روایات اور مذہبی رسوم کے مطابق اس کی پرورش کی۔ وہ ایک ایسے دور میں پیدا ہوا تھا جب ژاؤ (Zhou) سلطنت کے جاگیردار تشدد پسندی، دھوکا دہی اور جعل سازی کے ماحول میں، اقتدار حاصل کرنے کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے۔ جب وہ سنِ شعور کو پہنچا تو یہ ہنگامہ آرائی اسے مزید دکھی کرنے لگی۔ اُس نے چاہا کہ وہ اپنے لوگوں کو ایک ایسے طرزِ عمل کی تعلیم دے جو بہتر انسان بننے میں ان کی مدد کرے۔

اُس کی تعلیمات کیا تھیں؟

اُس کی تعلیمات کی بنیاد انسانی اور اخلاقی آٹھ پہلوؤں پر تھی: جن میں دوسروں کا احترام، برداشت، معافی اور درگزر، وفا شعاری، یقین محکم، اعتماد، احساس فرض اور آباؤاجداد کی پوجا شامل تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ ان تعلیمات پر عمل کرکے انسان اپنا اخلاق سدھار سکتا ہے۔

کیا اس کی تعلیمات پر عمل کیا گیا؟

کوئی شہزادہ، کنفیوشس کی نصیحت سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ بالآخر یہ دانش ور مایوس ہو کر اپنے صوبے میں واپس آ گیا جہاں اس نے ایک سکول قائم کیا۔ کافی عرصے کے بعد شہنشاہوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کر لیا، جس کے اثرات چینی معاشرے میں بیس صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی برقرار ہیں۔

کنفیوشس نے کوئی تحریر نہیں چھوڑی۔ یہ اس کے شاگرد اور پیروکار تھے جنہوں نے اس کی تعلیمات کو پھیلایا۔

پہلا شہنشاہ

ین ژانگ (Yin Zheng) صرف تیرہ برس کا تھا جب وہ چن (Qin) سلطنت پر قابض ہوا۔ دوسری حکومتوں نے اس خوفناک حریف کے متعلق سنا تو خوف زدہ ہو گئیں۔ 221 قبل مسیح میں اس نے چینی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنے شہنشاہ (Houang-ti) ہونے کا اعلان کر دیا۔

ایک منظم مملکت

شہنشاہ نے اپنی مملکت کا انتظام ایسے افسروں کے سپرد کیا جنہوں نے اس کے ماتحت کام کرنا تھا۔ یہ چین کے عمال یعنی گورنر (mandarins) تھے۔ اُن کے ذمے اُن اصلاحات کو نافذ کروانا تھا جن کے فیصلے ان کے آقا کو کرنے ہوتے تھے۔ قوانین، اوزان اور پیمائشیں، سکے، دستاویزات اور کیلنڈر ان سب کے لیے معیار مقرر کیے گئے، حتیٰ کہ گھوڑا گاڑی کے پہیوں کا درمیانی فاصلہ پورے چین میں ایک جیسا ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

داناؤں کو سزا دینا

ان اصلاحات کی وجہ سے دانش ور اور مفکر برہم ہو گئے اور کچھ نے شہنشاہ کی برملا مخالفت شروع کر دی۔ یہ سب ناقابلِ برداشت تھا۔ شہنشاہ نے ان میں سے 460 کو سزائے موت کا حکم دیا۔ تمام قدیم کتابیں جن میں چین کے مطلق العنان بادشاہوں کا تذکرہ تھا، نیز وہ تمام مواد جس میں کنفیوشس کی تعلیمات درج تھیں، شہنشاہ کے حکم سے جلا دی گئیں۔

ایک سربراہ کی زندگی

آقا، خواہ کسی چھوٹی سلطنت کا سربراہ ہوتا یا شہنشاہ، اُسے دیوتا مانا جاتا تھا۔ کوئی بھی اس کے فیصلوں یا کاموں کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی قوت جادوئی ہوتی۔ آقا کھیلتا نہ گاتا اور نہ ہی ہنستا تھا۔ وہ بہت بہادر ہوتا تھا اور اس کی حرکات میں نفاست ضروری تھی۔ وہ بہت کم بولتا، اس کا جواب صرف "ہاں" یا "نہ" میں ہوتا۔ اس کا کھانا موسمی غذاؤں کے مطابق ہوتا تھا۔ کسی کو بھی نگاہ اٹھا کر شہنشاہ سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔

اس شہنشاہ کے مقبرے کے نزدیک مٹی کے سینکڑوں سپاہی دفن تھے۔

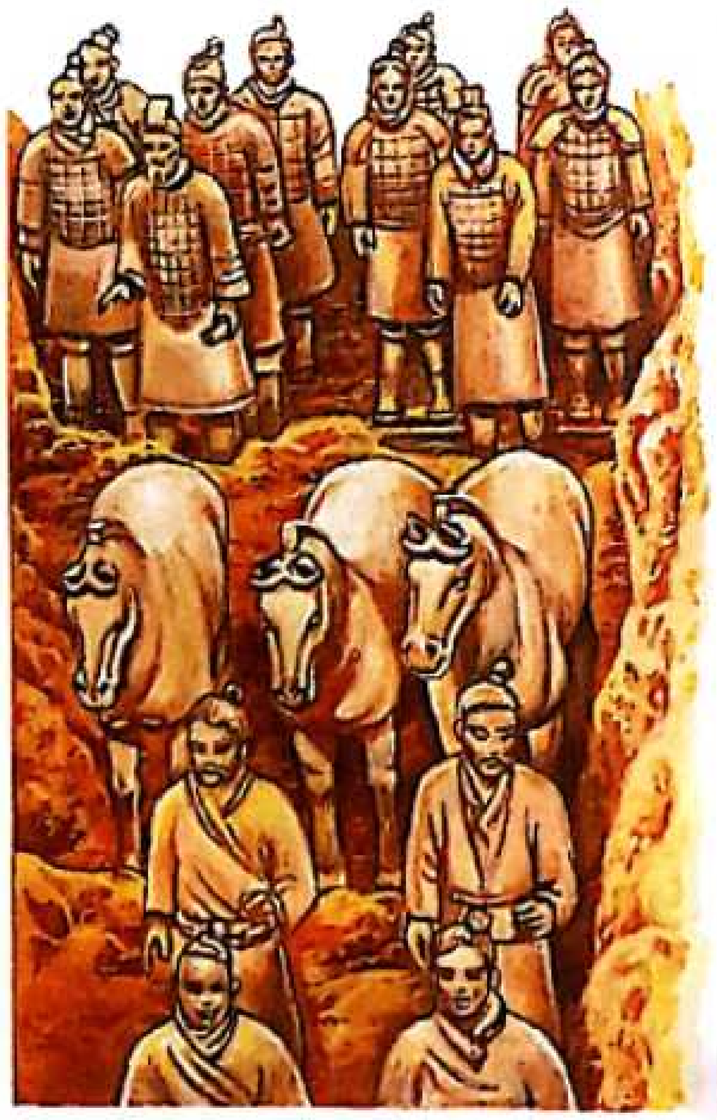

دیوارِ چین

شہنشاہ، کسانوں سے سڑکوں، محلوں اور آبپاشی کے لیے نہروں کی تعمیر جیسے سخت کام لیا کرتا تھا۔ ان کا سب سے زیادہ ناقابل یقین تعمیری شاہکار عظیم دیوارِ چین ہے۔

یہ دیوار کیوں بنائی گئی؟

یہ دیوار پرانی قلعہ بندی کی دیواروں کو آپس میں ملاتی تھی۔ ابتدا میں اس دیوار کا مقصد ملک کو وحشی قبائل کے حملوں سے بچانا تھا لیکن یہ ملک کو متحد رکھنے کا ذریعہ بھی تھی، نیز اُسے مختلف فوجی چھانیوں کو رسد پہنچانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا لیکن یہ دیوہیکل قلعہ بندی چین کو اُن حملوں سے نہ بچا سکی جن کا اُسے خطرہ تھا۔

ایک حیران کُن انسانی کارنامہ

دیوارِ چین کی تعمیر کے لئے شہنشاہ نے ہزاروں آدمی اکٹھے کیے، جنہوں نے فوجی نظم و ضبط کے ساتھ غلاموں کی طرح کام کیا۔ اُن میں سے بہت سے تعمیر کے دوران تھکن سے چور ہو کر یا بیماری سے مر گئے۔ اُن کے مُردہ جسموں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے انہیں دیوار میں چُن دیا جاتا تھا۔ کئی صدیوں تک چینی حکام نے اس ناقابلِ یقین تعمیر کو جاری رکھا۔

جن مزدوروں نے اس دیوارِ عظیم کو تعمیر کیا، وہ کسان، قیدی اور سپاہی تھے۔ اُنہیں کام کی ہدایات دی جاتیں اور فوج اُن کی سخت نگرانی کرتی تھی۔

ایک بے مثال تعمیر

اس دیوار کی تعمیر اور تکمیل حیران کُن ہے۔ یہ 3500 کلو میٹر لمبی دیوار ہے۔ اس پر 25000 فوجی پہرے داروں کی چوکیاں ہیں، جن کا درمیانی فاصلہ یکساں ہے۔ پندرہویں صدی میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ آج یہ انسانی مشقت کا ایسا واحد کارنامہ ہے جو چاند سے بھی نظر آتا ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ زمین پر یہ ایک ایسی شاندار تعمیر ہے جس کا مشاہدہ چاند سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

چینی کسان

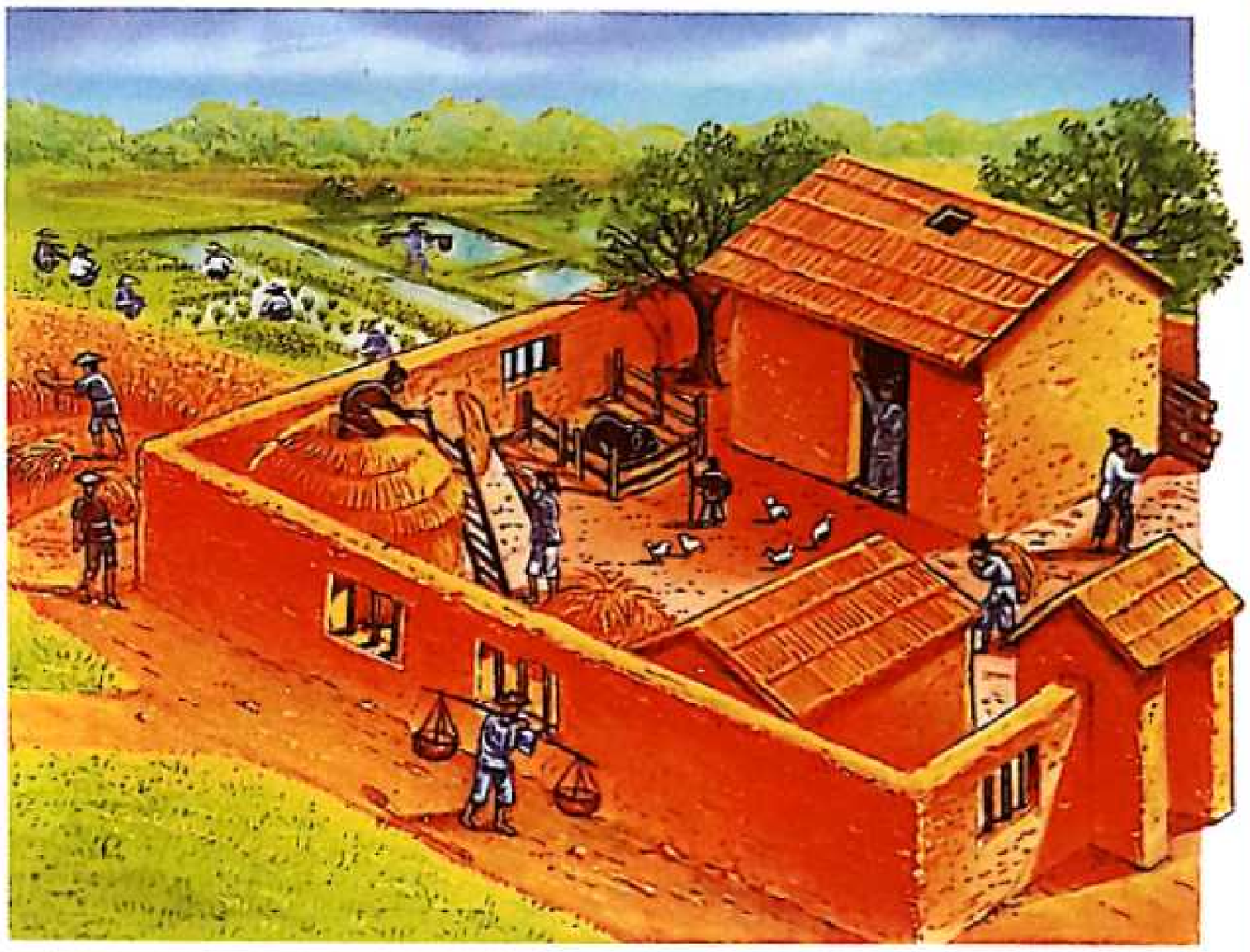

چینی جن لوگوں کو Black Heads کہتے تھے، وہ کوتاہ قد کاشتکاروں کی ایک قوم تھی۔ وہ بہت مشقت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے، دیہاتی تہوار اُن کی زندگیوں میں پائی جانے والی بیزار کُن یکسانیت کو کم کر دیتے تھے۔

روزمرہ اُمور

مرد اور عورت دونوں کے کام کرنے سے کام بٹ گیا تھا۔ مرد کھیتوں میں ہل چلاتے پھر شکار کھیلنے یا مچھلیاں پکڑنے کے لیے نکل جاتے جب کہ عورتیں ریشم کے کیڑے پالتیں اور ریشمی دھاگا کاتنے کا کام جاری رکھتیں۔ گرم موسم میں کسان ہل چلاتے اور مختلف فصلیں، مثلاً گندم، جوار، دھان وغیرہ کاشت کرتے۔ موسمِ سرما میں عورتیں پٹ سن اور ریشم کاتتیں اور کپڑا بنتی تھیں۔ سوائے سوروں، بھیڑوں اور مرغیوں کے، بہت کم جانور پالے جاتے تھے۔

تہوار

موسمِ بہار اور خزاں میں کھلی جگہوں پر مختلف تہوار منعقد ہوتے تھے جو کھیلوں، مختلف رقص اور گیتوں کے سلسلے پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ ایسا موقع ہوتا جب نوجوان لڑکیاں اور لڑکے باہم ملتے تا کہ بعد میں شادی کر سکیں۔

کسانوں میں انقلاب

اکثر ایسا ہوتا کہ حکمران ڈیم، نہریں اور سڑکیں بنانے کے لیے کسانوں کو ان کے خاندان اور زمینوں سے دُور لے جاتے تھے۔ اس طرح زمین اُمرا کے قبضے میں چلی جاتی، جہاں غلاموں کو کام کرنا پڑتا تھا۔ جب سیلاب اور قحط سالی اُن کی محرومیوں میں اضافہ کر دیتی تو وہ ان مصائب کا الزام شہنشاہ پر دھرتے۔ 184ء میں باغیوں نے زرد پگڑیاں پہننا شروع کیں کیوں کہ یہی رنگ ان کی زمین کا تھا۔ زرد پگڑی کا انقلاب ہن خاندان کے زوال کا باعث بنا۔

چینی کاشتکاروں نے بہت پہلے لوہے کے اوزار اور ہل ایجاد کر لیے تھے جن سے کھیتوں میں بہتر کاشت کاری ممکن ہو گئی۔

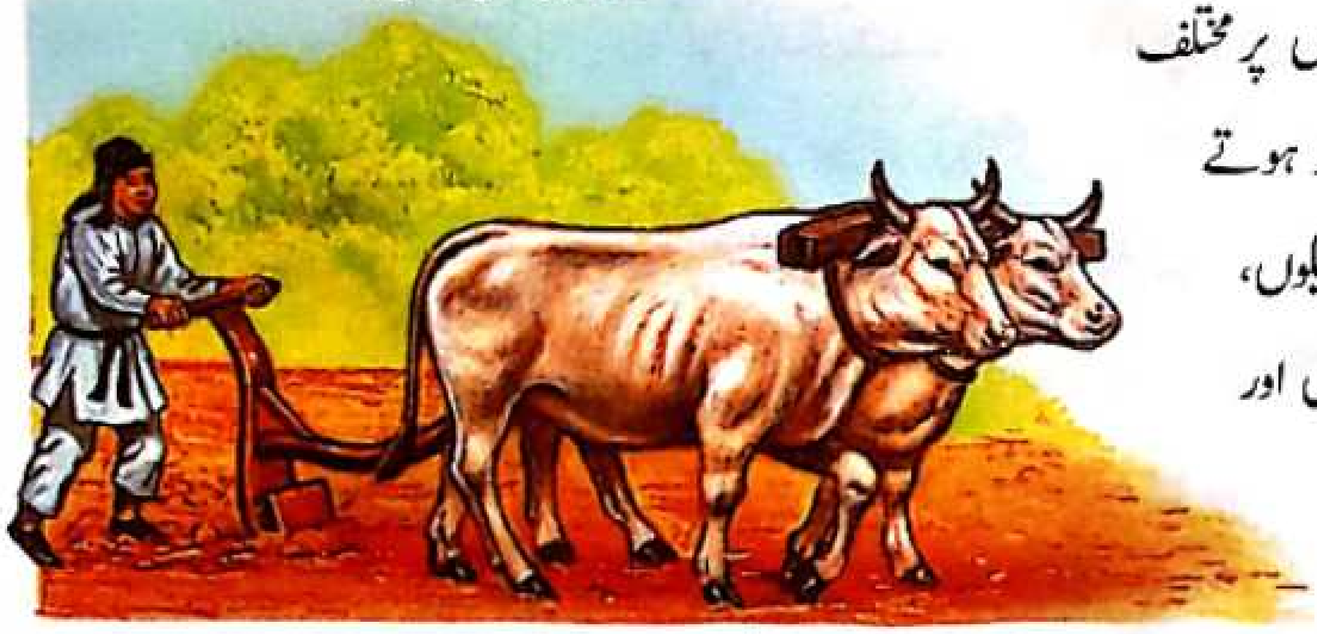

چینی گھرانے

قدیم چینی خاندان مل جل کر رہتے اور عمر رسیدہ لوگوں کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے۔ تمام بچے ایک جیسی تعلیم حاصل نہ کر پاتے تھے اور اس کا تعلق اس بات سے تھا آیا وہ لڑکا ہے یا لڑکی۔

پیدائش

چینی لوگ لڑکا پیدا ہونے کی صورت میں اس کا اعلان دروازے کے اُوپر تیر کمان لٹکا کر کرتے تھے، جب کہ لڑکی کی صورت میں ریشمی رومال یا کپڑا لٹکایا جاتا تھا۔ شروع ہی سے بچوں کا بڑی احتیاط سے مشاہدہ کیا جاتا کہ کہیں ان میں کوئی خلافِ معمول بات یا جسمانی معذوری تو نہیں۔ لڑکی کے متعلق خاص طور پر، یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں کوئی جسمانی نقص نہ ہو۔ اگر اس کی رنگت سرخ ہوتی یا جسم پر بال ہوتے تو والدین اسے مسترد کر دیتے تھے۔ لڑکے کی پیدائش پر کھلے عام جشن کا اہتمام کیا جاتا جب کہ لڑکی کی پیدائش پر کوئی جشن نہ منایا جاتا تھا۔

تعلیم

لڑکے اور لڑکیاں اپنے بچپن کا ابتدائی حصہ عورتوں کی نگرانی میں گزارتے تھے۔ لڑکے پر اعتماد اور مضبوط لہجے میں "ہاں" کہنا سیکھتے جیسا کہ مرد کہتے ہیں۔ دوسری طرف لڑکیاں اطاعت شعاری کا اظہار کرتیں۔ سات سال کی عمر میں انہیں علیحدہ کر دیا جاتا تھا۔ لڑکے اُستادوں کے پاس چلے جاتے جو انہیں شائستگی، رقص، تیراندازی اور رتھ سواری کے ابتدائی اصول بتاتے تھے۔ لڑکیاں اندرونِ خانہ ہی رہتیں، جہاں وہ کاتنا، بننا، سینا اور ریشم کے کیڑے پالنا سیکھتی تھیں۔

شادی

شادی چھوٹی عمر میں یعنی 14 سال کی عمر میں کر دی جاتی تھی اور لڑکے لڑکی کو چناؤ کا موقع نہ دیا جاتا، صرف والدین ہی شادی طے کر سکتے تھے۔ اس کے بعد عورت اپنے خاوند کے ساتھ چلی جاتی اور سسرال میں آباد ہو جاتی تھی۔

تحریر، رسم الخط اور خوش نویسی

چینی رسم الخط، جو 1500 قبل مسیح میں رائج ہوا، آج بھی زیرِاستعمال ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں چینی تصویری نقوش، چیزوں اور نظریات کی نمائندگی تو کرتے لیکن کسی آواز کو کبھی ظاہر نہ کرتے تھے۔ بچوں کو پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے ان میں سے سینکڑوں نقوش کی پہچان کرنی پڑتی تھی۔

تصویر نویسی

چینی رسم الخط کی ابتدائی علامات سادہ خاکے تھے، جنہیں pictogrammes کہا جاتا تھا۔ وہ ایسے اشاروں یا اشیا کو ظاہر کرتے تھے جنہیں پہچاننا آسان ہوتا تھا اور ان کے معنی معلوم کرنے کے لیے اُنہیں عمودی رُخ میں پڑھا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ علامتیں تبدیل ہوتی گئیں اور نسبتاً زیادہ تجریدی ہوگئیں۔

وہ کس پر لکھا کرتے تھے؟

شروع میں کچھوے کے خول پر پیش گوئیاں لکھنے کے لیے علامتیں استعمال کی جاتی تھیں۔ اس کے بعد چینیوں نے جلد ہی برتنوں، پتھروں، ہڈیوں اور ریشمی پارچہ جات پر لکھنا شروع کر دیا۔ پہلی کتابیں، بانس کی باریک پرتوں سے بنائی گئی تھیں جنہیں چمڑے یا ریشمی تسموں سے باہم جوڑ دیا جاتا تھا۔ باریک بالوں کے برش کو سیاہ روشنائی میں ڈبو کر نشانات اور نقوش بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

خوش نویسی

مخصوص مہارت رکھنے والے صرف چند لوگ ہی خوش نویسی کا فن سیکھ پاتے تھے۔ ایک قابل اُستاد ہی اپنے شاگردوں کو وہ طریق کار بتاتا جس کے تحت مختلف نشان لگائے جاتے تھے۔ (بعض علامات کے لئے درجن بھر سے زیادہ نشانات لگانے پڑتے تھے)۔ وہ انہیں اُن کی ترتیب بھی بتاتا۔ باریک برش کو اس طرح پکڑنا ہوتا کہ کہنی جسم سے کچھ فاصلے پر رہے۔ خوش نویس وہ رموز سیکھتا جو نشانات کو خوب صورت اور شان دار بنا دیتے تھے۔

ریشم کے کیڑے پالنا

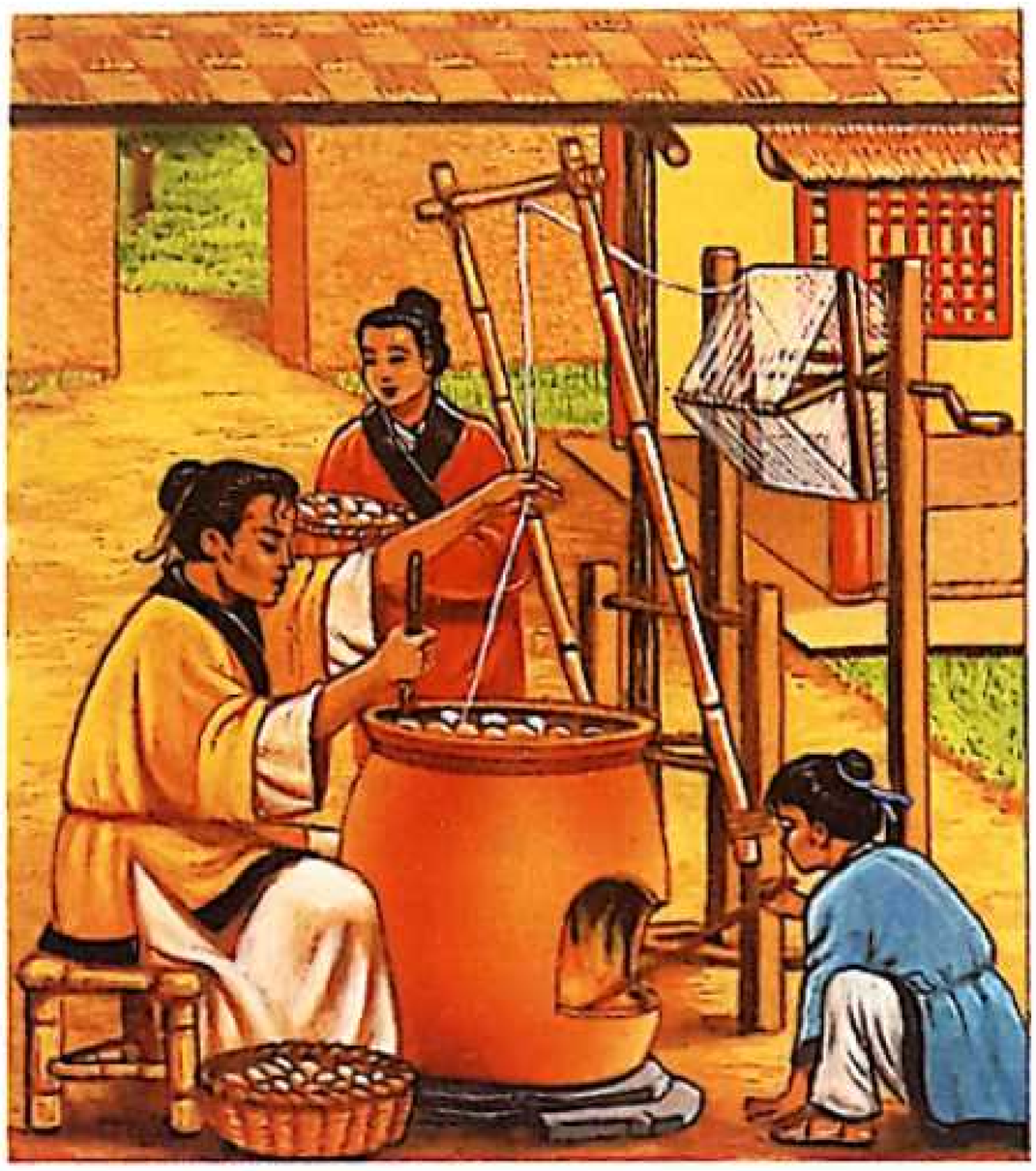

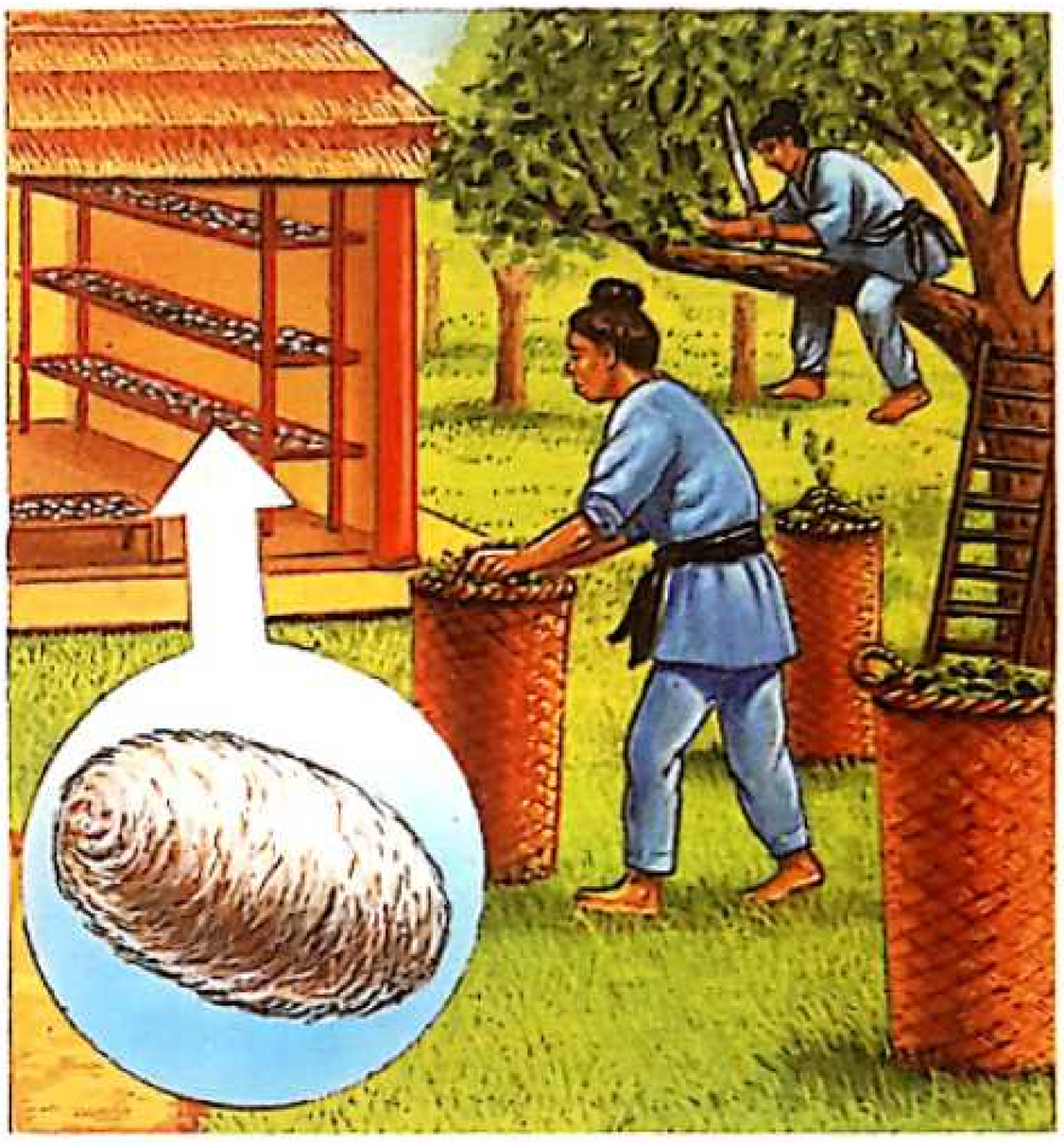

چینی کم از کم 5000 سال سے ریشم بُن رہے ہیں۔ کئی صدیوں تک انہوں نے اپنی اس صنعت کو صرف اس لیے راز میں رکھا کہ دوسری قومیں اُن کا یہ ہنر نہ سیکھ لیں۔

ایک دیومالائی قصہ

ریشم کی صنعت کی ابتدا کب ہوئی؟ یہ ایک راز ہی رہے گا لیکن چینی کہتے ہیں کہ جنت کی سنڈی نے کسی فاتح حکمران کو ایسا ریشمی کپڑا پیش کیا جو اس نے خود بُنا تھا۔ اُس حکمران کی ملکہ اس دھاگے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی جو بادل سے زیادہ ہلکا اور پانی کی طرح ملائم تھا۔ اُسے دیکھ کر ملکہ کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے توت کے پتوں سے ریشمی کیڑوں کی افزائش شروع کر دی۔

ریشم کے کیڑوں کی افزائشِ نسل

چینی عورتوں نے اس کی افزائشِ نسل کے طریقے کو غور سے دیکھا۔ وہ جان گئیں کہ بڑی سُنڈیاں، جو دراصل تتلی کے لاروے ہیں، ایک ڈوڈی بناتی ہیں جو ریشمی دھاگوں سے بنی ہوتی ہے۔

دھاگا حاصل کرنا

اس سے پہلے کہ سُنڈیاں ہیت تبدیل کر کے تتلیاں بن جاتیں اور قیمتی ڈوڈیوں کو توڑ دیتیں، عورتیں انہیں جمع کر لیا کرتی تھیں اور اُن ریشمی ریشوں کو پھرکیوں پر لپیٹ لیا کرتی تھیں۔ اس وقت اُس کا وزن کیا جاتا تو لمبائی ایک کلومیٹر لیکن وزن ایک گرام ہوتا تھا، پھر وہ بہت سے دھاگوں کو بَل دے کر ایک دھاگا بنا لیتیں اور اس کے بعد کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔ بُنائی کے بعد کپڑا رنگا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں قدرتی رنگوں کی دستیابی ایک اہم کردار ادا کرتی تھی۔

ریشم کے کیڑوں کو کھلانے کے لیے آدمی شہتوت کے پتے جمع کرتے تھے۔ ریشم کے کیڑوں کو بید کے تھالوں میں رکھا جاتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ریشم کی ڈوڈیاں بنا لیتے تھے۔ اس سے پہلے کہ سنڈیاں اپنی ہیئت تبدیل کر کے تتلیاں بن جاتیں، عورتیں اُن پر سے ریشم اُتارنے کے لیے انہیں گرم پانی میں ڈال دیتی تھیں۔

ایک پہیے پر چلنے والی ہتھ ریڑھی چینیوں کی ایجاد ہے۔

ماہرین فلکیات بہت اہم شخصیات سمجھی جاتی تھیں۔ شاہی ماہر فلکیات کو دربار میں اہم ترین عہدہ حاصل ہوتا۔

ہل، رکاب، پون چکی، ایک پہیے والی ہتھ گاڑی، مدھانی..... چینیوں نے یہ چند چیزیں یورپ سے پہلے ایجاد اور استعمال کیں۔ صدیوں تک اُن کی جدت پسندی اور سائنسی علوم دوسری قوموں پر سبقت حاصل کرتے رہے۔

ہُنرمندی سے بنائے گئے پُل

چھٹی صدی قبل مسیح میں چینی، ماہر دھات کار بن چکے تھے۔ انتہائی درجہ حرارت والی بھٹیوں کی وجہ سے وہ ڈھلے ہوئے لوہے سے فولاد اور لوہا بنا لیتے تھے۔ اس طریقے سے وہ لوہے کی ایسی تاریں بنانے کے قابل ہو گئے، جن سے وہ لٹکنے والے پلوں کو سہارا دیتے تھے۔ یہ پُل مغرب میں پہاڑی گھاٹیوں پر بنائے جاتے تھے اور سوداگروں، سپاہیوں اور سیاحوں کو سفر کی طویل مسافت سے بچاتے تھے۔

ماہرینِ فلکیات

چینی ماہرین فلکیات نے خطِ استوا کے لحاظ سے ستاروں کے مقام کی پیمائش کی۔ ان کے ماہرین کے اعداد و شمار، سرکاری جنتری بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔ چینیوں کو یقین تھا کہ وہ دُنیا کے مقدر کو آسمان پر پڑھ سکتے ہیں، چنانچہ کسی تقریب کی تاریخ یا عوامی کام کرنے کا فیصلہ کرنے کے لیے وہ ستاروں اور اُن کے مقام اور حرکات کا غور سے مشاہدہ کرتے کہ اس سلسلے میں ستارے ان کی کیا رہنمائی کرتے ہیں۔

کاغذ کی ایجاد

روایات کے مطابق، کاغذ ایک چینی باشندے نے 105ء میں ایجاد کیا تھا۔ اس سے بھی پہلے ابتدائی کوششیں ہو چکی تھیں۔ کاغذ کی پہلی پرت پٹ سن سے بنائی گئی تھی، بعد میں شہتوت کے درختوں کی چھال، بانس، سن کگڑا اور دھان کے تنکوں کو کاغذ بنانے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

کاغذ بنانے کا گودہ چھان لیا جاتا، پھر اُسے کاغذ کے پرت بنانے کے لیے خشک ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

قدرتی طریقۂ علاج

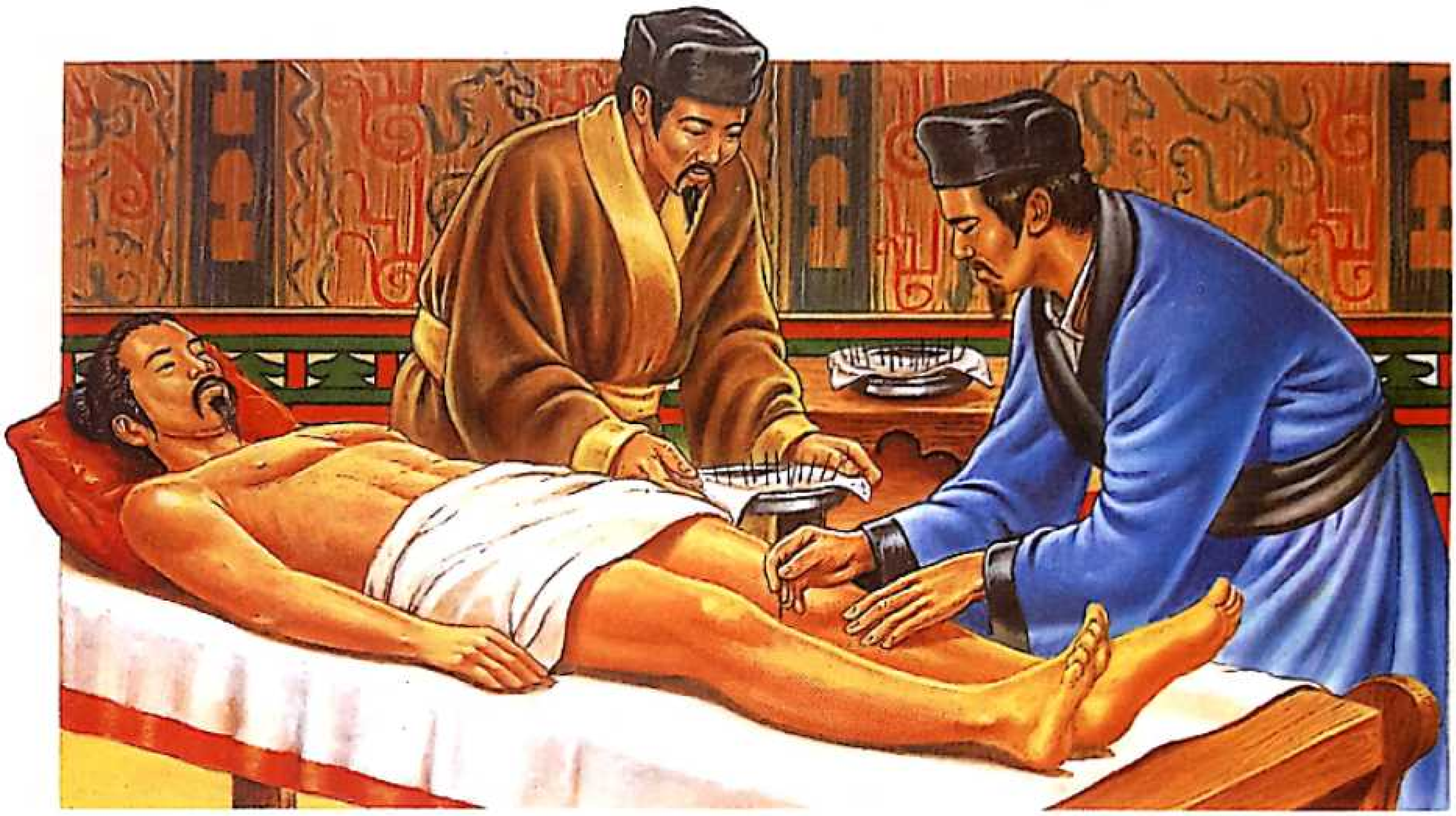

چینیوں کے نزدیک انسانی جسم قدرت کا انتہائی چھوٹا شاہکار ہے۔ جب تک انسانی جسم قدرت کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق کام کرتا رہتا ہے، صحت مند رہتا ہے، ورنہ بیمار اور کمزور پڑ جاتا ہے۔

کائنات میں انسانی جسم کی حیثیت

چینی نظریے کے مطابق جسم کا ہر حصہ کائنات کے کسی عنصر سے مطابقت رکھتا ہے۔ سر آسمان ہے، پاؤں زمین کی نمائندگی کرتے ہیں، سینہ اور جسم کا بایاں حصہ یانگ (Yang) ہے، پشت اور بایاں حصہ ین (Yin) ہے، بازو اور ٹانگیں چار موسم ہیں، آنکھیں سورج اور چاند ہیں، سانس ہوا ہے اور خون بارش ہے۔

مرض کیا ہے؟

جب آدمی متوازن خوراک نہ لے یا اس کی نیند پوری نہ ہو تو وہ جسم کے قدرتی نظام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں رہتا۔ جہاں تک چینی نظریے کا تعلق ہے، بیماری، انسانی جسم اور قدرتی نظام میں عدم توازن کا نام ہے چنانچہ دونوں کے درمیان ہم آہنگی کو دوبارہ بحال کرنا ضروری ہوتا ہے۔

جڑی بُوٹیاں اور سُوئیاں

طبیب یا حکیم جڑی بُوٹیوں، پھلوں، غلوں، اجناس یا جانوروں کے عصارہ (کشید کردہ عرق یا کوئی اور مادہ) سے اپنے مریضوں کا علاج کرتے تھے۔ وہ آکوپنکچر کا استعمال بھی کرتے تھے جو جسم کے اُس حصے کو سُوئیوں سے چھیدنے کا عمل ہوتا، جہاں قوت موجزن ہوتی تھی۔ سُوئی کا سرا جو طبیب یا حکیم نے پکڑا ہوتا، اس کا مقصد جسمانی فطری قوتوں کو گرفت میں لینا ہوتا تھا جب کہ سُوئی کی نوک اُس قوت کو مریض میں منتقل کر دیتی تھی۔

آکوپنکچر کے ماہر کو سوئیاں جسم ان حصوں پر لگانی ہوتی تھیں جہاں سے جسمانی توانائی پیدا ہوتی اور پھر دیگر اعضا میں منتقل ہوتی تھی۔

وحشیانہ جنگیں

شروع شروع میں شریف، معزز اور خوش اخلاق شاہی اراکین جنگ کے خلاف تھے، لیکن ہتھیار بند بادشاہتوں کے دور میں جنگیں پُرتشدد اور خوف ناک مقابلوں میں بدل گئیں جس میں فتح کے بعد قتل عام ایک رواج بن گیا۔ مسلسل جنگوں کے اس دور میں مختلف جنگی مہارتوں میں بے حد ترقی ہوئی۔

جنگ کا قدیم طریقہ

چینی تاریخ کی ابتدا میں جنگ، اُمرا کے درمیان عزت وناموس کی خاطر لڑی جاتی تھی۔ رتھوں پر سوار ہو کر کی گئی جنگ سرداروں میں معاملات کا فیصلہ کرتی تھی۔ دو پہیوں کی بگھی کو چار گھوڑے کھینچتے تھے، چلانے والا درمیان میں کھڑا ہو جاتا، اُس کے دائیں ہاتھ میں نیزہ اور بائیں میں تیر کمان ہوتا، لڑائی شدید بھی ہو سکتی تھی اور مقابلہ خونیں بھی۔ تاہم، مدمقابل زمین پر گرے ہوئے دشمن پر کبھی حملہ نہ کرتا تھا۔

نئی جنگی اور وحشیانہ چالیں

تیسری صدی قبل مسیح سے جنگی قاعدوں اور اصولوں میں تبدیلی آ گئی، لیکن ہن قوم کے مقابلے میں چینیوں کو سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہن، جو شمالی چین کی سرحد باقاعدگی سے عبور کرتے تھے، بڑے خوفناک جنگجو تھے۔ طاقت ور اور تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر وہ زبردست مہارت کے ساتھ تیر چلاتے۔ اُن سے مقابلے کے لیے چینیوں نے بگھیوں کو خیر باد کہہ کر گھڑ سوار فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ انہوں نے نیزوں کو تلواروں اور تیر کمانوں سے بدل لیا۔

ہتھیار بند بادشاہتوں کے دَور میں وہ تشدد جو کبھی سنا تک نہ تھا، ہونے لگا۔ مالِ غنیمت کے علاوہ، جس میں قیدی، گھوڑے اور مویشی ہوتے، ان جنگوں میں جسم سے جدا، کٹے ہوئے ہزاروں سر اِدھر اُدھر بکھرے ہوتے تھے جو جنگ کی تباہ کاری اور وحشت کی عکاسی کرتے تھے۔

شاہراہِ ریشم

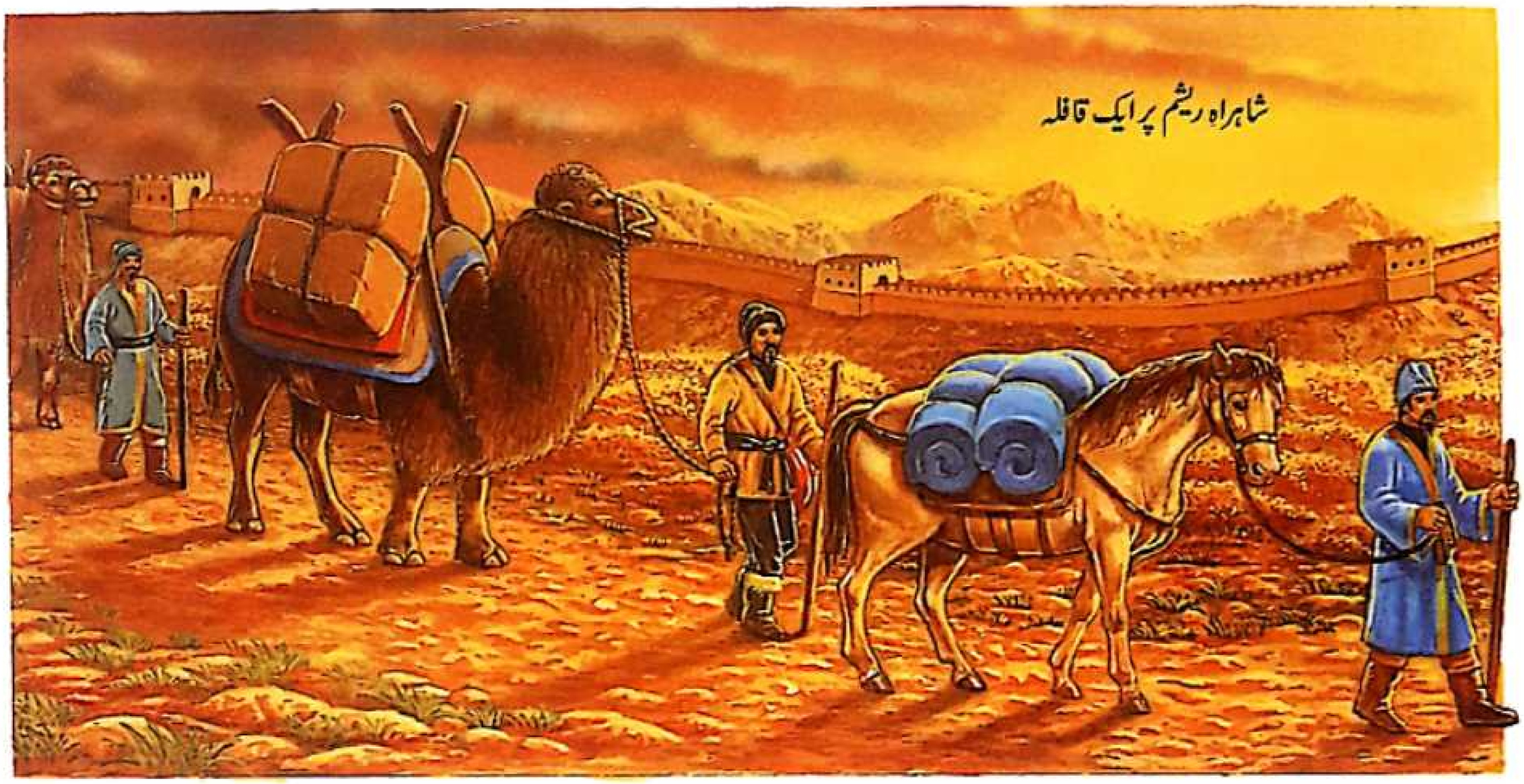
شاہراہ ریشم پر ایک قافلہ

138 قبل مسیح میں ہن خاندان کے شہنشاہ وودی (Wudi) کا ایک سفیر قافلے کے ہمراہ مغرب کے لوگوں سے ملنے کے لیے روانہ ہوا۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ شمال مغرب کے خانہ بدوشوں کے ساتھ الحاق کر لے گا۔ اس طرح شاہراہ ریشم کا راستہ دریافت ہوا، جس کے ذریعے صدیوں تک مشرق اور مغرب میں تعلقات بحال رہے۔

پہلا کارواں

دوسری صدی قبل مسیح کے آخر میں تقریباً ایک سو چینی، دارالحکومت Chang'an سے مغرب کے لیے روانہ ہوئے۔ اس کے بعد، نئے اُفق دریافت کرنے کے لیے کاریگر اور ماہرین فنونِ لطیفہ بھی ان تجارتی قافلوں میں شامل ہوتے گئے۔ دیوارِ چین کے ساتھ ساتھ سفر کرنے والے اُن قافلوں کو چنداں خطرہ نہ تھا لیکن اس سے آگے، خانہ بدوشوں کے حملے اور صحرا کے مصائب، موت کا سبب بن سکتے تھے۔

تجارت اور کاروباری مرکز

کاشی کا نخلستان (Kashi oasis) سوداگروں کا کاروباری مرکز اور تجارتی مقام تھا۔ وہ سوداگر جو بحیرۂ روم، فارس یا ہندوستان سے آتے تھے، شیشہ، عطریات اور قیمتی پتھروں کا چینی سوداگروں کے لائے ہوئے ریشم کے ساتھ تبادلہ کرتے تھے۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے مسافر لباس، زبان، مذہب اور رسم و رواج لحاظ سیا یک دوسرے سے مختلف ہوتے تھے۔ چینی تجارتی مال کے علاوہ یادگار تحفوں سے لدے پھندے گھر لوٹتے تھے۔

رومی اور ریشم

پہلی صدی عیسوی سے رومی، چین سے ریشم درآمد کرنے لگے۔ وہ اس خوب صورت، ہلکے، گرم اور مضبوط پارچے سے مسحور تھے اور اُسے سونے کے بھاؤ خریدتے تھے۔

آخری بادشاہتیں

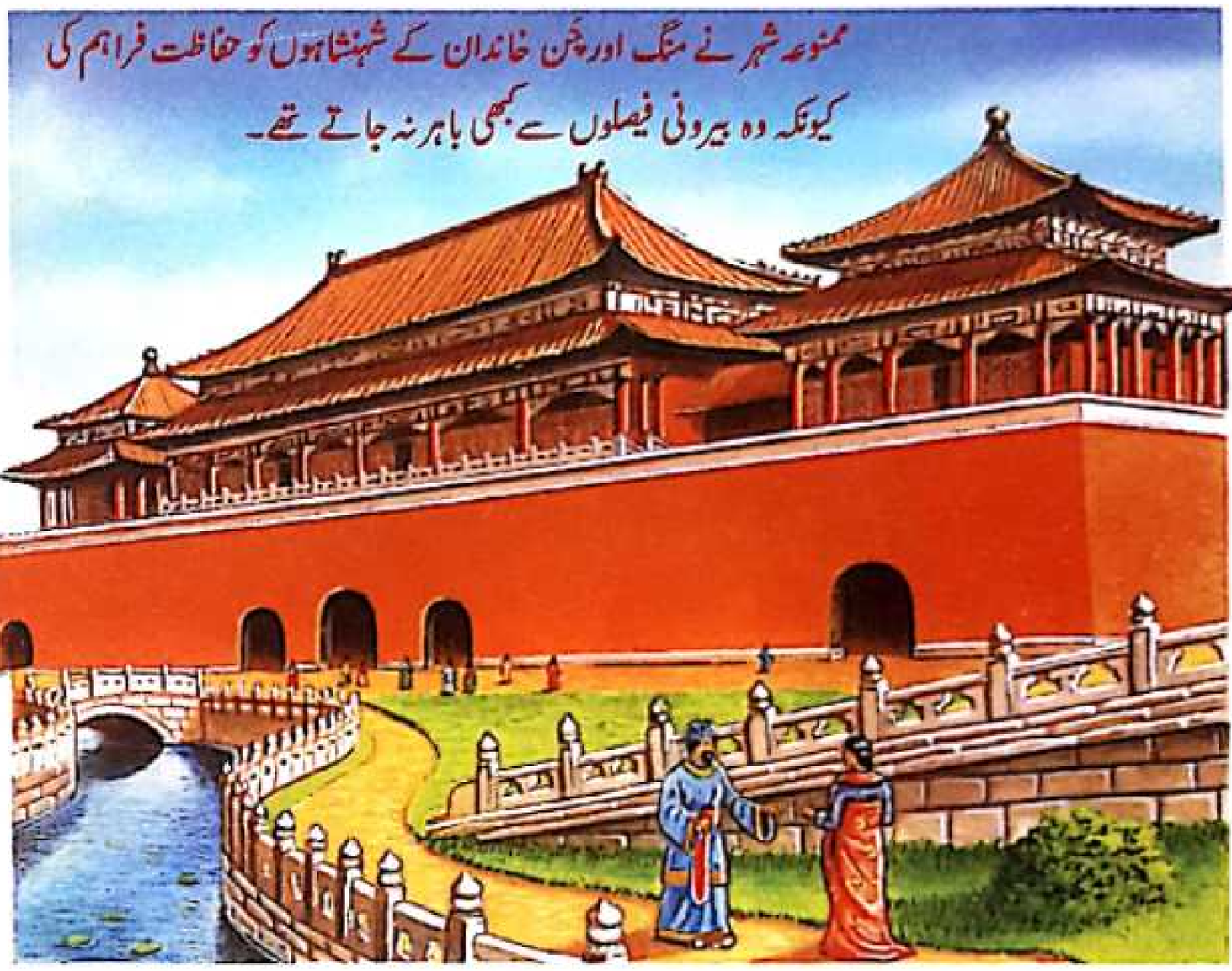

ہن (Han) خاندان کے خاتمے کے بعد قوم کے تقسیم ہونے کا سلسلہ، اتحادی دَور میں بدل گیا۔ وہ چینی مملکت بیسویں صدی تک قائم رہی، اس لیے وقت کے ساتھ ساتھ چینی تہذیب ترقی کرتی رہی۔

تانگ (618ء۔907ء) اور سانگ (940ء۔1279ء)

تانگ (Tang) اور سانگ (Song) خاندانوں کے دَور حکومت میں تکنیکی علوم کی ترقی جاری رہی۔ یہ اعزاز اہلِ چین کو حاصل ہے کہ آج ہم جس طباعت اور بارود سے مستفید ہو رہے ہیں، وہ انہوں نے دسویں صدی میں ایجاد کر لیے تھے۔

منگول (1280ء۔1368ء)

یہ شمالی چین کے خانہ بدوش تھے۔ 1227ء میں انہوں نے دیوارِ عظیم پار کر کے پیکنگ پر قبضہ کر لیا۔ 1280ء میں منگول قبلائی خاں (Kublai Khan) نے یان (yuan) خاندان کی بنیاد رکھی۔ بیرونی دُنیا کے لیے چین آنے کا راستہ صاف ہو گیا، اُسی دوران وینس کے باشندے مارکو پولو (Marcopolo) نے قبلائی خاں (Kublai Khan) سے ملاقات کی۔ قبلائی خان نے تین سال کے لیے چین کے صوبے کا نظم ونسق اُس کے سپرد کر دیا۔

مِنگ (1368 - 1644)

مِنگ (Ming) شہنشاہوں نے آمرانہ طریقے سے حکومت کی۔ اُن میں سے ایک شہنشاہ یونگلی (Yongle) نے پیکنگ کے قلب میں ایک ممنوعہ شہر (Forbidden city) (جہاں صرف شاہی محلات اور باغات تعمیر کیے گئے تھے، وہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہ تھی) تعمیر کروایا۔ یہ وسیع و عریض شہر شہنشاہوں اور اُن کے خاندانوں کے لیے پناہ گاہ بن گیا۔

چن (1644 - 1912)

چن (Qin) آخری حکمران خاندان تھا۔ خانہ جنگیوں اور بغاوتوں نے ان کی حکومت کو آخری چند دہائیوں کے دوران ہلا کر رکھ دیا۔ چین 1912ء میں جمہوریہ بن گیا اور ایک نئے اور جدید دور میں داخل ہو گیا۔

آخری شہنشاہ صرف تین سال کا تھا جب اسے چین کا حکمران بنا دیا گیا۔

جاپان

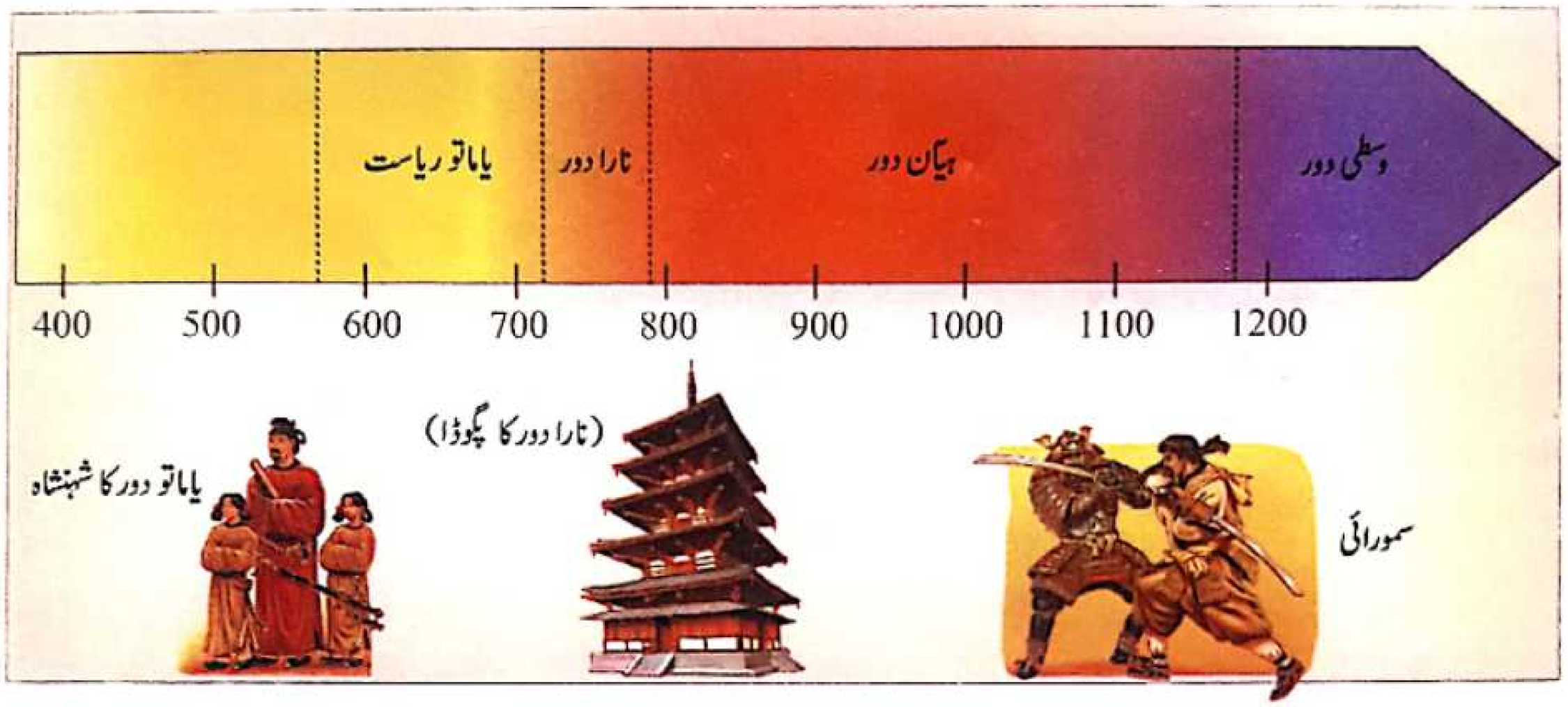

یہ چھٹی صدی عیسوی کی بات ہے جب جاپان تاریخ کا حصہ بنا۔ یہ ایک متحدہ ملک تھا اور اس نے بہت سے شعبوں میں چین کی پیروی کی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جاپانیوں نے اپنی انفرادیت قائم کر لی اور یوں خالص جاپانی تہذیب کا آغاز ہوا۔

یاماتو دَور (چھٹی سے ساتویں صدی عیسوی تک)

جاپان ایک طویل عرصے تک ایسے مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم رہا جو ممتاز اور اعلیٰ خاندان سمجھے جاتے تھے اور ہر ایک کا اپنا سردار ہوتا تھا۔ یاماتو (Yamato) قبیلے کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب وہ دوسرے قبائل کے زیرتسلط آ گیا اور پہلی شاہی سلطنت قائم ہوئی۔ اس کے بعد جاپانیوں نے چینی رسم الخط اپنایا، بُدھ مت کے افکار کی حوصلہ افزائی کی اور پہلے ضابطہ قانون کا خاکہ تیار کیا۔

نارا دَور (710-784)

710ء میں نارا (Nara) شہر مستقل طور پر دارُالحکومت بن گیا یعنی شاہی طاقت کا مرکز۔ اس دور میں اکثر عورتوں کو بھی حکمران بننے کا موقع ملتا رہا۔ نارا دَور کو جاپانی تہذیب کا سنہری دَور سمجھا جاتا ہے۔شاہی خاندان کا یہ شہر، اُس شاندار دَور کی عمارتوں، مندروں اور محلوں کی شان وشوکت کی گواہی دیتا ہے۔

ہیآن دَور (784-1158)

794ء میں ہیآن (Heian) دَور کا شہنشاہ کمّوں (Cammu)، نئے دارُالحکومت ہیآن کو (Heian-kyo) میں منتقل ہو گیا۔ فیوجی وارا (Fujiwara) جیسے طاقت ور خاندان نے، شہنشاہوں کے مقابلے میں اپنے اثر و رُسوخ میں اضافہ کر لیا اور بڑی جلدی اقتدار پر قابض ہو گیا۔ دربار میں دولت مند اشرافیہ آپس میں لڑتی رہتی تھی۔ اُن کے اختلافات ختم کرنے کے لیے خاندان فیوجی وارا نے جنگجو سرداروں سے اپیل کی۔ 1185ء میں ان سرداروں میں سے ایک سردار مینا موتو (Minamoto) نے جاپان میں فوجی حکومت قائم کر لی۔ 1192ء میں مینا موتو کو شوگن (Shogun) کا خطاب دیا گیا۔ اس کے بعد اس دَور کا آغاز ہوا جسے قرونِ وسطیٰ کا دَور کہا جاتا ہے۔

موسم، زلزلے اور طوفان

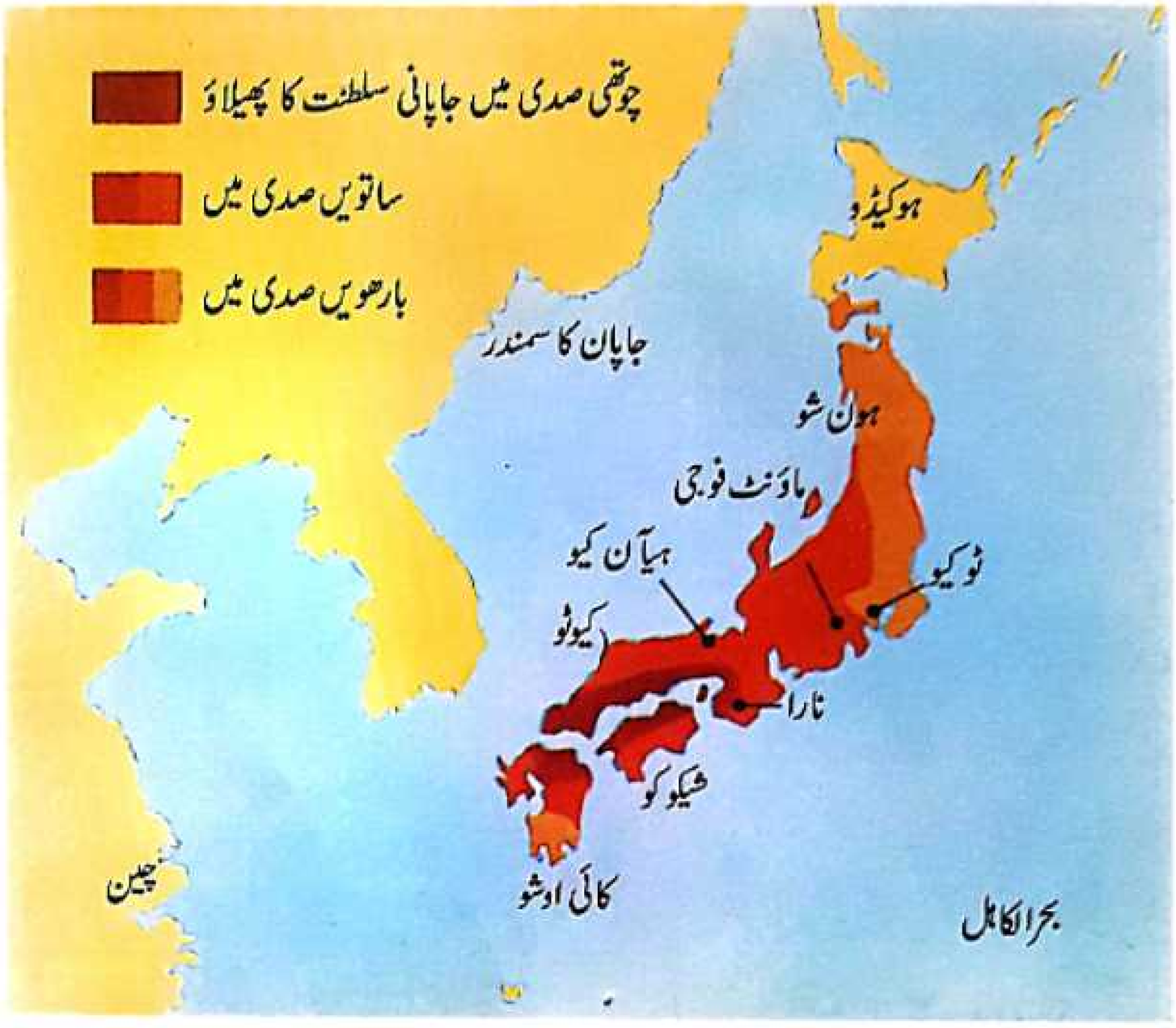

ایشیا کے مشرقی کنارے پر بحرالکاہل کے عین سامنے، جاپان کا ایک چھوٹا سا مجمع الجزائر موجود ہے۔ یہ جزائر ہون شو (Honshu)، ہوکیڈو (Hokkaido)، شیکوکو (Shikoku) اور کائی اوشو (Kyushu) جیسے زیرِ آب پہاڑوں کی اُبھری ہوئی چوٹیاں ہیں۔

سردی اور گرمی

اس مملکت کے تین چوتھائی حصے کو پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ ماؤنٹ فُوجی یاما (Fuji yama)، جس کی بلندی 3776 میٹر ہے، اس مجمع الجزائر کا سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ بہت سے جاپانی، جنوب میں بنے چھوٹے چھوٹے ساحلی میدانوں میں رہتے ہیں۔ یہاں موسم سرما خوش گوار اور موسم گرما گرم اور برساتی ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سال کے کچھ حصوں میں ملک کا شمالی علاقہ برفباری اور ٹھنڈی یخ ہواؤں کی زد میں رہتا ہے۔

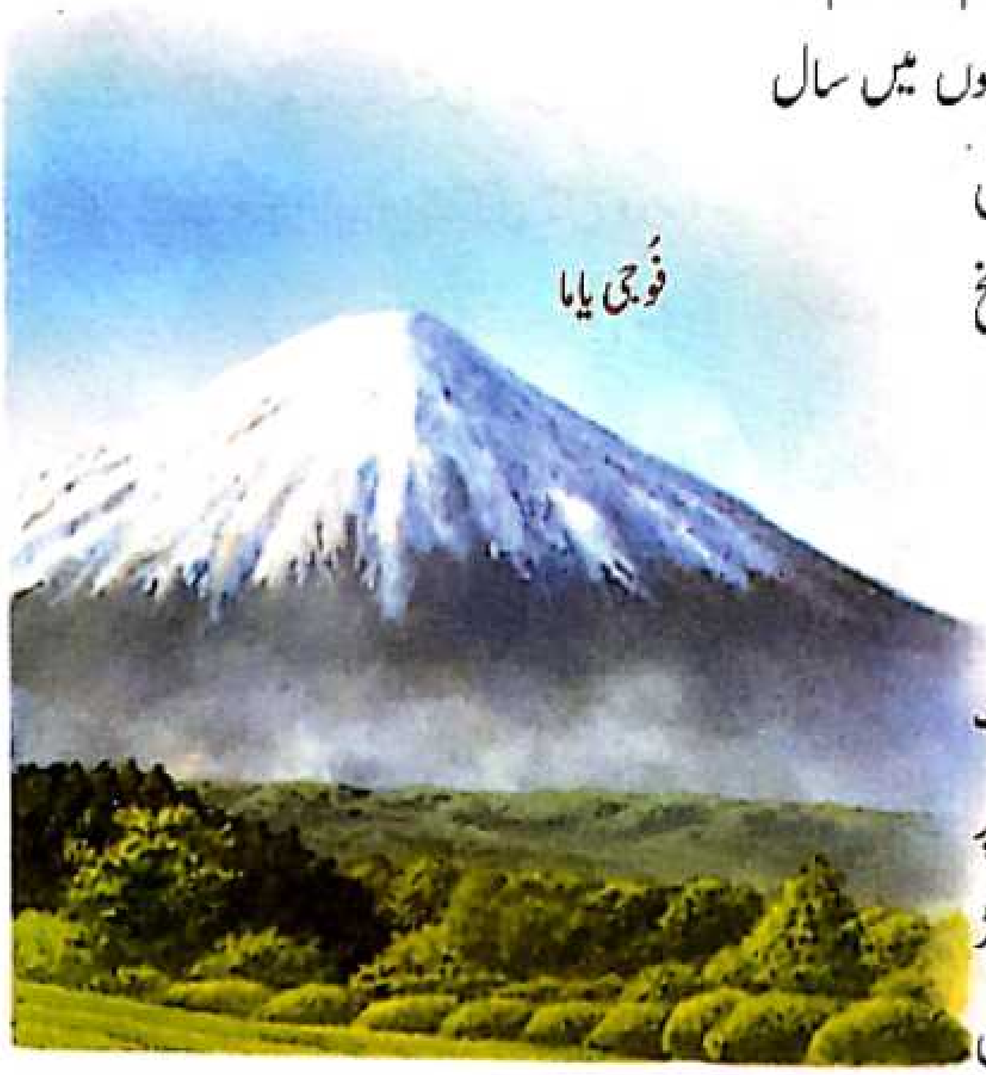
فُوجی یاما

زلزلے اور طوفان

جاپانی ناقابلِ اعتبار اور خطرناک قدرتی عوامل کے رحم وکرم پر ہوتے ہیں۔ آتش فشاں پہاڑ کسی وقت بھی اُن پر لاوا اُگل سکتے ہیں۔ اُن کا بمشکل ایک دن زلزلے کے بغیر گزرتا ہے جس کی شدت کبھی کم ہوتی ہے کبھی زیادہ۔ بعض اوقات، سمندر کی طوفانی لہریں یا کوئی سونامی جاپانی ساحلوں کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ قدرتی حادثے طوفانی ہواؤں، اچانک سیلابوں اور زمینی پرتوں کے سرکنے کے علاوہ ہیں۔

پُرسکون ساحل

مصور اور شاعر پرسکون سمندر کی اُس خوبصورتی پر جان دیتے ہیں جو جزائر ہون شو، کائی اوشو، شیکوکو کے چاروں طرف پھیلی ہوتی ہے۔ جنگلات کے درختوں کے سایہ دار پس منظر میں پہاڑی جھیلوں کا پانی، جس پر دُھند چھائی ہوتی ہے، عجب نظارہ پیش کرتا ہے۔

جاپانی مذاہب

قدیم جاپان میں دو مذہب تھے، ایک شنٹو"Shinto" یعنی دیوتاؤں کے طور طریقے، اس مذہب میں تین بنیادی عقائد تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں دوسرا مذہب بُدھ مت (Buddhism) یعنی بُدھ کے طور طریقے منظرِ عام پر آیا تھا۔

جاپانیوں کے دیوتا کون تھے؟

جاپانی برتر ہستیوں کی کثرت پر اعتقاد رکھتے تھے، جنہیں وہ کامی (Kami) کہتے تھے۔ کامی روحیں درختوں، دریاؤں، جھیلوں اور پہاڑوں کا وجود اختیار کر سکتی تھیں۔ ہر خاندان اپنے آباؤ اجداد کی، دیوتاؤں کی طرح عزت کرتا تھا۔ اسی طرح شاہی خاندان یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ سورج کی دیوی ایماتراسو (Amaterasu) کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔

ان دیوتاؤں کی عزت افزائی کس طرح کی جاتی تھی؟

جاپانی، شنٹو (Shinto) کے معبد میں جاتے تھے۔ ہر معبد میں کوئی نہ کوئی مادی وجود ہوتا مثلاً تلوار یا آئینہ جسے کسی دیوتا کا مظہر یا علامت سمجھا جاتا تھا۔ کسی بھی دیوتا کے سامنے حاضر ہونے سے پہلے روحانی اور جسمانی طہارت ضروری تھی۔ چنانچہ انہیں ماننے والے ہاتھ دھوتے اور کُلی کرتے، پھر وہ شیطانی روح کو دُور کرنے کے لیے گھنٹی بجاتے، اس کے بعد جُھک کر تعظیم دیتے اور واپس آنے سے پہلے نذرانے پیش کرتے تھے۔

جاپانیوں کا بُدھ مت

538ء میں کوریا کے راہبوں نے جاپان میں ایک نیا مذہب بُدھ مت متعارف کروایا۔ چھٹی صدی کے آخر تک وہاں کے شرفا اور اُمرا نے بُدھ مت قبول کر لیا۔ شہنشاہوں نے اپنے دارُالحکومت میں عالی شان پگوڈا (Pagodas) تعمیر کروائے۔ وہاں مقدّس مقامات اور احاطے بنائے گئے، جہاں بُدھا کے مجسمے رکھے گئے تھے۔

جاپانی بچے

تمام دنیا کی طرح جاپانیوں کا بھی عقیدہ تھا کہ اولاد اپنے خاندان یا قبیلے کی وارث ہوتی ہے جس سے وہ نسل آگے چلتی ہے۔ اُن کے رسم و رواج اسی سوچ کے عکاس تھے۔ جب کسی قبیلے کو اکٹھے رہتے ہوئے چار نسلیں گزر جاتیں تو گاؤں کے لوگوں کو اجازت ہوتی کہ وہ دریا کا پُل عبور کر کے دوسری طرف جا سکتے ہیں۔

پیدائش

بچے کی پیدائش سے کچھ دِن پہلے، ماں کا خاندان ایک تقریب منعقد کرتا تھا۔ جب نومولود سات دن کا ہو جاتا تو اس کا نام رکھا جاتا۔ ایک ماہ کی عمر میں بچے کو مندر لے جا کر محافظ دیوتا کے حضور پیش کیا جاتا تھا۔ جب بادشاہ کے ہاں اولاد ہوتی تو تب بھی ایسی ہی رسمیں انجام دی جاتیں۔ اپنے بچے کو دیکھنے کا موقع شہنشاہ کو اس وقت ہی ملتا جب وہ کسی مہم سے واپس آتا تھا۔

لڑکوں کی اہمیت

لڑکی کے برعکس لڑکے کی پیدائش بہت زیادہ خوشیاں لاتی۔ سب سے بڑا لڑکا خاندان کا وارث بنتا تھا۔ خاندان کے آباؤاجداد کے اعزاز میں رسومات کا اہتمام کرنا اُسی کی ذمہ داری تھی۔ اگر کسی کے ہاں صرف لڑکیاں ہی ہوتیں تو وہ کسی نو عمر لڑکے کو متبنیٰ بنا لیتے، جو سب سے بڑے بیٹے کی جگہ لے لیتا تھا۔

بچے کی پیدائش کے بعد اُسے شنٹو مندر لے جایا جاتا جہاں اسے محافظ دیوی کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔

وہ کن سکولوں میں جاتے تھے؟

جب بچے پانچ یا چھے برس کے ہو جاتے تو انہیں پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا۔ بُدھ مت کے مندروں میں بنے ہوئے سکول، امیر اور غریب خاندانوں کے بچوں کو بلاامتیاز داخل کر لیتے تھے۔ یہ سرکاری سکول مستقبل کے ان افسروں کی تربیت کرتے تھے۔

ایک شہنشاہ اور اس کے بیٹے

ہیآن دَور کا دربار

ہیآن کیو(Heian Kyo) دو دریاؤں کے درمیان گھرا ہوا ، ایک پہاڑی کے دامن میں واقع شہر تھا۔ اس کی گلیاں سیدھی اور متوازی تھیں اور اس کا مرکزی راستہ جسے"Red Bird" کہتے تھے، محل کی طرف جاتا تھا جہاں شہنشاہ اور اس کے مصاحبین کی رہائش گاہیں تھیں۔

محل کی دیواروں کے عقب میں

محل میں پیدل چل کر آتے، وہ اپنی گاڑیاں محل کی چار دیواری کے باہر چھوڑ آتے تھے۔ عوامی تقریبات ایک بہت بڑے خیمے، Polar Star میں منعقد ہوتی تھیں، جسے ششن ڈن (Shishinden) کہتے تھے۔ جب شہنشاہ نے کہیں جانا ہوتا تو محل کے تمام افسران راستے کی اطراف میں قطار در قطار کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے تھے۔ اُن خیمہ گاہوں میں اُسی صفائی اور تازگی کا اہتمام کیا جاتا جو شہنشاہ اور اُس کی بیگمات کی رہائش گاہوں میں ہوتی تھی۔ اُن رہائش گاہوں کو سیری اوڈن (Seiryoden) کہا جاتا تھا۔

شرفا کی رہائش گاہیں

اُن کی رہائش گاہیں محل کے باہر چھوٹے چھوٹے بنگلوں پر مشتمل ہوتیں اور وہ بنگلے برآمدوں کے ذریعے آپس میں ملے ہوتے تھے۔ فرنیچر اور دوسرے لوازمات بہت کم ہوتے لیکن چٹائیاں، گدے، چھوٹے میز، اور لاکھ لگی ہوئی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے صندوق ہوتے تھے۔ وہاں تیل کے چراغ بھی رکھے ہوتے تھے۔ شرفا زمین پر آلتی پالتی مار کر یا گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا بیشتر وقت لکھنے، سنطور بجانے، شطرنج کھیلنے اور بحث ومباحثہ میں گزارتے تھے۔

درباریوں کی سرگرمیاں

شرفا مختلف مقابلوں میں حصہ لیتے تھے جیسے شاعری، چھوٹے مناظر کی تصویر کشی، گل داؤدی کی گلدستہ سازی، عطر سازی اور مصوری وغیرہ۔ ان مقابلوں کے علاوہ مختلف مذہبی پروگرام، سنگت رقص کے مظاہرے اور گیت شاہی دربار کی رونق دوبالا کر دیتے تھے۔ عورتوں کو وہاں ہمیشہ محتاط رہنا پڑتا تھا۔

جاپانی عورت شاہی دربار میں

جاپان اور چین

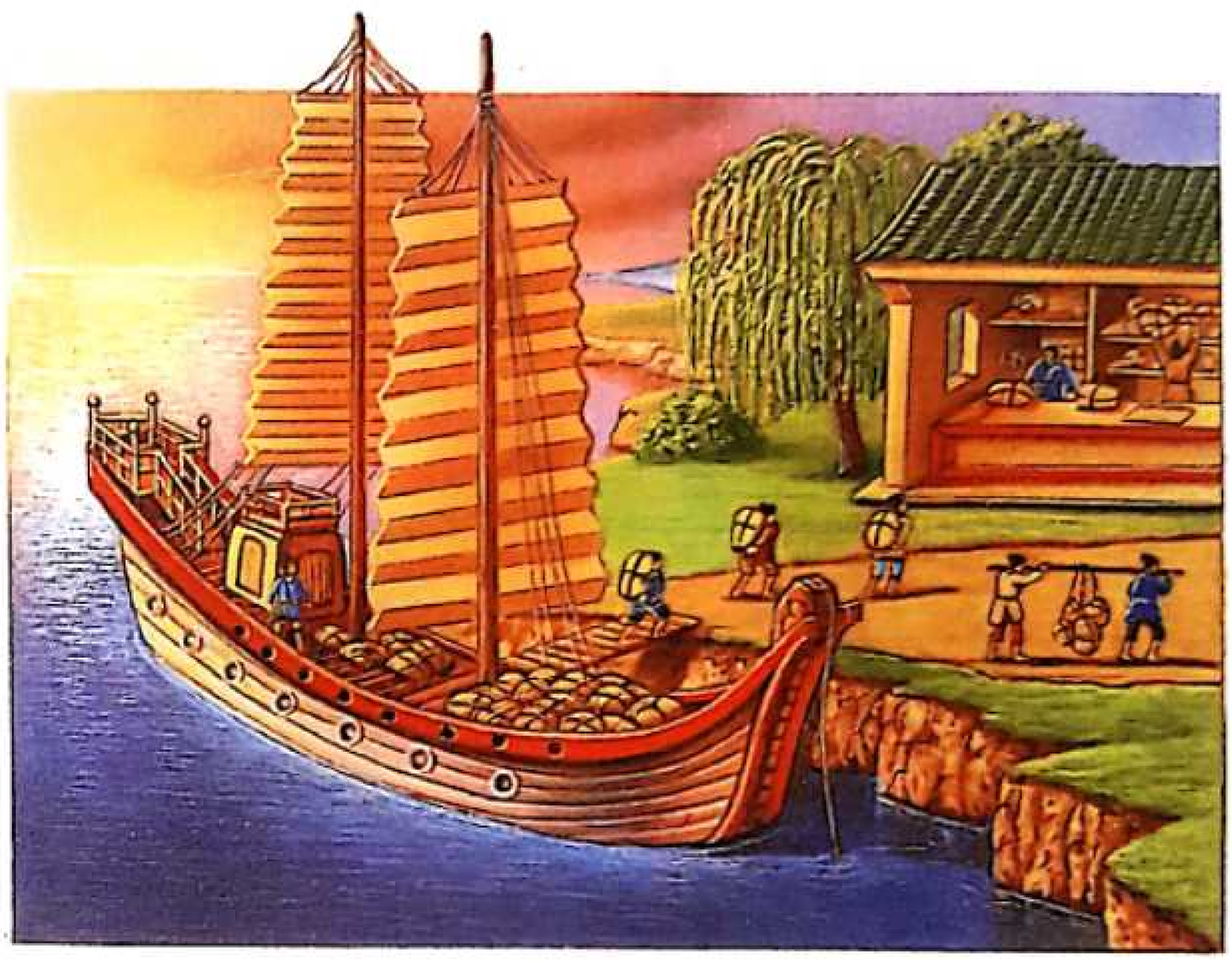

جاپان اور اس سے ملحقہ ایشیائی ممالک قدیم روابط کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ جاپانی قوم نے اہلِ چین سے بہت کچھ سیکھا۔ پھر بتدریج وہ اصل چینی تہذیب سے دُور ہوتے گئے اور انہوں نے اپنے قواعد اور تہذیبی رسم و رواج بنا لیے۔

جاپان اور چین میں تجارتی تعلقات

جاپانیوں نے بارہا چین میں سرکاری سفیر بھیجے۔ سینکڑوں آدمی بحری جہازوں پر سوار ہوئے اور پھر عطریات، ریشم کی گانٹھوں اور کتابوں سے لدے پھندے واپس آئے، ساتھ ساتھ وہ کنفیوشس کے خیالات اور علم الادویہ بھی لائے۔

کوریا سے تعلقات

تیسری صدی میں کوریا کے تیر انداز گھڑسواروں نے جاپان پر حملہ کر دیا اور زراعت پیشہ لوگوں کے آقا بن بیٹھے۔ وہ اپنے ساتھ شنٹو عقائد، قصے کہانیاں، تکنیکی علوم، اور وہ سماجی نظم و نسق لائے، جو انہوں نے چینی تہذیب سے نقل کیے تھے۔

ایک راہب

ایک چینی راہب گنجن (Ganjin) اپنے ملک میں بُدھ مت کی تعلیم دیتا تھا۔ اسے جاپانی راہبوں نے اپنے ملک میں بُلا کر تبلیغ کرنے کی دعوت دی، جو اُس نے قبول کر لی۔ سمندر کا سفر خطرناک تھا۔ بحری قزاقوں اور طوفانوں نے یکے بعد دیگرے اسے پانچ مرتبہ روکنے کی کوشش کی لیکن آخرکار گنجن 754ء میں اپنے 24 شاگردوں اور کاریگروں کے ساتھ نارا (Nara) پہنچ گیا۔ اگرچہ وہ نابینا تھا اور سفر کی تکلیفوں کے باعث کمزور بھی ہو گیا تھا مگر اُسی نے جاپان میں بُدھ مت مذہب کی بنیاد رکھی اور اُسے پھیلایا۔

کاغذ کی ایجاد کے باعث جاپانیوں نے چین سے قیمتی مسودے درآمد کیے۔ اس طرح انہوں نے بہت سا علم سیکھا۔

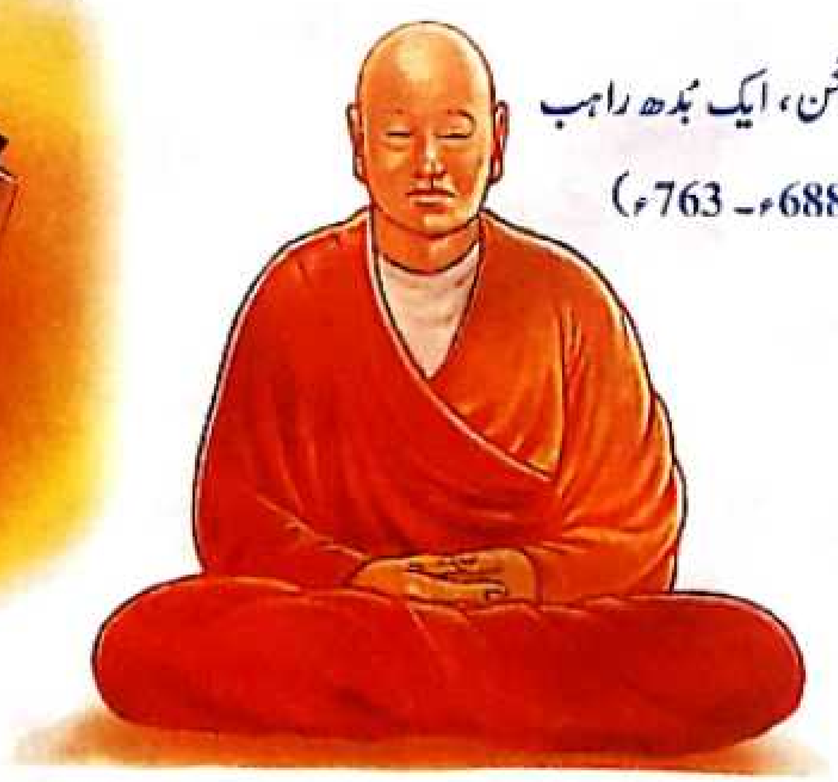

گنجن، ایک بُدھ راہب
(688ء۔ 763ء)

شوگن اور سیمورائی

بارہویں صدی کے آخر تک ریاست پر شہنشاہ کی گرفت کمزور ہو گئی ۔ ممتاز خاندان حصولِ اقتدار کے لیے جنگ میں حصہ لینے لگے۔ اُسی دوران سات سو سالہ جاگیرداری دور کا آغاز ہوا۔ جاپان، جنگجو شوگنز (Shoguns) اور ان کے گھڑ سوار سیمورایوں(Sumurais) کے ہاتھ میں رہا۔

شوگنز کی طاقت

1192ء میں یوری ٹومو (Yoritomo)، جو مینا موٹو (Minamoto) قبیلے کا سردار تھا، جنگوں میں فتح یاب ہوا اور ''شوگن'' یعنی ''چیف جنرل'' کا خطاب اختیار کیا ۔ اس نے اپنا فوجی ہیڈ کوارٹر کاماکورا (Komakura) میں قائم کیا۔ اس نے ایک ایسے شہنشاہ کے طور پر بڑی شان و شوکت سے حکومت کی، جو کیوٹو (Kyoto) میں اپنے محل میں ہی رہتا تھا۔ اس نے اپنے چاروں طرف وفادار اور دلیر جنگجو اکٹھے کر لیے جن کے لیے، اس نے بوشیڈو (Bushido) کے نام سے ایک سخت قانون وضع کیا۔

سیمورائی کون تھے؟

شوگنز بہادر اور وفادار گھڑ سواروں کو سیمورائی کا خطاب دیتے تھے۔ سیمورائی بڑی مہارت سے ہتھیار چلانا جانتے تھے۔ خود کو جنگ کے خوف سے نجات دلانے کے لئے وہ بُدھ مت کی اُن وجدانی تعلیمات سے فائدہ اُٹھاتے تھے جنہیں وُہ ژین (Zen) کہتے تھے، شکست ہونے کی صورت میں اُن کی خودداری اُنہیں زندہ رہنے کی بجائے خودکشی پر مجبور کر دیتی۔ ہارنے کی صورت میں وہ اس وقت ایک چھوٹی تلوار سے اپنا پیٹ چاک کرلیا کرتے تھے۔

کامیکازی

1274ء سے 1281ء کے دوران منگول، ایشیا سے نکل کر جاپانی مجمع الجزائر فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے لیکن سمندری طوفان کی وجہ سے ان کے جہاز ڈوب گئے۔ ان کے عقیدے کے مطابق وہ ہیبت ناک طوفان، آسمانی ہواؤں، کامیکازی(Kamikazes) کی وجہ سے تھے۔ اس غیبی مدد کے باعث سیمورائیوں اور اُن کے سپاہیوں نے حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔

قدیم بھارت

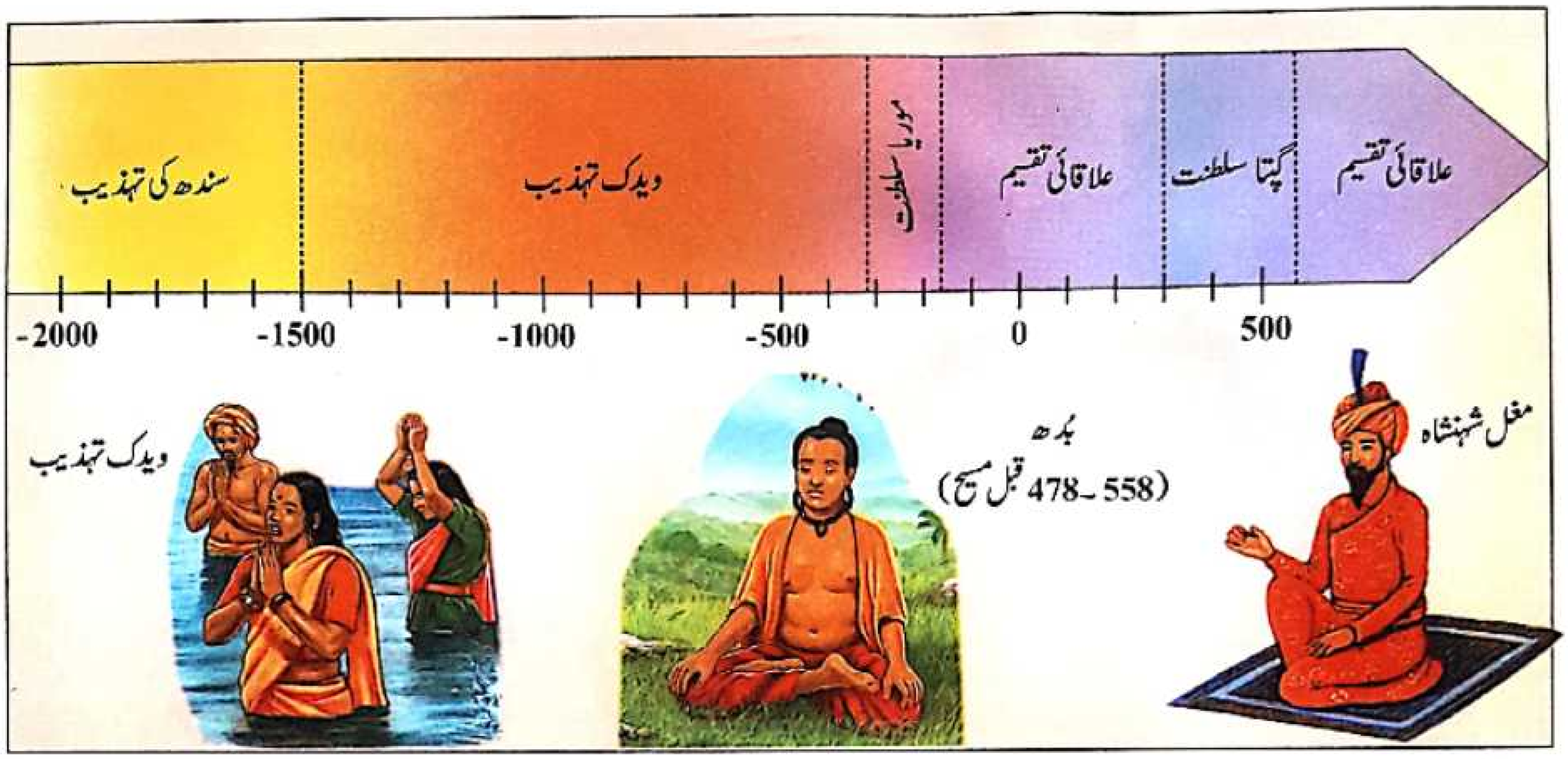

تین ہزار سال قبل مسیح سے سندھ طاس کے باشندوں نے مختلف قصبے تعمیر کرنے شروع کر دیئے، لیکن جب آریائی وہاں سکونت اختیار کرنے کے لئے آئے تو اُن کی شان دار تہذیب غائب ہوگئی۔ وہ ہندیورپی (Indo-European) خانہ بدوش تھے، جو تقریباً 1500 قبل مسیح وسطی ایشیا سے آئے تھے۔ مقامی باشندوں اور ان کے رسم ورواج نے باہم مل کر ویدک تہذیب کو جنم دیا۔ (ویدک لفظ ویداس (Vedas) سے ہے جو ایک مقدس صحیفہ سمجھا جاتا ہے)۔ ہندو کلچر، ہندو مذہب اور ذات پات کے نظام کی اصل بنیاد یہی تہذیب تھی۔

موریا سلطنت (320-185 قبل مسیح)

چوتھی صدی قبل مسیح میں، ہندوستان کے موریا جنگجوؤں نے سکندرِ اعظم کی فوجوں کو پسپا کر دیا۔ موریا خاندان نے ایک سلطنت کی بنیاد رکھی اور جاسوسی کا قابلِ اعتماد نظام قائم کیا۔ اشوک (274۔ 232 قبل مسیح) اس خاندان کا عظیم ترین مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی حکومت کی بنیاد بُدھ مت کے نظریات، منطقی معقولیت، عدل وانصاف اور عدم تشدد پر رکھی۔ اس نے پورے بھارت میں ستونوں اور چٹانوں پر قوانین کندہ کروا دیئے جن پر تمام رعایا کو عمل کرنا ہوتا تھا۔

منقسم اور کمزور سلطنت

موریا حکومت کے بعد، صدیوں پر محیط عرصے میں بھارت، ایسی چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں میں تقسیم ہوتا چلا گیا، جو آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ یہ مختلف حملہ آوروں کے زیرِ تسلط آتا رہا، مثلاً مرکزی ایشیا سے سکائتھس (Scythes) اور اس کے بعد شمالی چین سے اہل کشنا (Kushanas)۔ 1526ء میں مغل حکمرانوں نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی، اُنہوں نے بھارت پر تقریباً ساڑھے تین صدیاں حکومت کی۔ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہندوؤں کو بے حد مذہبی اور سیاسی آزادی حاصل تھی اور ہندو مُغل حکمرانوں کے وفادار بھی تھے۔

قدیم بھارت

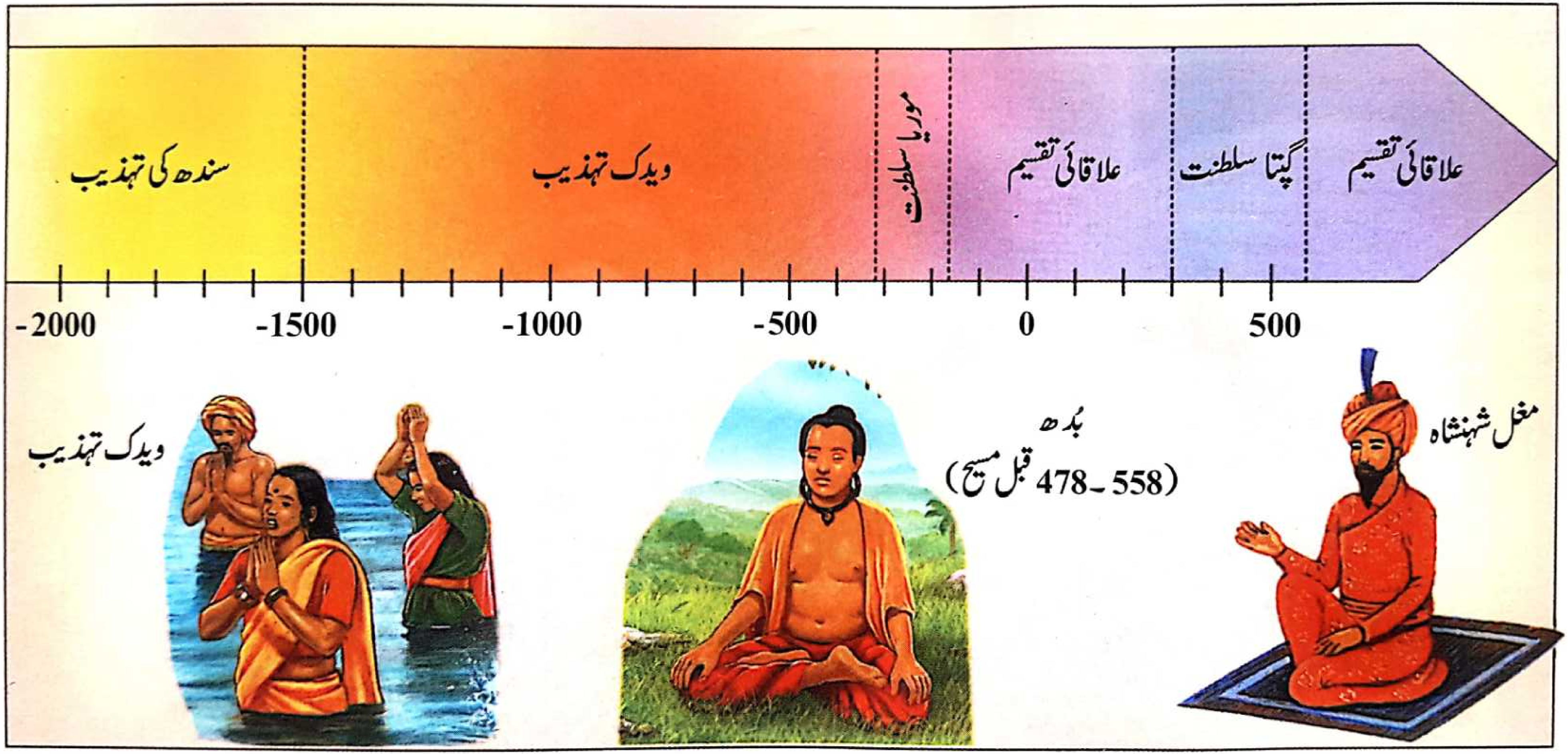
سندھ کی تہذیب
ویدک تہذیب
موریا سلطنت
علاقائی تقسیم
گپتا سلطنت
علاقائی تقسیم
-2000
-1500
-1000
-500
0
500
ویدک تہذیب
بُدھ
(478-558 قبل مسیح)
مغل شہنشاہ

سمندر اور پہاڑوں کے درمیان

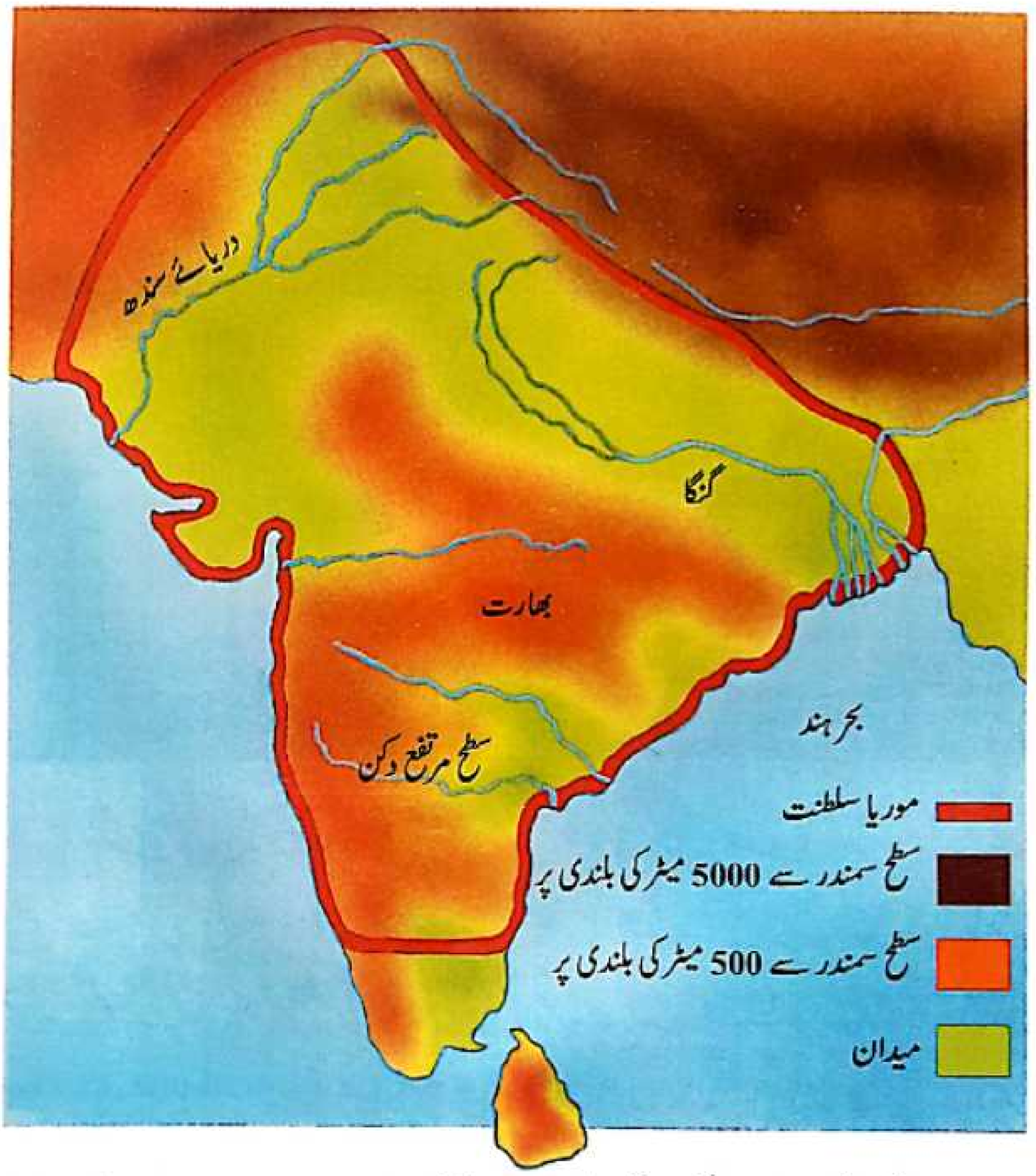

ہندوستان کی مملکت ایک تکون کی طرح بحرِ ہند میں اُبھری ہوئی ہے۔ شمال میں ہمالیہ کے بلند پہاڑی سلسلے نے ایک قدرتی رُکاوٹ پیدا کر رکھی ہے۔ جنوب میں، سطح مرتفع دکن مون سُون کا سبب بنتی ہے۔

دُنیا کی چھت

سنسکرت زبان میں ہمالیہ کے معنی ''برف کا گھر'' ہے۔ سنسکرت ہندوستانی تہذیب کی قدیم ترین زبان ہے۔ ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ، جو 8848 میٹر بلند ہے، دُنیا کا بلند ترین سلسلہ ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ دولت کے دیوتا ویسرا وانا (Vaisravaana) نے اپنے خزانے یہاں چھپا رکھے ہیں۔ سندھ اور گنگا جیسے عظیم دریا، انہی پہاڑوں میں سے نکلتے ہیں۔

دریائے گنگا

ہندو گنگا کو ایک مقدّس دریا مانتے ہیں اور اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ہندو اپنے مُردوں کی راکھ اس میں بہاتے ہیں اور اپنے آپ کو پاک کرنے کے لیے اس میں غسل کرتے ہیں۔ وہ زمینیں جو اس کے کناروں پر واقع ہیں، ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ زرخیز ہیں۔ زمیندار یہاں دھان، گندم اور جوار اُگاتے ہیں۔

مون سون ہوائیں

موسمِ گرما کی مون سون ہوائیں بحرِ ہند کی جانب سے چلتی ہے۔ جب یہ شمال کی طرف بڑھتی ہیں تو بخارات سے بھری ہوتی ہیں۔ جون کے مہینے سے کاشت کار اُن کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے ہیں کیوں کہ یہ ہوائیں موسلادھار بارشیں لاتی ہیں۔ پیاسی زمین کو آخرکار پانی مل جاتا ہے لیکن ہر سال یہ بارشیں تباہ کُن سیلابوں کا باعث بھی بنتی ہیں۔

جنگل

اس خطے کے بہت بڑے حصے پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ مقامی لوگ خطرہ مول لے کر جنگل میں چیتے، شیر، گینڈے، بندر، سانپ، جنگلی بھینسے، ہاتھی وغیرہ پکڑنے کے لیے جنگلوں میں گھُس جاتے تھے۔

ہندو مت

ہندو ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے طور پر زندگی کے مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مندروں میں نذرانے پیش کرنے اور گنگا جل سے اپنے آپ کو پاک کرنے سے ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

ہندو عقائد کیا ہیں؟

ہندو دھرم تعلیم دیتا ہے کہ روح کبھی نہیں مرتی۔ انسان کے مرنے کے بعد اُس کی روح کسی اور وجود میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسے ''عقیدۂ تناسخ'' کہتے ہیں۔ اُس آدمی کی روح، جو اچھی اور پاکیزہ زندگی بسر کرتا رہا ہو، کسی اعلیٰ پائے کے انسان میں دوبارہ داخل ہو جاتی ہے۔ جب کہ وہ شخص جس کی زندگی برے اعمال سے بھری ہو، اگلے جنم میں وہ کسی جانور مثلاً کتے، بلی یا پرندے کی شکل میں دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ ہندوؤں میں یہ عقیدہ رائج ہے کہ ہر روح سات بار جنم لیتی ہے۔

وید کیا ہیں؟

وید وُہ قدیم ترین صحیفے ہیں جنہوں نے ہندو مذہب کی بنیاد رکھی اور برہمن (بچاری) جس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ ویدک دَور کے دیوتاؤں کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

مہا بھارت ایک نظم ہے، جو دو لاکھ اشعار پر مشتمل ہے اور یہ دریائے گنگا کے کنارے بسنے والے دو قبائل کورو (Kauravas) اور پانڈو (Pandavas) کے متعلق کہانی بیان کرتی ہے۔ یہ نیکی کی بدی پر اور سچ کی جھوٹ پر فتح کی عظیم الشان مہماتی داستان ہے۔ یہ نظم اخلاقیات کے ضابطوں اور ہر طبقے کے فرائض پر مشتمل ہے۔

ہندوستان کے بڑے دریاؤں کا دیوتاؤں کی طرح احترام کیا جاتا ہے۔ گنگا ان تمام میں مقدّس ترین دریا سمجھا جاتا ہے جہاں ہندو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے آتے ہیں۔

ہندو گائے کو مقدّس کیوں سمجھتے ہیں؟

گائے کو تمام دیوتاؤں کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔ اُسے خوراک دینا ایک مذہبی فریضہ ہے اور اُس کا گوشت کھانا گناہ ہے۔ اپنے آپ کو پاک کرنے کے لئے، اُس کے دودھ، گوبر اور پیشاب سے بنا ہوا مشروب پیا جاتا ہے۔

بُدھا کون تھا؟

چھٹی صدی قبل مسیح میں ایک گاؤں جو جنگل کے عین درمیان میں واقع تھا، وہاں ایک آدمی انجیر کے ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اس خاموش ماحول میں وہ زانوؤں پر ہاتھ رکھے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اس پر ابدی آگہی منکشف ہو گئی۔

بُدھا کون تھا؟

وہ ایک ہندو شہزادہ تھا جس کا اصل نام سدھارتھ گوتم تھا۔ 29 سال کی عمر میں اسے ہر وہ چیز حاصل تھی جس کی ایک آدمی کو پُرمسرت زندگی کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ شادی شُدہ تھا، اس کا ایک بیٹا تھا جو بہت اچھا تیر انداز تھا، لیکن کچھ سوال ایسے تھے جو اُسے پریشان رکھتے، مثلاً زندگی کیا ہے؟ دُنیا میں دکھ کیوں ہیں؟ موت کیوں واقع ہوتی ہے؟ چنانچہ اس نے پُرسکون روحانی زندگی بسر کرنے کے لیے ہر چیز کو خیر باد کہہ دیا۔ جن ہندو پنڈتوں سے اس کا آمنا سامنا ہوتا، وہ ان سے یہ سوال پوچھتا، لیکن اُن کے جوابات سے اس کی تسلی نہ ہوتی تھی۔

سچائی کا نُور

چند سال بعد اس نے اپنی بے کار اور تھکا دینے والی تحقیق کو چھوڑ دیا۔ وہ انجیر کے ایک درخت کے نیچے ٹھہر گیا اور فیصلہ کر لیا کہ جب تک اس پر اس کائنات کی اصل سچائی کا انکشاف نہیں ہو گا، وہ یہ جگہ نہیں چھوڑے گا۔ کئی ہفتوں کی گہری سوچ بچار کے بعد اس پر حقیقت کا انکشاف ہوا اور اسے معلوم ہو گیا کہ انسان دکھی کیوں رہتا ہے۔ وہ گیان حاصل کر چکا تھا۔ گیان پانے والے اُس شخص کو "بُدھا" کا نام دیا گیا۔

حقیقت کیا ہے؟

بُدھا کو معلوم ہو گیا تھا کہ انسان اس لئے دکھی ہے کہ وہ ناقابلِ حصول خوشیوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے یہاں تک کہ موت بھی اسے اس دکھ سے چھٹکارا نہیں دلا سکتی کیوں کہ ہندو عقیدے تناسخ کی رو سے اسے بار بار اس دُنیا میں ایک نیا وجود دے کر بھیجا جاتا ہے۔ بُدھا نے یہ تعلیم دی کہ نروان حاصل کرنے کے لئے صلہ رحمی کرنا، نیک اور محبت بھری زندگی گزارنی ضروری ہے۔ یہی نروان اعلیٰ ترین سچائی ہے، تب جا کر ایک آدمی اصل سکون پاتا ہے۔

بُدھا کے احترام میں تعمیر کیا گیا سٹوپا (Stupa) ایک مقدس یادگار ہے۔

ذات پات کا نظام

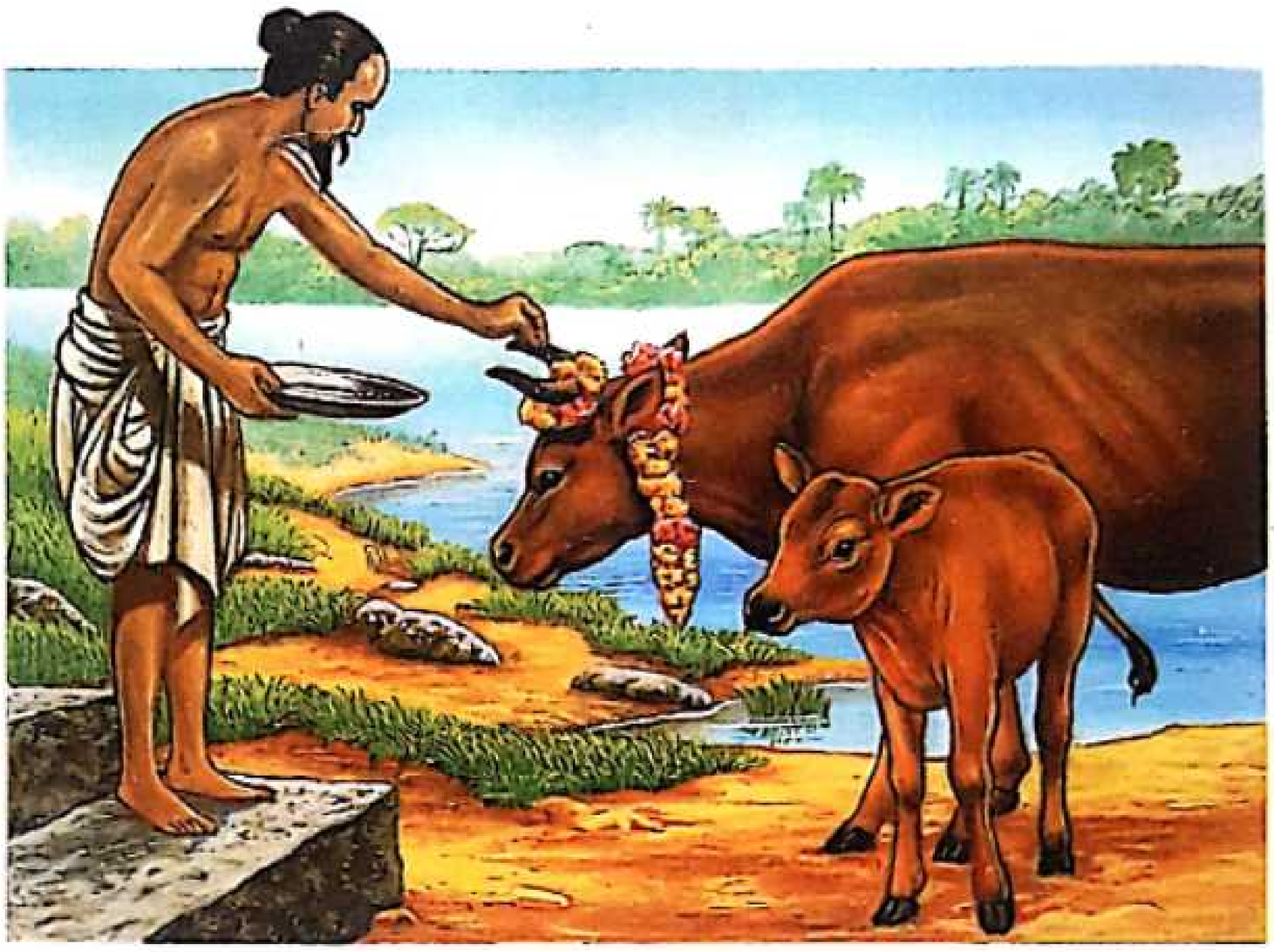

آریائی، جو نکھری رنگت کے لوگ تھے، ہندوستان کے شمال میں آباد ہوئے۔ وہ دراوڑ لوگوں کو گھٹیا سمجھتے تھے کیوں کہ ان کی جِلد کی رنگت سیاہ تھی جو لوگ ان نسلوں کے ملاپ سے پیدا ہوئے وہ کئی ذاتوں میں تقسیم ہو گئے، جن کی بنیاد مختلف حالات پر تھی۔ یہ سلسلہ بیسویں صدی تک چلتا رہا۔

ذات پات کا نظام

ہندوؤں کے مقدس صحیفے، معاشرے کو چار بڑے گروہوں میں تقسیم کرتے تھے۔ سب سے اعلیٰ ذات برہمن کی تھی، جنہیں پاکیزہ ترین سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد جنگجو طبقہ تھا، جنہیں کھشتری کہا جاتا تھا۔ ویش کسان اور تاجر تھے۔ آخر میں بچ جانے والے شُودر کہلاتے تھے۔ یہ غلام اور کمتر تھے اور پہلی تین ذاتوں کی خدمت کرنا اُن کی ذمہ داری تھی۔ گویا ہندوؤں میں ذات پات کے نظام کو مذہبی تحفظ بھی حاصل تھا۔

معاشرتی حالات

جو کوئی جس ذات میں پیدا ہوتا، اس کا تعلق تمام زندگی اُسی ذات سے رہتا۔ اُسے اپنی ہی ذات برادری کی مذہبی رسومات ادا کرنی ہوتیں۔ چھوٹی ذات کا آدمی بڑی ذات کے آدمی کو کھانا تک پیش نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی اُس کے ساتھ کھانے میں شامل ہو سکتا تھا۔ اپنی ذات کی نسبت نچلی ذات کے ایک مرد یا عورت سے شادی کرنے کے

لیے ملیچھ بننا پڑتا۔ دسویں صدی عیسوی سے ان ضابطوں پر باقاعدگی سے عمل کیا جانے لگا۔

ملیچھ کون تھے؟

شُودر کو ملیچھ سمجھا جاتا تھا اور وہ دوسری ذاتوں سے علیحدہ رہتے تھے۔ اعلیٰ ذات کے ہندو، شُودروں کو بے حد گھٹیا سمجھتے تھے اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ انہیں مندر میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی حتیٰ کہ اگر کوئی کسی مذہبی کتاب کا درس سن لیتا تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسا ڈال دیا جاتا تھا۔ شُودر گھٹیا اور معمولی ترین پیشے اختیار کرتے مثلاً مُردوں کو جلانا، پھانسی دینا اور شکار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ایک ملیچھ میت کو آگ لگا رہا ہے۔

ہندو بچے

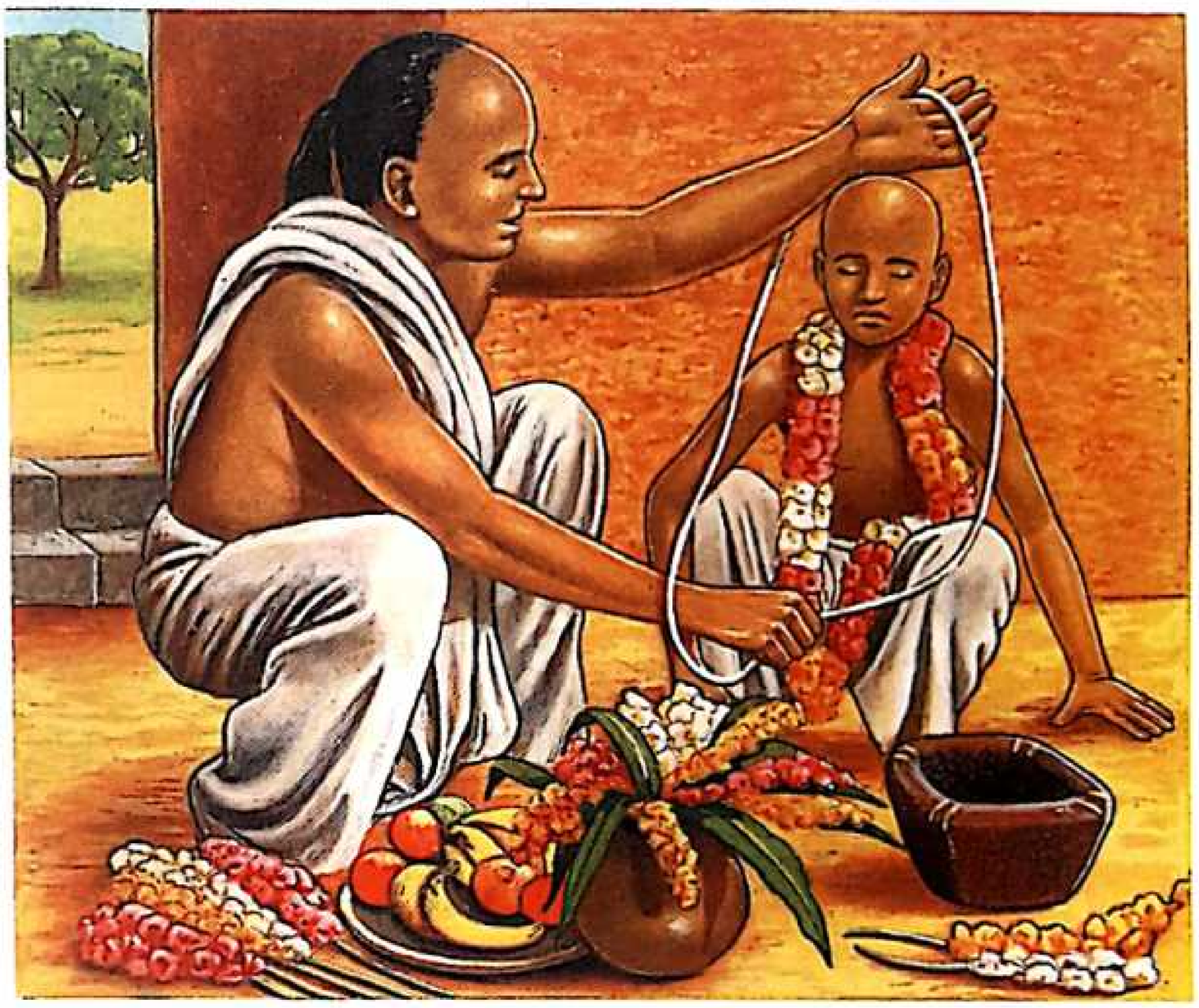

ہندو بچے اپنے اردگرد کے پُرشفقت ماحول میں ابتدائی چند سال پُرسکون زندگی گزارتے تھے لیکن بہت جلد خواہ لڑکا ہوتا یا لڑکی، غریب ہوتا یا امیر، اُسے اُسی مقام پر آنا پڑتا جو معاشرے نے اس کے لئے طے کیا ہوتا تھا۔ یہ مقام اس کی ذات برادری کے مطابق ہوتا، جس سے اُس کا تعلق تھا۔

پیدائش اور رسومات

ہندوؤں میں بیٹے کی پیدائش کو اچھا شگون سمجھا جاتا اور اس کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا، رسمیں ادا کی جاتیں۔ پیدائش کے دسویں دن اس کا نام رکھا جاتا۔ جب وہ پہلی مرتبہ دھوپ میں باہر نکلتا اور دودھ چُھڑاتے وقت بھی مختلف رسمیں ادا کی جاتیں۔ ایک سال سے تین سال کی عُمر کے چھوٹے بچے کا سر مونڈھ دیا جاتا تھا۔ یہ ایک اہم موقع ہوتا، کیوں کہ اُن کے عقیدے کے مطابق اس طرح بچے پر خوشیوں کا دروازہ کھل جاتا تھا۔

تعلیم

غریب ترین بچے کم عُمری میں ہی کام شروع کر کے اپنے والدین کی مدد کیا کرتے تھے۔ اعلیٰ ذاتوں کے بچے چار یا پانچ سال کی عُمر سے لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے۔ لڑکی کو گھر میں ہی تعلیم دی جاتی البتہ لڑکے باہر برہمن استاد سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

اختیارات کب حاصل ہوتے؟

جب لڑکا آٹھ سے تیرہ سال کے درمیان ہوتا تو اعلیٰ ذات کا نوجوان ہندو اپن یان (Upanayan) کی رسم کے تحت کچھ اختیارات حاصل کرتا۔ یہ ایک اہم رسم ہوتی جس کے بعد وہ لڑکا مقدّس صحائف پڑھنے، اسلحہ استعمال کرنے اور مذہبی رسوم ادا کرنے جیسے اہم امور انجام دے سکتا تھا۔

اپن نیان کی رسم کے دوران، مقدّس سوت کی ایک رسی نوعُمر لڑکے کے کندھوں پر ڈالی جاتی تھی، یہ رسم گویا اس کے نئے جنم کے مترادف تھی۔

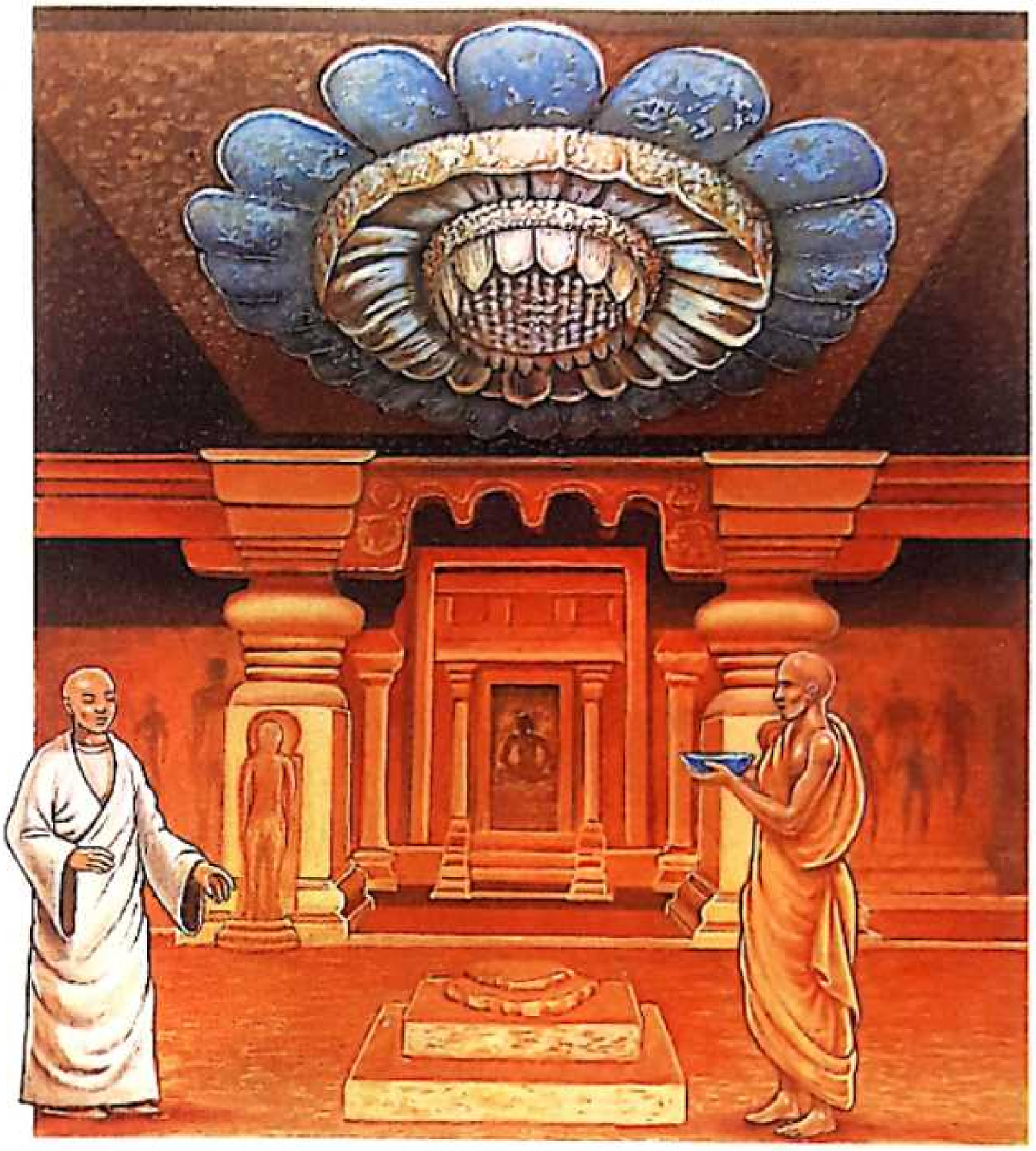

ہندوستانی عظیم سیاح تھے نہ ہی عظیم جہازراں۔ اُن کے عقائد اور طرزِ زندگی نے انہیں یہی ہدایت دی کہ وہ اپنا ملک چھوڑ کر کہیں نہ جائیں۔ تاہم، غیر ملکی سیاحوں کی آمد کی وجہ سے، مشرقِ بعید سے لے کر روم تک لوگ اُن کی ثقافت سے واقف ہو گئے تھے۔

روم میں ہندوؤں کی موجودگی

روم میں ہندوستانیوں کی موجودگی کا احساس بہت سی قیمتی اشیا سے ہوتا ہے، جو وہاں درآمد کی جاتی تھیں، مثلاً گرم مصالحے، خوشبوئیں، قیمتی پتھر، عمدہ ریشے، اور سرکس کے لیے جانور وغیرہ۔ سنسکرت زبان کے چند الفاظ کے لاطینی زبان میں تبادلے سے ان کے باہمی لین دین کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ لفظ "Pepper" (مرچ) جسے سنسکرت میں (Pippali) کہتے ہیں، لاطینی میں (Piper) بن گیا۔

جزیرہ نُما عرب کی جانب

چند ایک ہندوستانی تجارتی جہاز، بحیرہ احمر کی جانب ضرور گئے لیکن عام طور پر عرب سوداگر ہی تجات کی غرض سے ہندوستان آتے اور ہندوستانی اشیا لے کر واپس جایا کرتے تھے۔

چینی ہندوستان میں

پانچویں صدی عیسوی میں چینی بُدھ (راہب)، مہاتما بُدھ کی زندگی اور اس کی تعلیمات کے حصول کے لیے ہندوستان آئے۔ وہ مقدّس مقامات کو دیکھتے اور بدھ خانقاہوں میں ٹھہرتے تھے۔ وہ مذہبی کتابوں، مجسموں اور تبرکات سے لدے پھندے اپنے مُلک واپس جاتے۔ ساتویں صدی کے بعد ہندوستان کا مقدر ایسے غیر ملکی حملہ آوروں کے ساتھ منسلک ہو گیا، جو اس کی دولت سے متاثر تھے۔ جس وقت مُغل حکمران آئے، ہندوستان انتشار اور بدامنی کا شکار تھا۔

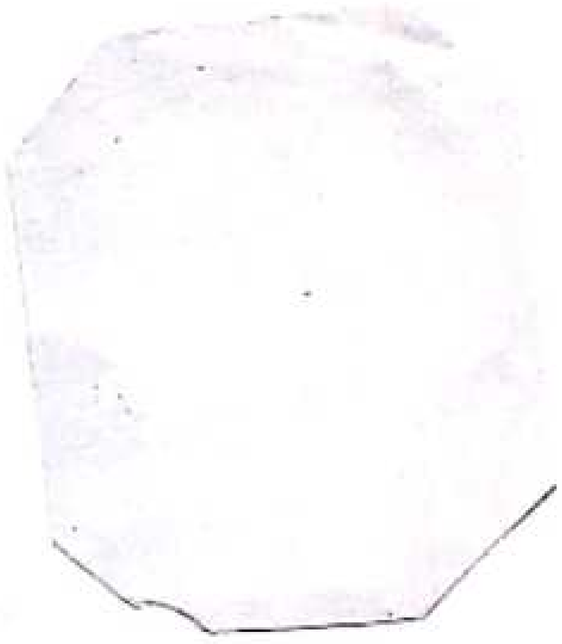

مندر

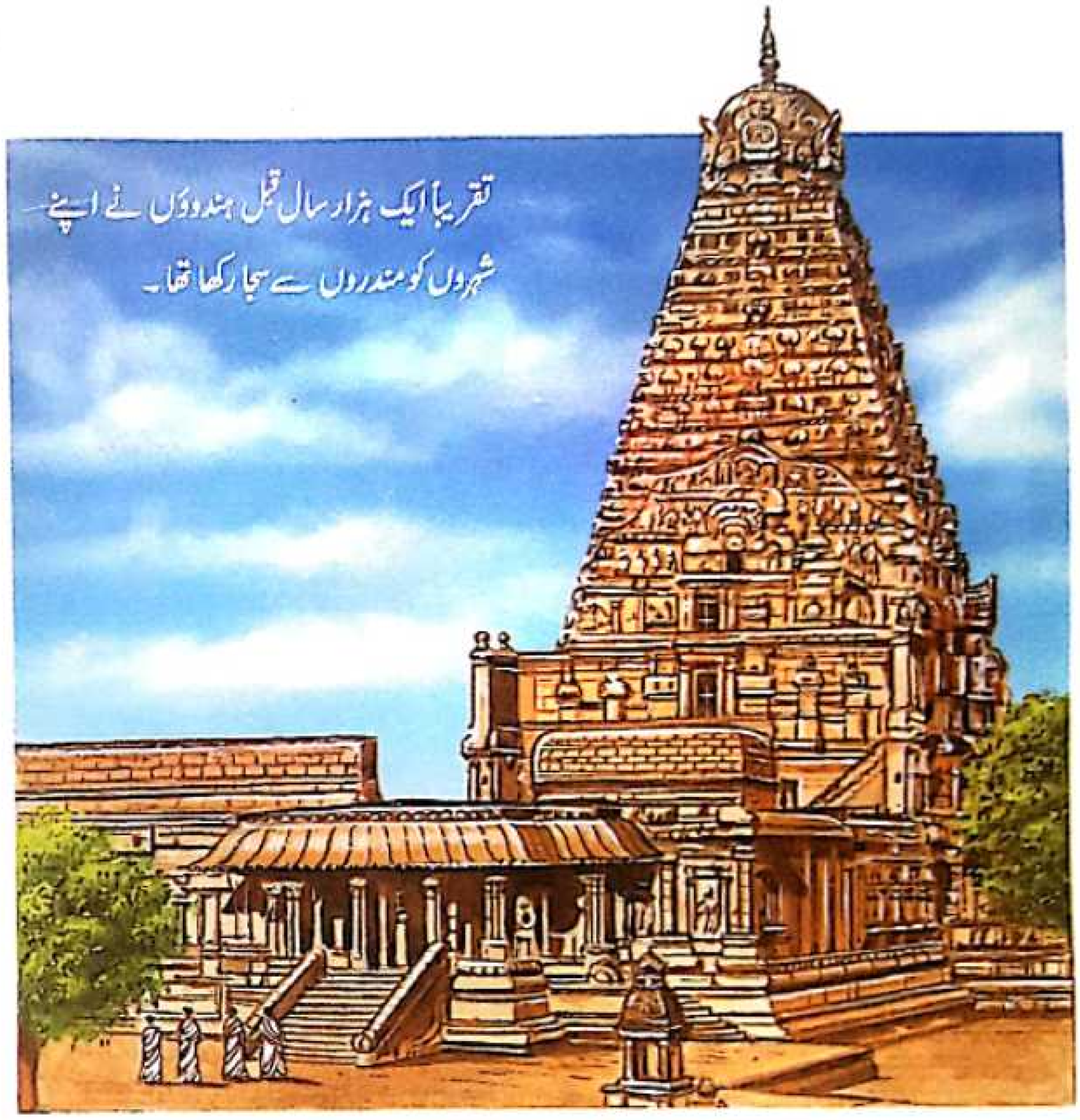

آٹھویں صدی عیسوی سے، لکڑی سے تعمیر کردہ عبادت گاہوں کے قریب پختہ اینٹوں یا پتھروں سے بلند و بالا مندر بنائے گئے۔ وہ مندر شیوا یا وشنو دیوتاؤں کے ناموں سے منسوب تھے۔

مندر

مندر کے عین درمیان میں سیلا (Cella) نام کا چھوٹا سا کمرہ ہوتا جس میں دیوتا کا مجسمہ رکھا جاتا تھا۔ یہ عام طور پر انسانی جسم کی صورت میں ہوتا تھا جسے پتھر، لکڑی یا مٹی سے ڈھال کر بنایا جاتا تھا۔ کئی صدیوں کے دوران، ہندوؤں نے ہمالیہ کے بلند پہاڑوں سے متاثر ہو کر بلند سے بلند تر مندر بنائے۔

بڑے بڑے تہوار

سال میں کئی مرتبہ مذہبی تہوار منائے جاتے تھے۔ لوگ یہ تہوار دیوتا کی کہانی میں سے کسی ایک واقعے یا کسی مندر کی تعمیر کی یاد میں مناتے تھے۔ اس موقع پر دیوتا کا کانسی کا مجسمہ، اُس کے نمائندے کے طور پر، ایک جلوس کی صورت میں دریا پر لے جایا جاتا تھا۔ صرف یہی وقت ہوتا جب نیچ ذات کے عقیدت مند بھی اس جلوس میں شامل ہو سکتے تھے، ورنہ ان ملیچھ لوگوں کی مندروں میں داخلے پر پابندی تھی۔ اپنے اور دیوتا کے عمل میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے دیوتا کے ساتھ وہ خود بھی غسل کیا کرتے تھے۔

ان مندروں کو مورتیوں، مذہبی تہواروں اور عقائد پر مبنی مناظر سے سجایا جاتا تھا۔ اس طرح ہندوؤں کو دھیان گیان میں آسانی رہتی تھی۔

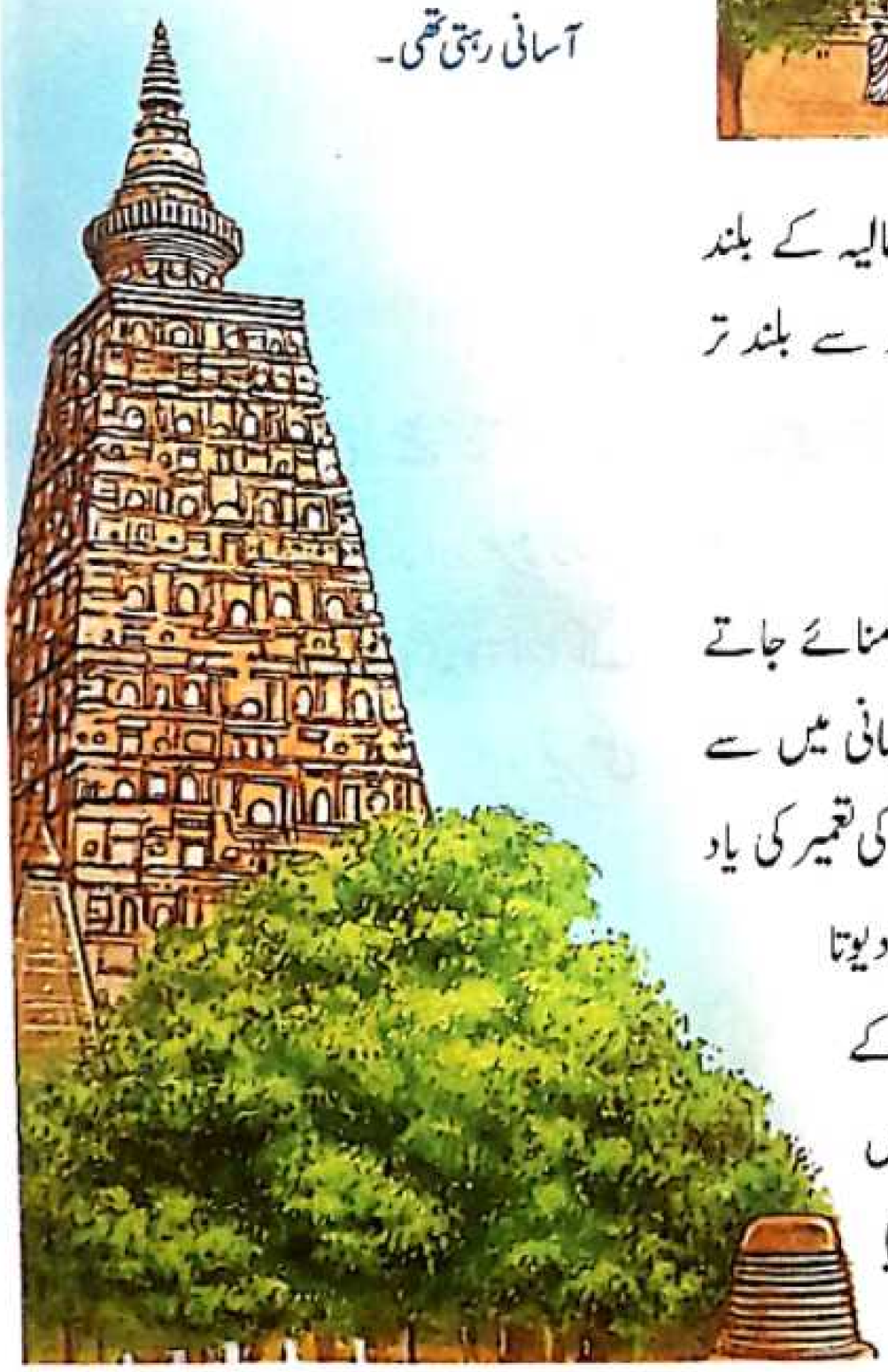

مایائی تہذیب

مایائی لوگ (Mayans) وسطی امریکا میں رہتے تھے جہاں انہوں نے آزاد، شہری حکومتوں کی بنیاد رکھی۔ وہ علمِ نجوم اور علمِ ریاضی پر غیرمعمولی دسترس رکھتے تھے۔ یہ علوم انہیں نسبتاً قدیم تہذیب اولمک (Olmec) سے منتقل ہوئے تھے۔

معتدل درجہ حرارت کی وجہ سے پہاڑوں کی ڈھلانوں پر بھرپور فصلیں پیدا ہوتی تھیں۔ ان ڈھلانوں کو چبوتروں کی شکل دی جاتی تھی۔ مایائی لوگوں نے اپنے ایسے ابتدائی شہر تعمیر کیے جو اہراموں میں گھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی تہذیب کو شمال میں پیٹن (Peten) نامی استوائی جنگل اور بعد میں خشک سطح مرتفع یوکاٹن (Yucatan) کی طرف وُسعت دی۔

زمانۂ عروج (250 قبل مسیح سے 800ء)

اس دَور میں آرٹ اور فنِ تعمیر اپنے عروج پر تھے۔ مایائی شہر اتنے خوبصورت اور اتنے خوشحال اِس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ دولت، عام طور پر پادریوں، بادشاہوں اور اُمرا و شرفا کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔

زوال (نویں سے سولہویں صدی عیسوی)

نویں صدی عیسوی کے بعد بعض شہر ویران ہو گئے۔ دسویں صدی میں ازٹک تہذیب کی بانی ٹالٹکس (Toltecs) قوم نے اپنے غلبے کو وسیع کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد مایائی باشندے ایسے لوگوں کے زیراقتدار رہنے لگے جو ان کی نسبت زیادہ طاقت ور تھے۔ اہرام اور مندر گر کر کھنڈر بن گئے لیکن مایائی لوگوں کی یاد زندہ رہی۔ یہ ان کاشتکاروں کا احسان ہے جنہوں نے ان کی روایات کو محفوظ کیے رکھا۔

ابتدائی دور (650-250 قبل مسیح)

مایائی تہذیب، بحرالکاہل کے ساحل پر اور انتہائی آتش فشانی زمینوں (موجودہ گوئٹے مالا) پر پھلی پھولی۔ زرخیز زمینوں اور

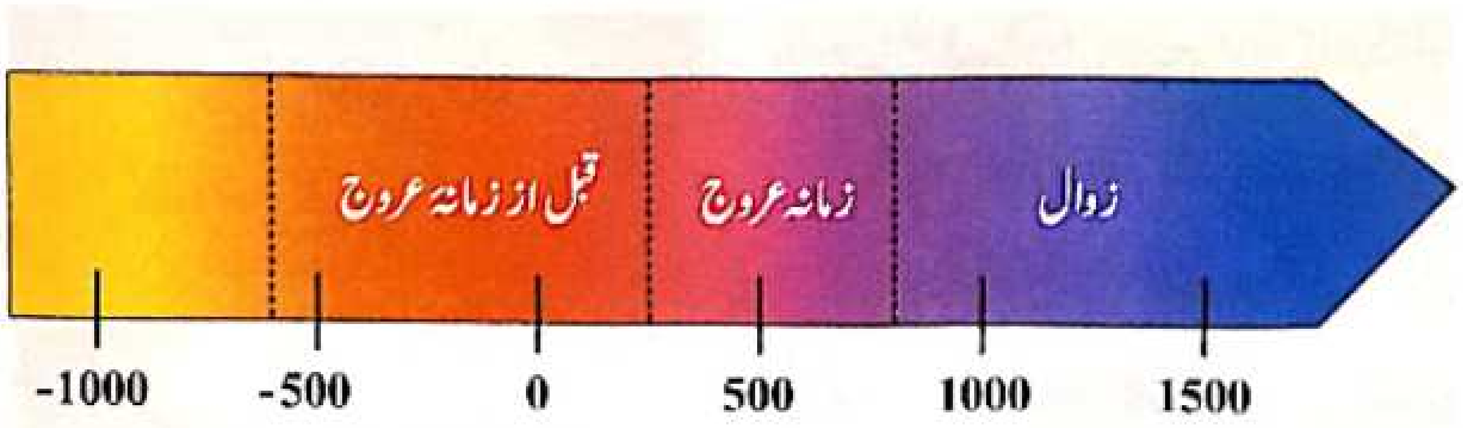

ٹِکل، ایک سرسبز شہر

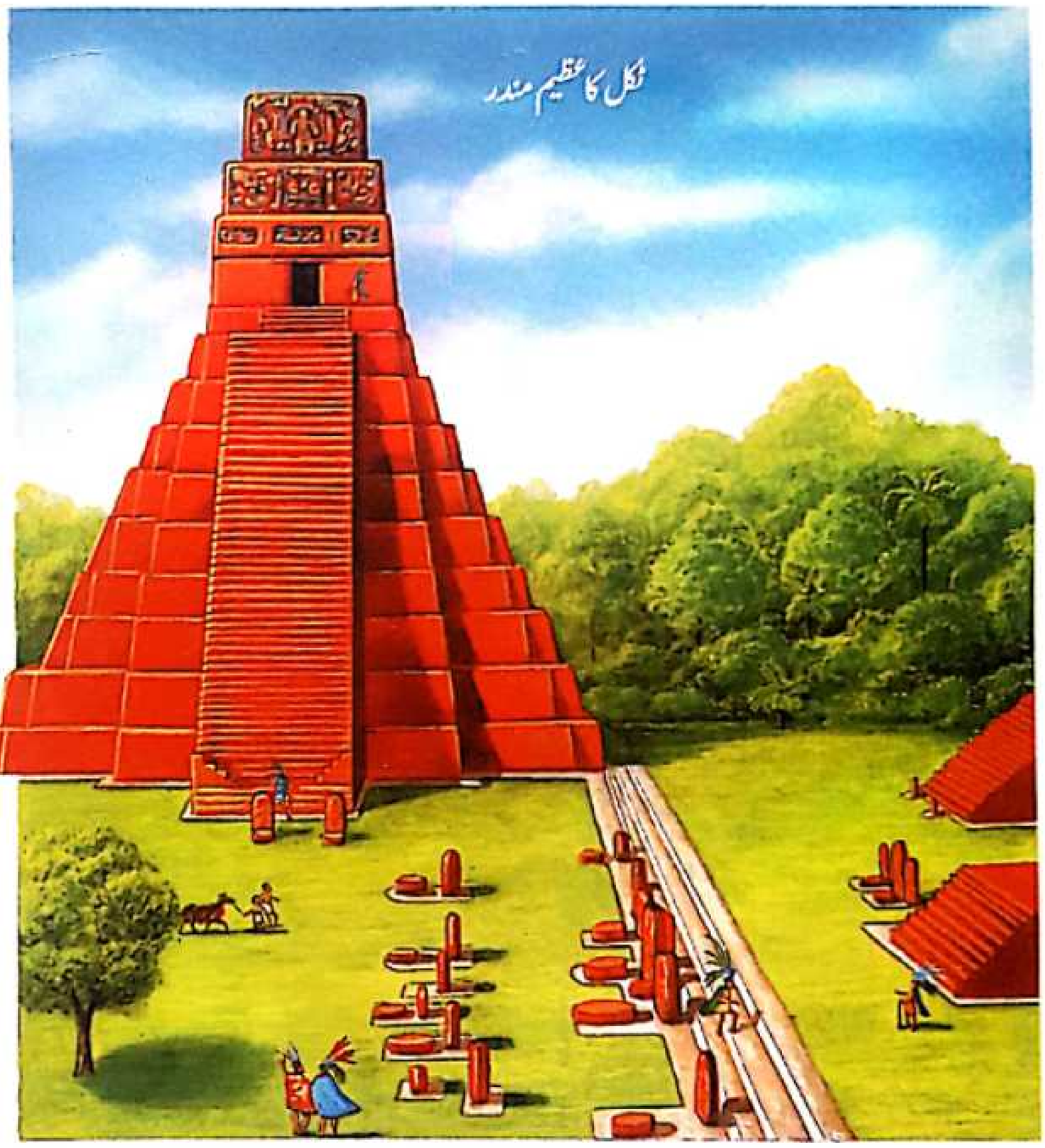
ٹکل کا عظیم مندر

آٹھویں صدی عیسوی میں، مختلف یادگاروں اور کئی رنگوں سے آراستہ مایائی شہر ٹکل، استوائی جنگل پیٹن (Peten) کے عین درمیان اس قطعۂ زمین پر واقع تھا جسے لوگوں نے صاف کر کے آباد کیا تھا۔ وہاں بنائے گئے اہرام کی چوٹیاں درختوں کی چوٹیوں سے بھی بلند تھیں۔

شہر کی تعمیر اور مقامات

مرکزی ہرم، جو ٹکل کے وسط میں واقع تھا، 70 میٹر تک بلند تھا، یہ مایائی اہرام میں سب سے زیادہ بلند تھا۔ اس کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی عبادت گاہ بنائی گئی تھی جہاں پجاری تقریبات سے پہلے روزے رکھتے اور طہارتِ نفس حاصل کرتے۔ اس کے چاروں طرف لوگوں نے مندر، محلات اور کھیل کے میدان بنا رکھے تھے۔ نیز ایک مرکزی چبوترہ بنایا جاتا تھا جس کے چاروں طرف ڈھلان دار سیڑھیاں ہوتی تھیں۔ پجاری پتھر کے بنے ہوئے ستونوں اور کتبوں کے نیچے مختلف مذہبی رسومات اور قربانیاں ادا کرتے تھے۔

ایک مذہبی مرکز

شہر کے مرکز میں صرف پجاری اور شرفا ہی رہائش اختیار کر سکتے تھے۔ ان کے ساتھ ہی عام لوگ سادہ جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ وہ اپنے خاندانوں کے ہمراہ مذہبی تقریبات میں شریک ہونے کے لئے آتے تھے۔ اِس دوران بادشاہ خوب جواہرات پہنتا اور پجاری بھی ایسے زرق برق لباس پہنتے جنہیں زریں دُم (quetzal) جیسے نایاب پرندوں کے پروں سے سجایا جاتا تھا۔

یہ شہر مٹ کیوں گئے؟

نویں صدی عیسوی میں مذہبی عمارتیں اور رہائش گاہیں ویران ہو گئیں۔ چند دہائیوں میں گھنے جنگلات کی وجہ سے یادگاریں غائب ہو گئیں۔ اس کی بہت سی وجوہات پیش کی گئی ہیں، مثلاً زلزلے، وبائی امراض، حملے اور قحط سالی..... ممکن ہے کہ کاشت کاروں نے سیاسی اور مذہبی لیڈروں کے خلاف بغاوت کر دی ہو جس کی وجہ سے وہ بھاگ جانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔

مذہبی رسومات

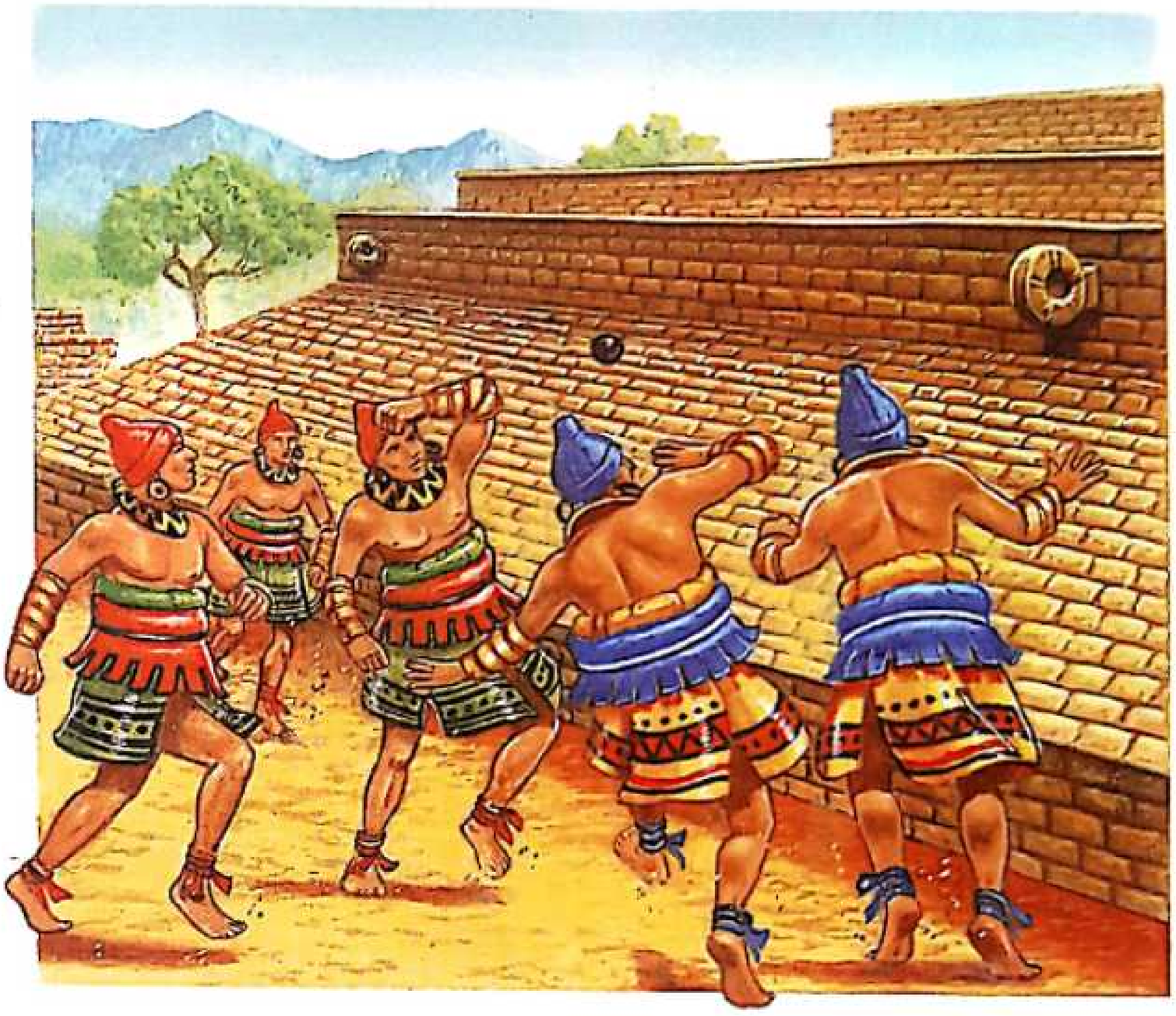

ازٹک (Aztec) باشندوں کی طرح مایائی لوگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ دیوتا پہلے بھی کئی مرتبہ دُنیا کو تباہ کر چکے ہیں۔ اس بات کے پیشِ نظر کہ کہیں دوبارہ ایسا نہ ہو جائے، وہ نذرانے اور قربانیاں دے کر اپنے دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی کوششیں کیا کرتے تھے۔

دیوتا

مایائی لوگوں کا عقیدہ تھا کہ دیوتا سورج، بارش اور مکئی جیسے فطری عناصر کے روپ میں زمین پر آتے ہیں۔ کہا جاتا تھا کہ سورج اور چاند سب سے پہلے زمین پر آباد ہوئے۔ وہ اکثر آپس میں لڑا کرتے تھے۔ اگر چاند سورج کی نسبت کم روشن ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ سورج نے چاند کی بے وفائی پر سزا کے طور پر چاند کی آنکھیں نکال لی تھیں۔

شکس کون تھے؟

شکس (Chacs) وہ دیوتا تھے جو پانی سے لبالب بھرے عظیم الجثہ کدوؤں کو ہلا کر بارش برساتے تھے۔ مایائی قوم کا عقیدہ تھا کہ اگر وہ کدو ایک ہی مرحلے میں خالی ہو جاتے تو سیلاب کا باعث بنتے۔ جب شکس ناراض ہوتے تو ژالہ باری اور طوفان بھیج کر ہی راضی ہوتے تھے۔

گیند کا کھیل

یہ عجیب و غریب مذہبی تہوار تھا، جس میں دونوں ٹیموں کے کھلاڑی میدان میں آ جاتے تھے۔ کھیل کا تعلق ایک ربر کی گیند سے ہوتا، جسے پتھر کے ایک چھلے میں سے گزارنا ہوتا تھا۔ گیند، کھلاڑی کے ہاتھوں اور پیروں سے نہیں چھونی چاہیے تھی، صرف کندھوں، گھٹنوں اور کولہوں کے استعمال کی اجازت تھی۔ کھیل بڑا ولولہ انگیز ہوتا اور کھلاڑیوں کا کئی بار آپس میں تصادم ہو جاتا تھا۔ ہارنے والی ٹیم کے کپتان کو قربان کر دیا جاتا اور اس بات پر فخر کیا جاتا تھا کہ اُس نے اپنے دیوتاؤں اور لوگوں کے لئے خون کی قربانی دی ہے۔

مایائی کسان کی زندگی

کاشت کاری، مایائی لوگوں کا مرکزی پیشہ تھی۔ وہ اپنی زمین کی پوجا بھی اُسی طرح کرتے، جس طرح اپنے دیوتا کی۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کی بقا کا دارومدار دیوتا کی خوشی پر ہے۔

مکئی، ایک مقدس پودا

مایائی لوگ جنگل کی زمین کو قابل کاشت بناتے تھے۔ اگر ڈھلانیں زیادہ گہری ہوتیں تو ان پر چبوترے بنانے پڑتے، درختوں کی باقیات کو جلانا پڑتا تاکہ وہاں مکئی کاشت کی جا سکے۔ کٹائی کے موسم میں لوگ روزہ رکھتے، فصل کے کٹنے پر دانے بکھیرے جاتے اور خوشبوئیں جلائی جاتی تھیں۔ کاشت کار اپنی حفاظت کے لیے دیوتاؤں کے حضور التجائیں کرتے۔ وہ مکئی کو آسمانی مخلوق سمجھتے اور بہت سے نذرانے پیش کرتے تھے۔

دوسری فصلیں

اپنی جھونپڑیوں کے نزدیک کسان لوبیا، لوکی یا پیٹھا کدو، کساوا، میٹھے آلو، کپاس، تمباکو اور کوکو (اس کی پھلیوں کو کرنسی کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا)، کی کاشت بھی کرتے تھے۔

عورتوں کے کام

عورتیں روزانہ چکی پر ایک بڑے پتھر کی مدد سے مکئی کے دانے پیستیں، پھر وہ آٹے میں تھوڑا سا پانی ملا کر موٹی روٹی کی طرح کا کیک بنا لیتی تھیں جسے ٹارٹیلا (Tortilla) کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی کھڈیوں کے آگے گھنٹوں بیٹھ کر کوٹ، چوغوں اور چادروں کے لئے کپڑا بُنتی تھیں۔

بچے

پہلے پہل وہ گھر میں رہتے اور ماؤں کے قریب کھیلتے، اس کے بعد چھوٹے لڑکے اپنے باپ کے ساتھ کام میں اس کا ہاتھ بٹاتے۔ جہاں تک چھوٹی لڑکیوں کا تعلق ہوتا، وہ جلد ہی اپنی ماں سے سُوت کاتنا سیکھ لیتی تھیں۔ صرف امیر گھرانوں کے بچے ہی سکول بھیجے جاتے تھے۔

تحریریں اور اعداد و شُمار

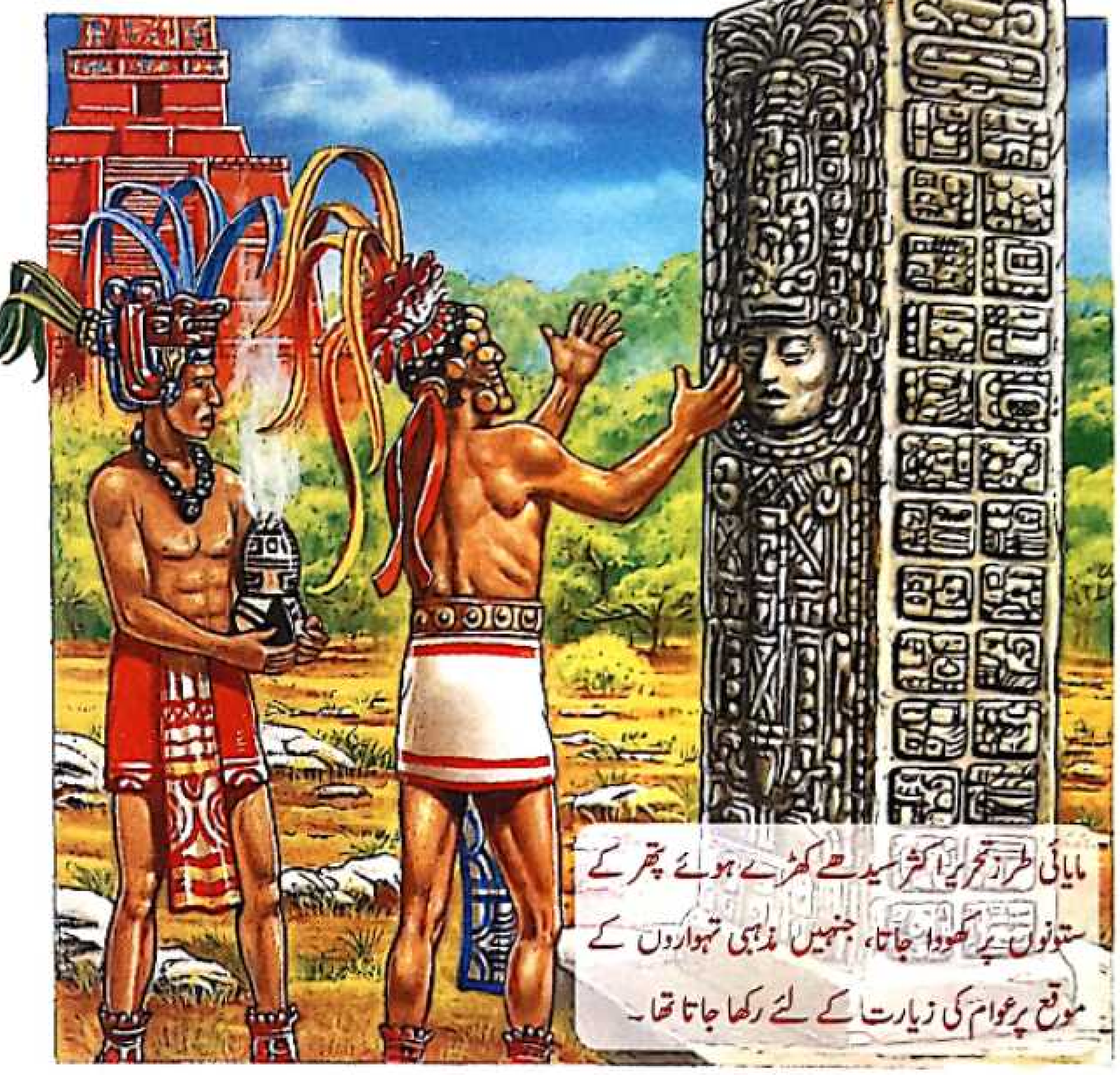

مایائی طرزِ تحریر اکثر سیدھے کھڑے ہوئے پتھر کے ستونوں پر کھودا جاتا، جنہیں مذہبی تہواروں کے موقع پر عوام کی زیارت کے لئے رکھا جاتا تھا۔

مایائی اعداد و شمار اور رسم الخط میں ماہر تھے۔ ان کی مدد سے وہ عالمانہ طریقے سے متعلقہ اعداد و شمار اکٹھے کر کے انہیں محفوظ کر لیا کرتے تھے۔

رسم الخط

مایائی لوگ مربع شکل کے پیچیدہ خاکے بناتے تھے جنہیں تصویری خاکے (Glyphs) کہا جاتا۔ یہ نشان زد تصویری خاکے چیزوں، جانوروں اور دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان کے علاوہ زیادہ سادہ نشانات والے خاکے مختلف حالتوں اور حروف جار وغیرہ کے لیے مخصوص تھے۔ کاتب اُن تصویری خاکوں کو ملا کر چھوٹے چھوٹے فقرے بنا لیتے تھے۔

تصویری خاکے کیا کہتے تھے؟

مایائی طرزِ تحریر کو ستاروں کی گردش، تاریخوں کا اندراج، دیوتاؤں کے نام اور ان کی طاقت، پادریوں کی پیش گوئیوں وغیرہ کا ریکارڈ رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ بعض اوقات، اُن کے ذریعے کسی سردار کی کسی دوسرے سردار کے ہاتھوں شکست، کوئی شادی، کوئی مرگ وغیرہ کا قصہ بھی بیان کیا جاتا تھا۔

یہ تصویری خاکے کہاں بنائے جاتے تھے؟

رفتہ رفتہ وہ مقدّس تحریریں سجاوٹ کا ذریعہ بن گئیں۔ انہیں ایسے پتھروں پر کھودا جاتا جنہیں مرکزی ستونوں، قربان گاہوں، اور سیڑھیوں وغیرہ میں لگا دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ انہیں زیورات، خولوں، ہڈیوں پر کندہ کر دیا جاتا بلکہ ان تصویری خاکوں کو برتنوں، لکڑی کی چھتوں اور دیواروں پر بھی رنگوں سے بنا دیا جاتا تھا۔

اعداد و شُمار کے ماہر

مایائی لوگ جانتے تھے کہ اعداد و شُمار سے بہترین کام کس طرح لیا جاتا ہے۔ غالباً اپنی ہم عصر تہذیبوں میں سب سے بہترین یہی لوگ تھے۔ وہ ایک ارب کی گنتی سے آگے بھی اعداد استعمال کر سکتے تھے۔ اُن کے لئے صرف تین علامات ہی کافی تھیں۔ ایک نقطہ جمع کی علامت تھا، ایک لکیر پانچ اور ایک خول صفر کی علامت تھا۔

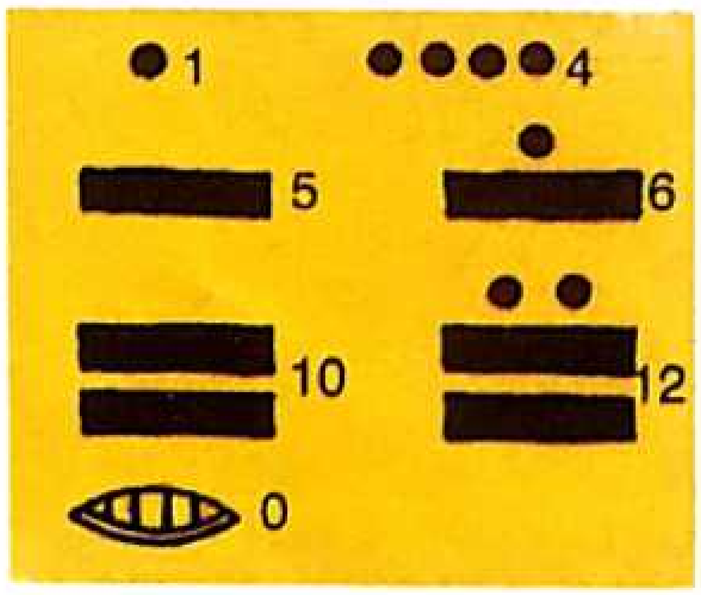

ستارے اور وقت کا حساب

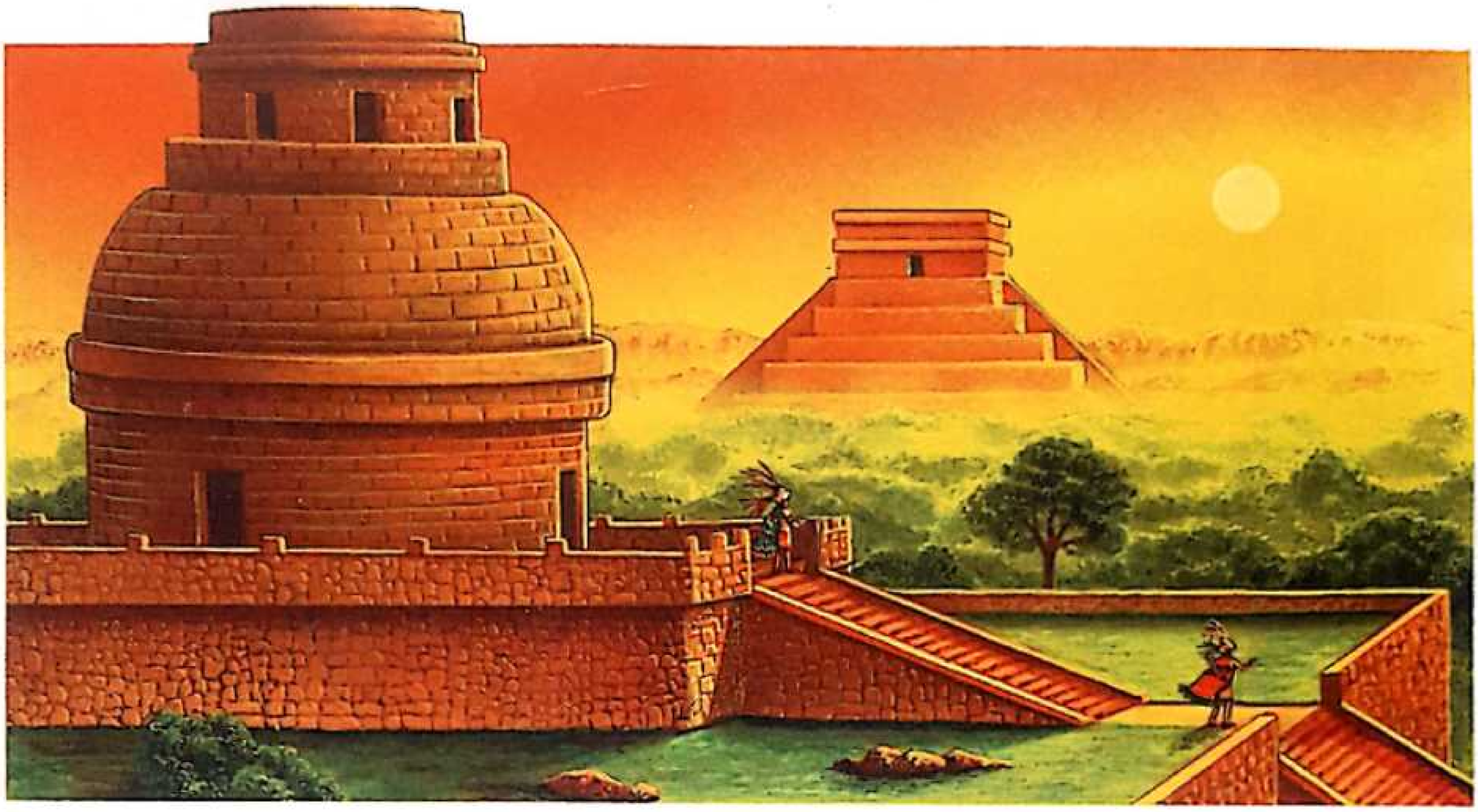

مایائی زبردست ماہرِ فلکیات بھی تھے۔ اُنہوں نے اپنے مشاہدات اور علمِ ریاضی کی بنیاد پر شمسی کیلنڈر بنا لیا تھا۔

ستاروں کا مشاہدہ

مایائی لوگ آسمان اور ستاروں کا براہ راست مشاہدہ کرتے تھے۔ صدیوں تک انہوں نے سورج، چاند اور زہرہ جیسے اجرامِ فلکی کی گردش کا مشاہدہ کیا۔ اس کے بعد وہ اہم تاریخوں اور واقعات (چاند گرہن، سورج گرہن، دن رات کا برابر ہونا) کی پیش گوئی کرنے کے قابل ہو سکے، حتیٰ کہ اُن دنوں کسی نئے محافظ دیوتا کی تقرری کا اعلان بھی ہوتا تھا۔ حقیقت میں وقت کے ہر دورانیے کا اپنا الگ دیوتا ہوتا، جس کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے نذرانے پیش کیے جاتے اور قربانیاں دی جاتی تھیں۔

کیا اُن کے ہاں رصد گاہیں تھیں؟

چیچن اٹزا (Chichen Itza) جیسے بڑے شہروں میں انہوں نے صحیح معنوں میں رصد گاہیں بنا رکھی تھیں تاکہ محقق (پجاری اور ماہرِ فلکیات) سیاروں اور ستاروں کی گردش کا مشاہدہ کر کے پیش گوئیاں کر سکیں۔

کیلنڈر

مایائی محققین نے ممکنہ حد تک غلطیوں سے پاک، شمسی کیلنڈر بنایا جو وقت کو اس طرح تقسیم کرتا تھا۔ کہ دن Kin، سال Tun، 20 دن کا مہینا Uinal اور 20 سال کا عرصہ Katun کہلاتا تھا۔ ایک بار ہر دَور کے دیوتا کے اعزاز میں ایک جشن منایا جاتا تھا۔ مایائی ایسی عمارتیں تعمیر کیا کرتے تھے جن پر سرپرست کے چہرے کی یک رُخی تصویروں کے خاکوں کی مدد سے تاریخیں لکھی ہوتی تھیں۔

مایائی، ستاروں کی گردش کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ ان کے ہاں پہلے سے رصد گاہیں موجود تھیں جو چیچن اِٹزا (Chichen Itza) کی رصد گاہوں سے ملتی جُلتی تھیں۔

ازٹک کون تھے؟

ازٹک تہذیب (Aztec civilization) نے موجودہ میکسیکو کے علاقوں میں نشوونما پائی۔ جب ازٹک باشندوں نے اپنے دارُالحکومت ٹینوخ ٹٹلان (Tenochtitlan) کی بنیاد رکھی تو مایائی تہذیب پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ دو صدیوں سے بھی کم عرصے میں، انہوں نے کولمبس کے امریکا دریافت کرنے سے پہلے وہاں **انتہائی طاقت ور مملکت قائم کر لی۔**

تقریباً 1100 عیسوی میں ازٹک کو میکسیکا (Maxica) بھی کہا جاتا تھا۔ ایک وقت تھا جب ازٹک ایک چھوٹا سا قبیلہ تھا۔ انہوں نے میکسیکو کے شمال مغرب میں واقع نیم جنگلی خطوں کو خیرباد کہہ دیا۔ ازٹک باشندے زرخیز زمینوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ غربت سے تنگ آ کر چھوٹے قبائل نے زندہ رہنے کے لیے شکار کرنا اور مچھلیاں پکڑنا شروع کر دیا۔ تاہم، ازٹک اپنے دیوتا Huitzilopochtli پر اعتقاد رکھتے تھے جس نے اُن کی رہنمائی کی تھی اور بہتر مستقبل کی خوشخبری دی تھی۔

دارُالحکومت کا قیام

تقریباً 1325ء میں میکسیکو کی وادی میں ازٹک باشندوں نے ایک عقاب کو ناگ پھنی کے پودے پر بیٹھ کر سانپ کھاتے دیکھا۔ پادریوں نے اس منظر کی تعبیر یہ بتائی کہ یہ ایک آسمانی اشارہ ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب انہوں نے اس چھوٹے سے جزیرے پر سرکنڈوں کی جھونپڑیاں بنائیں۔ اس طرح ٹینوخ ٹٹلان شہر معرضِ وجود میں آ گیا۔

ایک سلطنت کا قیام

دوسرے قبائل کی طرح، ٹپانکس (Tepanecs) قبائل نے، جو اس خطے کے حکمران تھے، ازٹک باشندوں کو اپنی رعایا بنا لیا لیکن 1428ء میں ٹینوخ ٹٹلان کے قبائل نے دوسرے دو شہروں کے ساتھ الحاق کر لیا۔ انہوں نے مل کر ٹپانکس کے غلبے سے آزادی حاصل کر لی۔ ازٹک نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنے زیرِاثر علاقے کو وسیع کرنا شروع کر دیا۔ سولہویں صدی میں ازٹک مملکت بحیرہ کریبین سے بحرِ اوقیانوس تک پھیل گئی لیکن 1519ء میں ہسپانوی حملہ آوروں کی آمد کے باعث اِس قوت کا خاتمہ ہو گیا۔

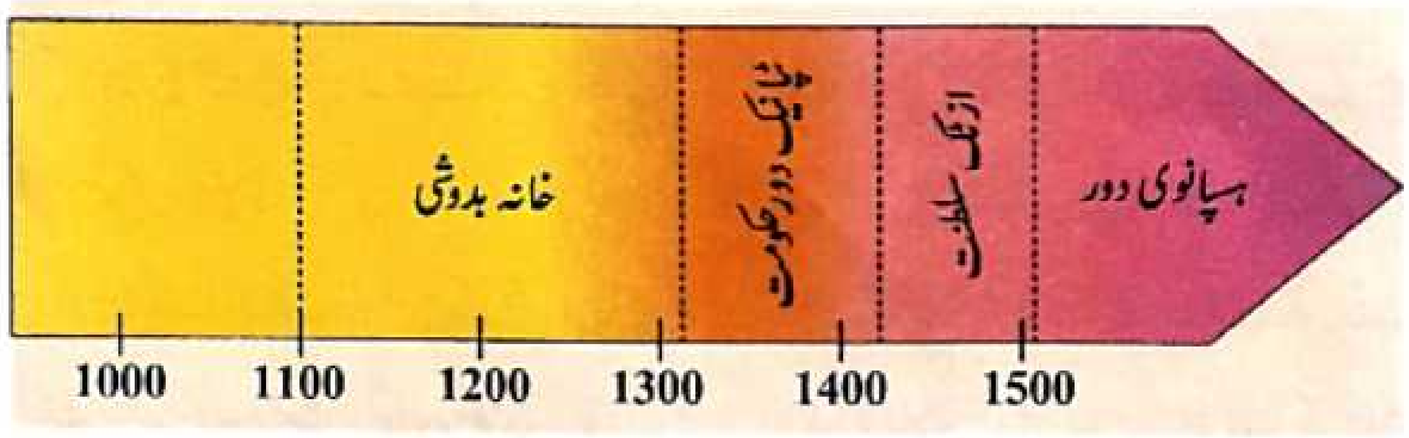

دیوتاؤں کے متعلق توہمات

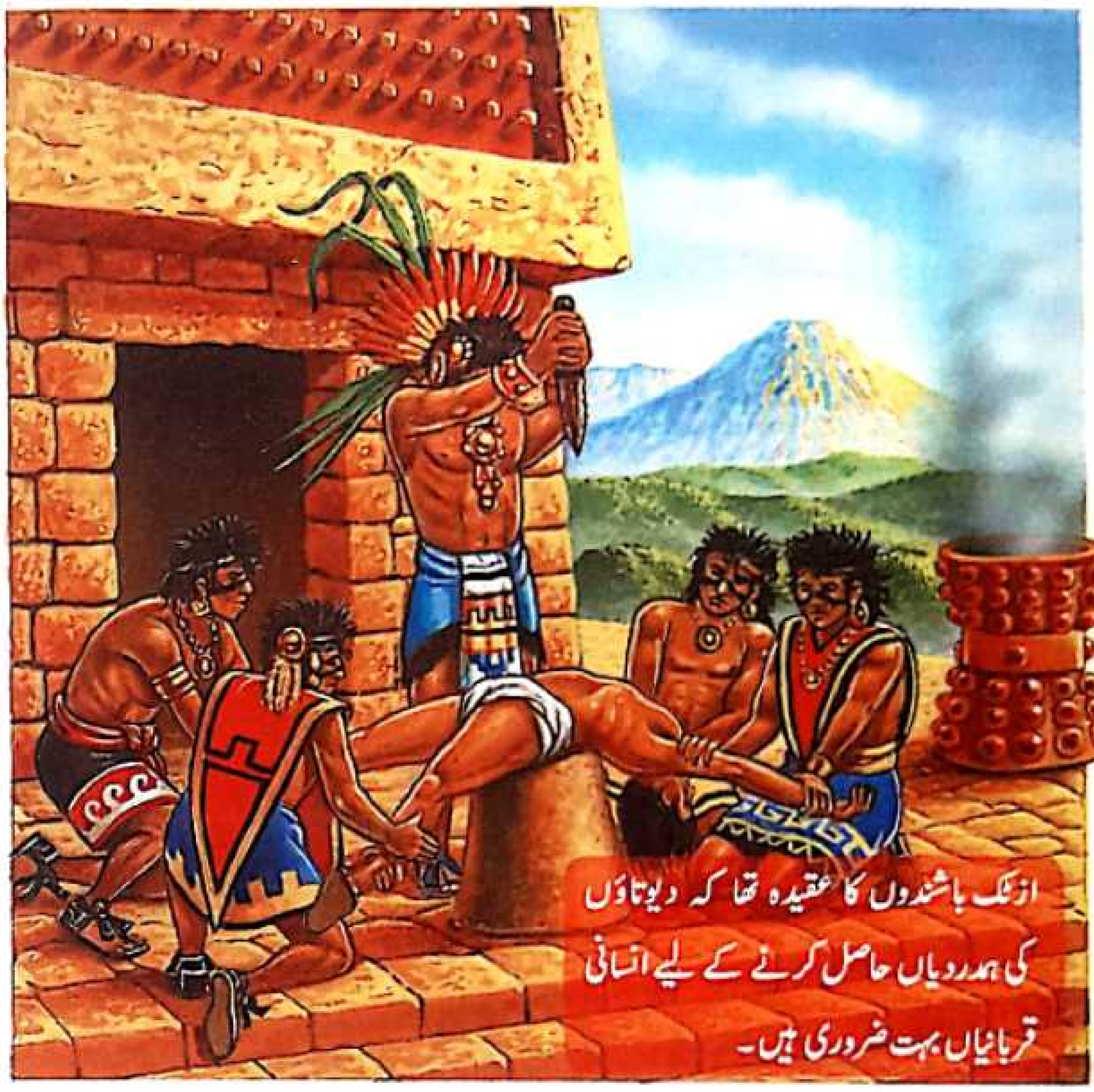
ازٹک باشندوں کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے انسانی قربانیاں بہت ضروری ہیں۔

ازٹک باشندوں کا عقیدہ تھا کہ دیوتاؤں نے اس دُنیا کو چار مرتبہ تباہ کر کے اسے ہر بار نئے سرے سے بنایا ہے۔ البتہ پانچویں مرتبہ کسی زلزلے کی نذر ہو کر زمین کے غائب ہو جانے کے امکان کو ٹالنے کے لئے وہ لوگ دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے یہ خوف اُن پر ہر گھڑی سوار رہتا کہ ممکن ہے کہ کسی سہانی صبح سورج طلوع ہی نہ ہو۔

اہم ترین دیوتا

پر دار ناگ، ٹالٹک قوم کے پجاریوں کا ایک قدیم دیوتا تھا۔ اس کا نام Quetzalcoatl تھا ۔ کہا جاتا تھا کہ اُس نے انسانوں کو مکئی، رسم الخط اور کیلنڈر کے تحفے دیئے تھے۔ ایک خاص پرندے شکر خورے (Humming bird) نے ازٹک باشندوں کی ہجرت کے وقت رہنمائی کی تھی۔ وہ اسے سورج اور جنگ کا دیوتا سمجھتے تھے۔ ازٹک اسے Huitzilopochtli دیوتا کہتے تھے اور اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ Tlaloc کے معنی زمین یا دھرتی کے ہیں۔ کسان لوگ اس دیوتا سے بہت محبت کرتے اور اس سے بہت ڈرتے تھے۔ یہ دھرتی دیوتا کی مرضی پر منحصر ہوتا کہ وہ موسم کے مطابق بارشیں بھیجے یا تباہ کُن طوفان۔

بارشیں اور دیوتا

ازٹک باشندوں کا عقیدہ تھا کہ زمین کی بقا کے لیے انسانی قربانی بہت ضروری ہے۔ اُن کے خیال میں آسمانی شراب یا انسانی خون کی خوراک لے کر دیوتا خوش ہو جاتے اور دُنیا کا خاتمہ موخر کر دیتے تھے۔ وہ بارشیں برساتے جس سے کھیت زرخیز ہو جاتے اور فصلیں محفوظ رہتیں۔ تقریبات کے موقع پر کئی دن تک انسانی قربانیاں دی جاتیں۔ اس علاقے میں 1487ء میں خون ایک ندی کی صورت بہنے لگا، کیوں کہ ہزاروں قیدیوں کو مرکزی مندر کی چھت پر قربان کر دیا گیا تھا۔

قربانی کس طرح دی جاتی تھی؟

ناچ اور گانے کے شور میں قربان کیا جانے والا آدمی مندر کی سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر چبوترے پر لے جایا جاتا تھا۔ چھت پر ایک پادری چاقو کے وار سے اس کی چھاتی کاٹ کر کھول دیتا پھر وہ اس کا دل جو ابھی تک دھڑک رہا ہوتا، کاٹ کر نکال لیتا اور سورج دیوتا کو پیش کر دیتا۔ سر کاٹ دیا جاتا اور خون مندر کی سیڑھیوں سے نیچے بہتا رہتا، اس طرح سورج دیوتا کی پیاس بجھانے کا ظالمانہ اور خوف ناک عمل جاری رہتا تھا۔

جنونی جنگ جُو

ازٹک بہت خوف ناک جنگ جُو تھے۔ وہ نئی زمینوں پر قبضہ کرنے اور دشمن پر فتح پانے اور انہیں قیدی بنانے کے لیے جنگ کرتے تھے جنہیں سورج اور جنگ کے دیوتا Huitzilopochtli کے لیے قربان کرنا ہوتا تھا۔

جنگ کیسے شروع ہوتی؟

شروع میں ازٹک کوشش کرتے کہ اُن کے دشمن ہتھیار ڈال دیں۔ دونوں طرف سے نیک خواہشات کا اظہار کیا جاتا۔ بحث مباحثے ہوتے اور تحائف کا تبادلہ ہوتا۔ جب کوئی معاہدہ ناممکن ہو جاتا تو جنگ شروع ہو جاتی۔ فریقین اپنے اپنے محبوب دیوتاؤں پر بھروسا کرتے۔ دونوں میں سے جو فریق اپنے دشمن کے مرکزی مندر کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا، وہ فاتح قرار پاتا تھا۔

بڑے سردار کا عہدہ

14 برس کی عمر سے نوجوان ازٹک جنگ میں اپنے بڑوں کی مدد کرنے لگتے تھے۔ جنگ جیتنے کی صورت میں۔ جب وہ پہلا قیدی پکڑ لیتے تو ان کے بالوں کی لٹ کاٹ لی جاتی۔ سب سے تجربہ کار اور بہادر ترین جنگجو ''ٹائیگر نائٹ'' یا ''ایگل نائٹ'' بن جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ شیر کی کھال پہن کر یا عقاب کی شکل کا ہیلمٹ پہن کر لڑ سکتے تھے۔

ہارنے کا انجام

بہت سے مفتوحہ شہر اپنا قانون، اپنے دیوتا، یہاں تک کہ اپنے بادشاہ کو بچانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اس کے لیے وہ ازٹک باشندوں کو بھاری ٹیکس ادا کرتے۔ اس طرح ازٹک دارُالحکومت کو چیتے کی کھالوں، سونے کی تختیوں اور ڈھالوں، کپاس، قیمتی پتھروں، کوکو اور قیدیوں کی فراہمی مسلسل جاری رہتی تھی۔

شہنشاہ اور عوام

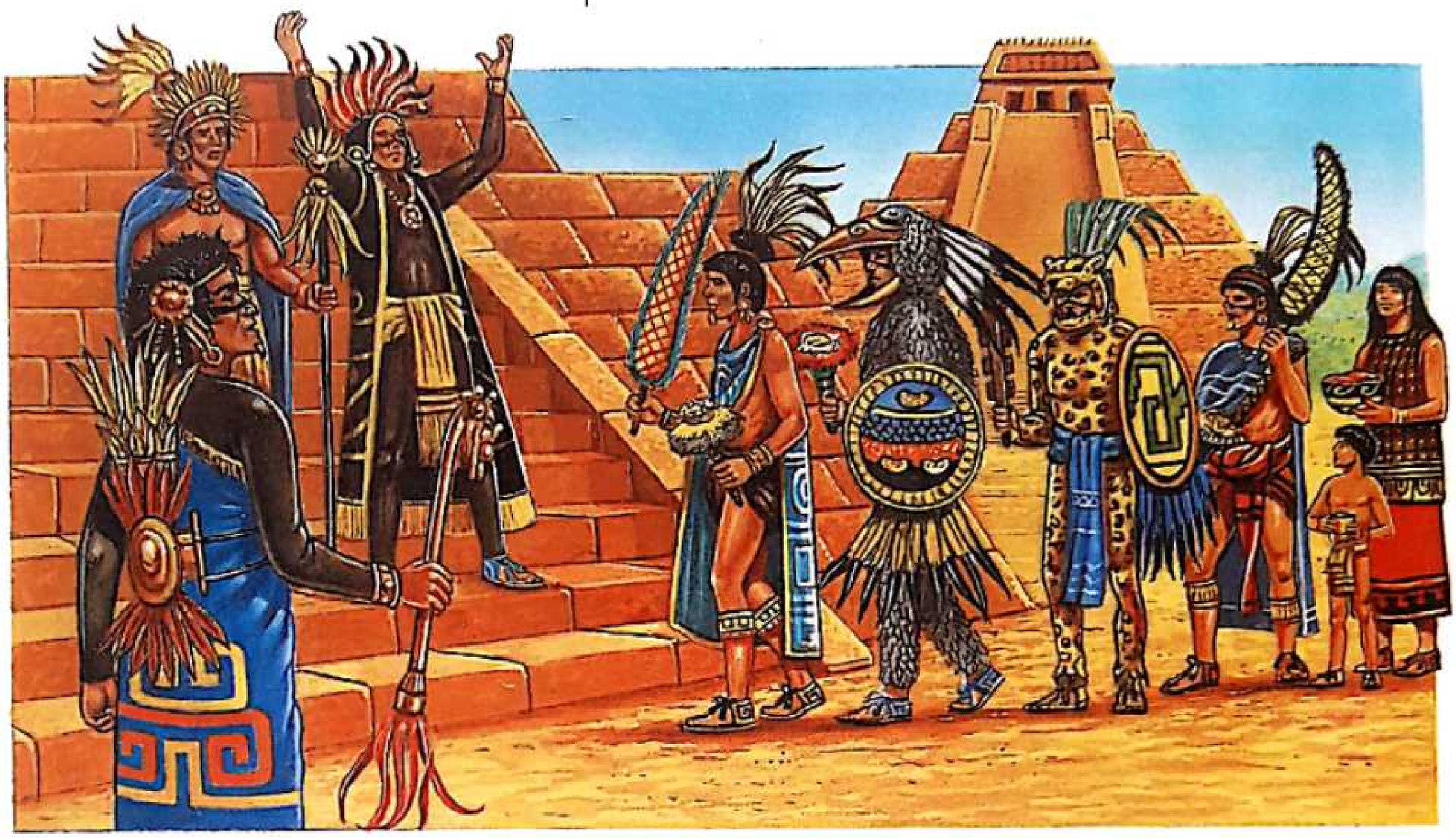

ازٹک معاشرے میں ہر فرد کا، خواہ وہ بادشاہ ہوتا یا کسان، انفرادی مقام اس کے خاندان پر منحصر ہوتا، لیکن بعض اوقات اس کی اہلیت اور قابلیت پر بھی بھروسا کیا جاتا تھا۔

شہنشاہ

جاگیردار اپنے میں سے ہی بادشاہ چُن لیتے، جسے Tlatoani کہتے تھے۔ وہ ایک ایسے ذہین جنگجو سپاہی کا انتخاب کرتے جو Calmecac نامی کالج سے فارغ التحصیل ہوتا تھا۔ اس کے بعد کسی عام آدمی کو اس کے چہرے کی طرف دیکھنے یا اُسے چھونے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ اس کا لباس پرندوں کے نایاب پروں سے بنایا جاتا، یہ لباس اُسے دیوتا کا روپ دے دیتا تھا۔ وہ پر، جو وہ پہنتا اور وہ برتن جن میں اس نے کھانا کھایا ہوتا، تباہ کر دیئے جاتے۔ وہ ایک کونسل کی مدد سے حکومت کرتا، لیکن کوئی شخص بھی اس کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتا تھا۔

اقتدار میں اعلیٰ رتبہ کیسے ملتا تھا؟

جاگیردار شاہی خاندانوں میں پیدا ہوتے تھے لیکن کچھ لوگ جنگ میں بہت سے قیدی پکڑ کر یہ اعزاز حاصل کر لیتے تھے۔ اس طرح عام کسان یا سپاہی کسی نہ کسی دن ''ایگل نائٹ'' (سردار) بننے کی اُمید کر سکتے تھے۔ اس کے بعد ان سے کوئی کام نہ لیا جاتا اور نہ ہی کسی امیر زادے کی بیگار کے لیے وقت دینا پڑتا۔ وہ اپنی زندگی سے لطف اندوز ہوتے۔ عورتوں کی رفاقت میں وقت گزارتے اور تیر اندازی کی مشق کرتے تھے۔

شہنشاہ کے جاسوس

Pochteca دولت مند سوداگر تھے جو سلطنت کے اندر اور بیرونی ممالک کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔ اُن دنوں سفر خطرناک ہوتے۔ وہ قیمتی پتھروں، کپاس، نایاب پرندوں اور قیمتی دھاتوں سے لدے پھندے واپس آتے اور شہنشاہ کو اس کی مملکت کی خوشحالی اور آبادی کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ انعامات سے نوازنے کے بعد انہیں چھوٹے موٹے کاموں اور فوجی ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا تھا۔

ازٹک بچے

ازٹک بچوں کی زندگی اپنے والدین کی زندگی جیسی ہی ہوتی تھی۔ چھوٹی عمر میں ہی وہ کام، زندگی کے دُکھ سُکھ اور محنت مشقت میں اپنے والدین کے شانہ بہ شانہ ہاتھ بٹاتے تھے۔ مدرسے اور تعلیمی ادارے انہیں اچھا شہری بننے کی تعلیم دیتے تھے۔

مستقبل کی تصویر

ماں اپنے بچے کی پیدائش پر بہت خوش ہوتی اور اسے خوش بختی کا نشان قرار دیتی تھی، لڑکا ہونے پر دایا اُسے لوری دیتے ہوئے کہتی ''تم ایک جنگجو ہو، تم دنیا میں اس لیے آئے ہو کہ اپنے دشمنوں کا خون سورج دیوتا کو پیش کرو اور اپنے جسم کا نذرانہ دھرتی دیوتا کے لیے وقف کردو۔''

اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اس پر بچپن ہی سے واضح کیا جاتا کہ ''وہ گھر کے اندر اس طرح محفوظ رہے گی جیسے جسم میں دل۔''

نوجوانوں کے اُمور

بچے روز مرّہ زندگی کے معمولات کے متعلق اپنے والدین سے سیکھتے تھے۔ چھوٹی لڑکی توے پر مکئی کی چھوٹی چھوٹی پتلی روٹیاں (tortilla) تیار کرتی اور رُوئی کاتتی، جب وہ بڑی ہو جاتی تو کپڑا بُننا شروع کر دیتی۔ باہر کام کرتے ہوئے لڑکا اُن لکڑیوں اور سرکنڈوں کے بوجھ سے دُہرا ہو جاتا تھا جنہیں وہ کم گہری جھیل سے اپنی کمر پر لاد کر لاتا تھا۔ وہ ایک چھوٹی سی کشتی پر بیٹھ کر مچھلیاں پکڑتا۔ نافرمان بچوں کو سزا دینے کے لئے آگ میں مرچیں پر ڈال کر ان کے چہروں کو اُن مرچوں کا دُھواں دیا جاتا تھا جس سے انہیں بے حد تکلیف پہنچتی تھی۔

مدرسے میں

ٹینوخ ٹٹلان (Tenochtitlon) کے ہر بچے کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل تھا۔ عام لوگوں کے بچے قریبی سکول میں چلے جاتے جب کہ لڑکے اچھے سپاہی بننے کے لئے وہاں فوجی مشقیں کرتے۔ کالج، مندر کی مقدّس جگہ پر واقع تھے اور شاہی خاندان کے بچوں کے لئے مخصوص تھے، انہیں پادری یا اعلیٰ عہدے دار بننے کی تربیت دی جاتی تھی۔

ایک شان دار شہر

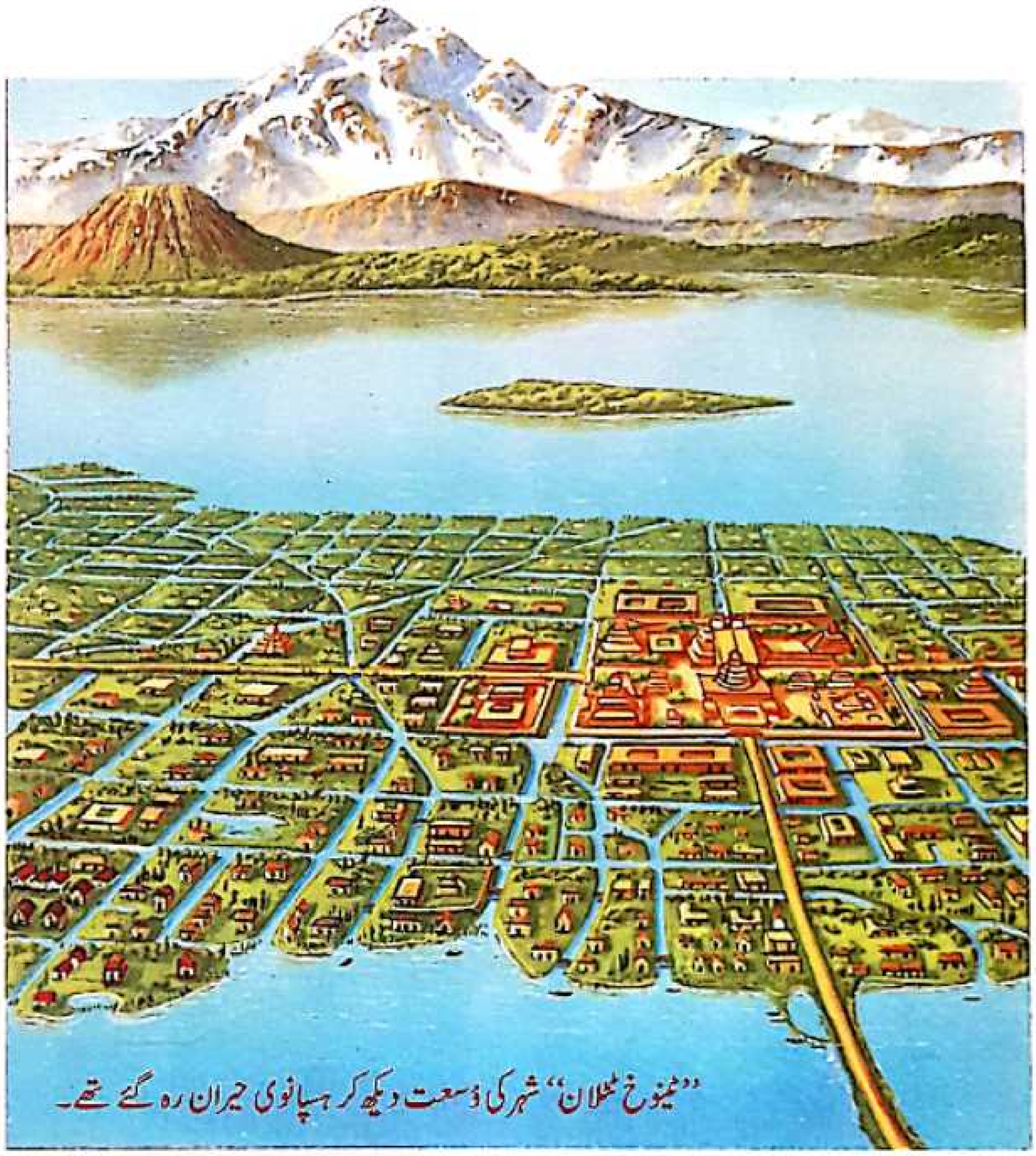

"ٹینوخ ٹلان" شہر کی وُسعت دیکھ کر ہسپانوی حیران رہ گئے تھے۔

1519ء میں میکسیکو کے ایک فاتح ہسپانوی سردار اور اس کے سپاہیوں نے یہ شہر دریافت کیا اور اس کی وُسعت دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ شہر ایک وسیع و عریض جھیل کے مرکز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ مربع شکل میں تھا اور اس کی ایک طرف کی لمبائی 3 کلو میٹر تھی۔ مرکزی مندر کی عمارت سب سے بلند تھی۔ 1521ء میں ہسپانویوں نے ازٹک قوم کی عظمت اور طاقت کے اس نشان کو صفحہ ہستی سے مٹا کر اس کی جگہ میکسیکو شہر کی بنیاد رکھی۔

جھیل میں ایک شہر

جھیل عبور کر کے ٹینوخ ٹلان پہنچنے کے لیے چار خشک راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔ یہ راستے آمدورفت کا کام دیتے تھے۔ اشیائے خوردنی اور دیگر سامان سے لدی چھوٹی چھوٹی کشتیاں جھیل میں تیرتی رہتیں تھیں اور شہر کے دروازوں پر ان کا ہجوم رہتا تھا۔ نہروں کے کناروں پر بعض اوقات بید مجنوں اور سفیدے کے درختوں کی قطاریں ہوتی تھیں، جو شہر کے چہرے پر جھریوں کی طرح نظر آتے تھے۔ یہ راستے سیدھے شاہی محل تک جاتے تھے۔ لکڑی سے بنے آٹھ پُل آبی راستوں سے گزرنے کا کام دیتے اور اطراف میں بنے پیدل چلنے کے راستوں سے منسلک ہوتے تھے۔

گلیوں اور ضلعوں میں منقسم

شہر کو مختلف ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ہر ایک ضلع کا اپنا مندر، سکول اور تہوار ہوتا تھا۔ کاریگروں کا پیشے کے لحاظ علیحدہ علیحدہ سے گروہ تھا۔ دوسری طرف شکاریوں کا محلّہ تھا جہاں جال اور پرندے وغیرہ فروخت ہوتے تھے۔ ایک اور جانب برتن سازوں کی گلی تھی۔ اس سے آگے باغبانوں کا محلّہ تھا، جہاں پھولوں کی خوشبوئیں، پھل، شہد اور پیاز دستیاب ہوتے تھے۔ کچھ فاصلے پر ایک گلی میں جاگیرداروں کے خوب صورت گھروں کی قطار تھی اور خشک گارے اور تنکوں سے بنے کسانوں کے چھوٹے چھوٹے گھر تھے۔

عبادت گاہ

ایک اہم جگہ شہر کے مرکز میں ہوتی تھی۔ اس کے احاطے میں بہت سے مندر اور کھیلنے کا میدان ہوتا تھا، جسے Calmecac کہتے تھے۔

یورپی باشندوں کی آمد

خوب صورت پروں سے سجا تاج جو ازٹک شہنشاہ نے ہسپانوی سردار کورٹس کو پیش کیا۔

8 نومبر 1519ء کے دن ازٹک شہنشاہ مانٹے زوما Montezuma نے ٹینوخ ٹٹلان شہر کے دروازوں پر ہسپانوی فاتحین کے چیف ہرنام کورٹس (Hernam Cortes) کا خیرمقدم کیا جو کچھ دیر پہلے ساحل پر لنگرانداز ہوا تھا۔ شہنشاہ نے چیف کو ہیروں اور قیمتی پتھروں کا ایک ہار پیش کیا۔ یہ ملاقات ایسے لوگوں میں ہوئی جن کی تہذیبیں ایک دوسری سے انتہائی مختلف تھیں اور ان میں سے ایک کو ختم ہونا تھا۔

ہسپانویوں کے متعلق ازٹک قوم کا نکتہ نظر

ازٹک باشندوں کے لیے اپنے سے مختلف طرزِ زندگی رکھنے والے انسان، اُن کے بحری جہاز، زبان اور سازو سامان سب نئی اور حیران کُن چیزیں تھیں۔ خوف اور حیرت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ ازٹک باشندوں نے اُس عجیب وغریب مخلوق (ہسپانویوں) کا استقبال کیا، جو پہاڑوں (بحری جہازوں) پر سوار ہو کر اِدھر اُدھر آتے جاتے، اکثر وہ بڑے بڑے بارہ سنگوں (گھوڑوں) پر بھی سوار ہو جاتے تھے۔ چہرے کے علاوہ ہسپانویوں کا پورا جسم لباس سے ڈھکا ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ بالوں کی زرد رنگت کی وجہ سے بد شکل نظر آتے تھے۔ ازٹک باشندوں کا عقیدہ تھا کہ وہ اُن دیوتاؤں کو دیکھ رہے ہیں جن کی آمد کی اطلاع انہیں علامتوں کے ذریعے سالوں پہلے مل چُکی تھی۔

ہسپانویوں کی نظر میں ازٹک باشندے

ہسپانوی عیسائی ازٹک قوم کی مذہبی سرگرمیوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے۔ انہیں یقین تھا کہ ان لوگوں پر شیطان نے غلبہ پا رکھا ہے کیوں کہ وہ انسانی قربانیاں دیتے اور ان کا گوشت کھاتے تھے لیکن وہ جنگلی قوم سونے کے بہت بڑے خزانے کی مالک تھی جب کہ وہ خود ہیروں اور سبز رنگ کے قیمتی پتھروں کو پسند کرتے تھے۔

سلطنت کا زوال

دو مختلف قوموں کے لوگ بہت جلد محاذ آرائی پر اُتر آئے۔ بالآخر ازٹک اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ عجیب وغریب اجنبی، دیوتاؤں سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، چنانچہ انہوں نے بغاوت کر دی۔ ہسپانوی تعداد میں تھوڑے تھے لیکن انہیں وہاں کے انڈین قبائل کی حمایت حاصل تھی جو ازٹک باشندوں کے دشمن تھے جیسا کہ ٹپانک باشندے۔ تین ماہ کی شدید مزاحمت کے بعد ٹینوخ ٹٹلان، 13 اگست 1521ء کو ہسپانوی تسلط میں آ گیا، اس کے بعد ازٹک سلطنت ہسپانوی بادشاہت کا حصہ بن گئی۔

اہلِ انکا کی تاریخ

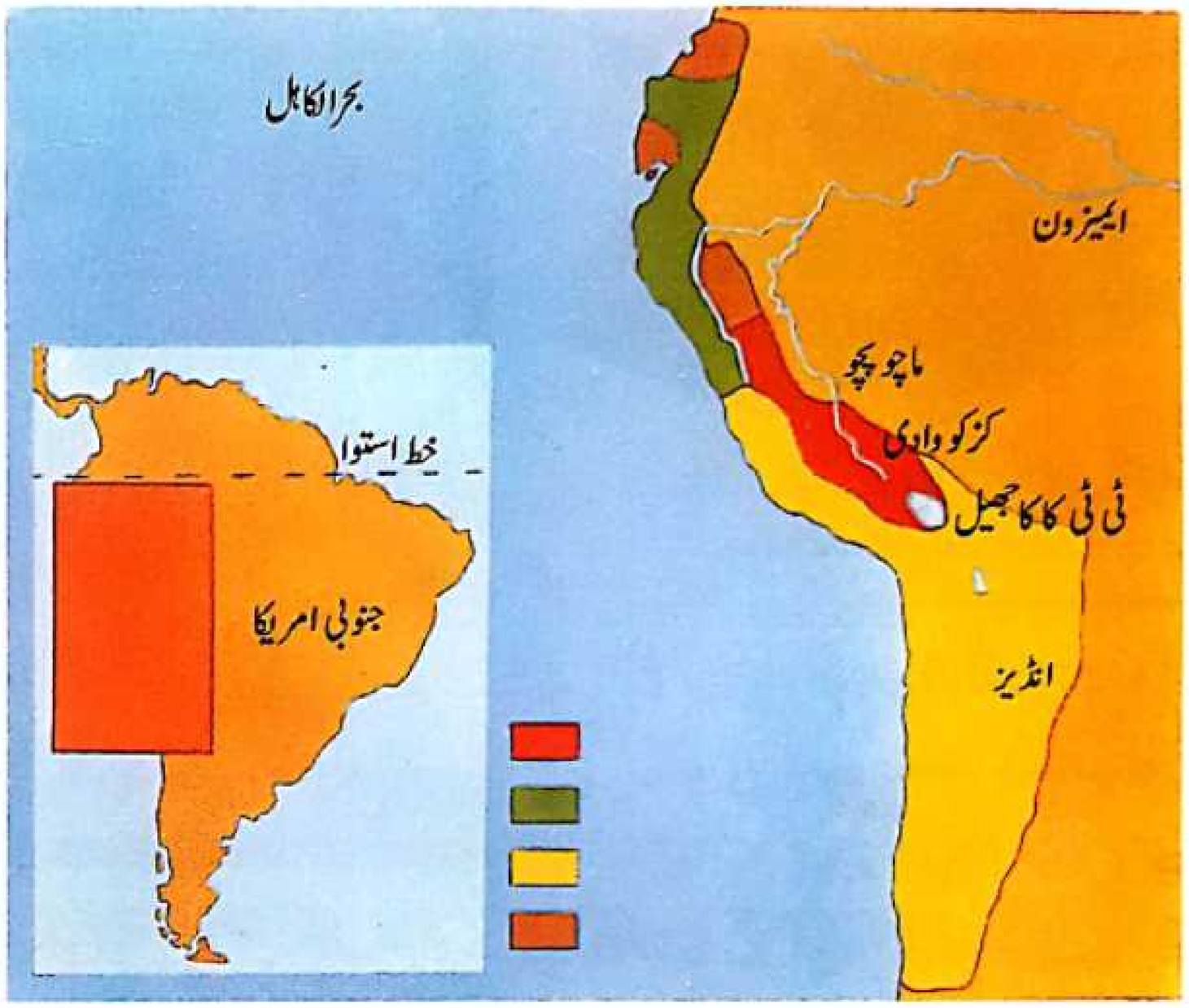

انکا(Inca) کی وسیع و عریض سلطنت نے جنوبی امریکا کے کوہِ اینڈیز (Andes cordillera) کے قلب میں جنم لیا۔ اس کے باشندے اسے Tahuantinsuyu یعنی ''چہار سمتی سلطنت'' کہتے تھے۔ اگرچہ اہلِ انکا لکھنا نہیں جانتے تھے اور نہ ہی لوہے کا استعمال کرنا جانتے تھے لیکن وہ اپنی وسیع سلطنت کا انتظام اور مفتوحہ علاقوں کا بندوبست کرنے کے فن میں خوب ماہر تھے۔

اِنکا قبیلہ

تقریباً 1200ء کے لگ بھگ نیم بدوی قبیلے انکا نے، جو کزکو (Cuzco) وادی میں رہتا تھا، ہمسایہ لوگوں پر اپنا قانون نافذ کر دیا۔ دو صدیوں بعد، یہ سلطنت شمال سے جنوب تک 4500 کلو میٹر کے علاقے تک پھیل گئی۔ تقریباً ایک سو قبائل شہنشاہ کے تابع فرماں تھے۔ مفتوحہ علاقے کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا، جن میں سے ایک حصہ کسانوں کی ملکیت میں رہنے دیا جاتا لیکن کاشتکاروں کو زمین کا دوسرا حصہ بھی کاشت کرنا پڑتا جس کی فصلیں شہنشاہ کے لیے مخصوص ہوتیں اور کسان وہ تیسرا حصہ بھی کاشت کرتے جس کی فصلیں سورج دیوتا انتی (Inti) کی نذر کی جاتی تھیں۔

اتنی وسیع سلطنت پر حکومت کس طرح کی جاتی تھی؟

شہنشاہ بعض اوقات عوام کے لیے بے حد رحم دل ثابت ہوتا اور بعض فیصلوں کے معاملے میں بے حد ظالم اور سنگ دل بن جاتا۔ وہ اکثر اوقات لوگوں کی بہت بڑی تعداد کو، جو اس کے مخالف ہوتے، ان کے گھروں سے ہزاروں کلو میٹر دُور منتقل کر دیتا۔ ملک بدر ہونے کے بعد وہ اہلِ انکا کے مطیع ہو جاتے تھے۔ پوری سلطنت میں سرکاری احکامات پہنچانے کے لیے شہنشاہ نے ہزاروں کلو میٹر لمبی پختہ سڑکیں بنوائی تھیں۔ پیغام لے جانے والے فاصلہ طے کرنے کے لیے باری باری دوڑتے تھے۔ اس طرح پیغام 4 دنوں میں 700 کلو میٹر فاصلہ طے کر کے اپنی منزل تک پہنچ جاتا تھا۔

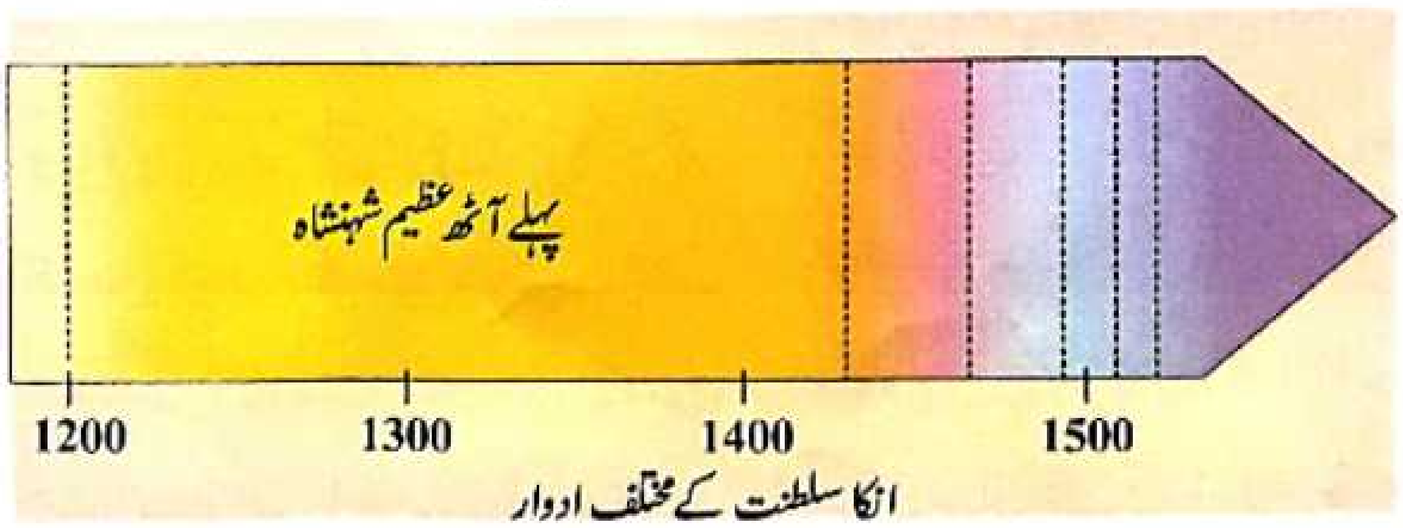

انکا سلطنت کے مختلف ادوار

اِنکا کا شہنشاہ

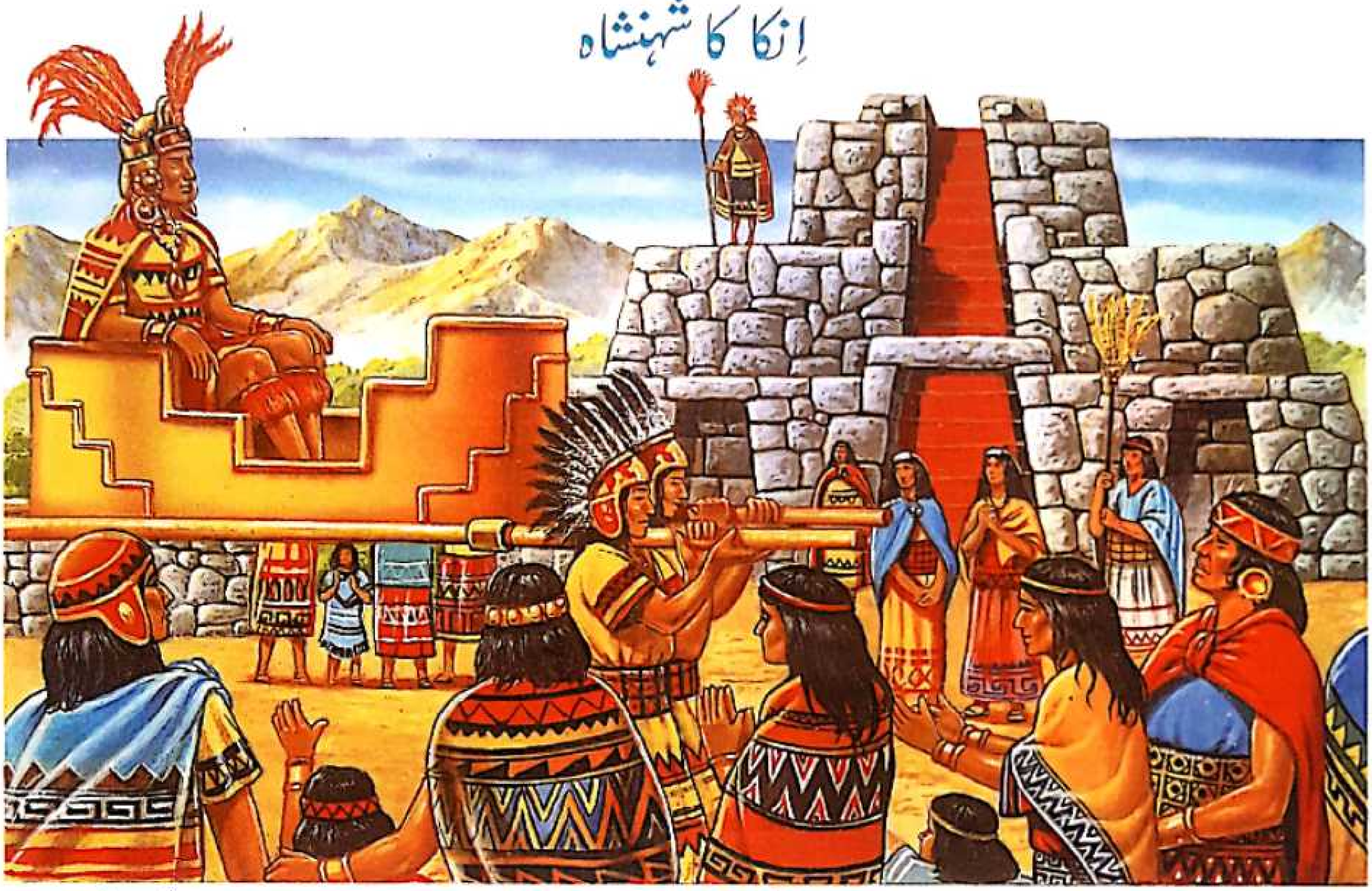

باپ کے بعد بیٹا شہنشاہ بنتا، اس طرح انکا سلطنت کے یکے بعد دیگرے 13 سربراہِ مملکت بنے۔ روایات کے مطابق، مانکو کاپاک (Manco capac) نے تیرھویں صدی میں اپنے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ تاریخ کے مطابق پاچاکیوٹی یوپنگیوئی (Pachacuti Yupangui) (1471ء۔1438ء) پہلا شہنشاہ تھا، جس نے جانشینوں کے ساتھ مل کر ایک ایسی سلطنت قائم کی جسے تباہ کرنا آسان نہ تھا۔

مقدّس شخصیت

اہلِ انکا، شہنشاہ کو نصف دیوتا مانتے تھے، جس کا باپ انتی (Inti) یعنی سورج دیوتا ہوتا۔ اس نے اِنکا قبیلے کی حکومت قائم رکھنے کے لیے اپنی بہن سے شادی کی جو کویا (Coya) یعنی ملکہ بن گئی لیکن وہ اعلیٰ خاندانوں کی خوب صورت نوجوان لڑکیوں میں بھی گھِرا رہتا۔ شہنشاہ اتاہوالپا (Atahualpa) کی 5000 ہزار سے زائد خادمائیں تھیں۔ اس کی مّوت کے بعد اس کے جسم پر روغن مل دیا گیا۔ اس کی حنوط شدہ لاش (mummy) کی کسی دیوتا کی طرح پوجا کی جاتی تھی۔

بادشاہ کی آمد

شہنشاہ ہمیشہ کئی رنگوں کے کپڑے اور قیمتی جواہرات پہن کر منظرِ عام پر آتا تھا۔ اس کی پیشانی پر سُرخ اُون کی جھالر لٹکی ہوتی، جس پر سونے کی تاروں سے بنا کام ہوتا تھا۔ اس کے کانوں میں سونے کی بالیاں چمک رہی ہوتیں۔ کوئی آدمی اُسے چُھو نہیں سکتا تھا اور نہ ہی کسی کو اُس کا چہرہ دیکھنے کی اجازت تھی۔

اِنکا قبیلے کے اختیارات

اِنکا، سلطنت کا واحد حکمران قبیلہ تھا۔ افسروں، سپاہیوں اور پادریوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس کے فیصلوں پر عمل درآمد کراتی۔ یہ فوج کی کمان کرتا، ٹیکس کی رقم کا تعین کرتا اور عوامی بھلائی کے کاموں کا فیصلہ کرتا۔ وہ پوری مملکت میں سورج دیوتا کی اطاعت کی تبلیغ کرتا اور بڑی بڑی تقریبات کی صدارت کرتا تھا۔

عقائد

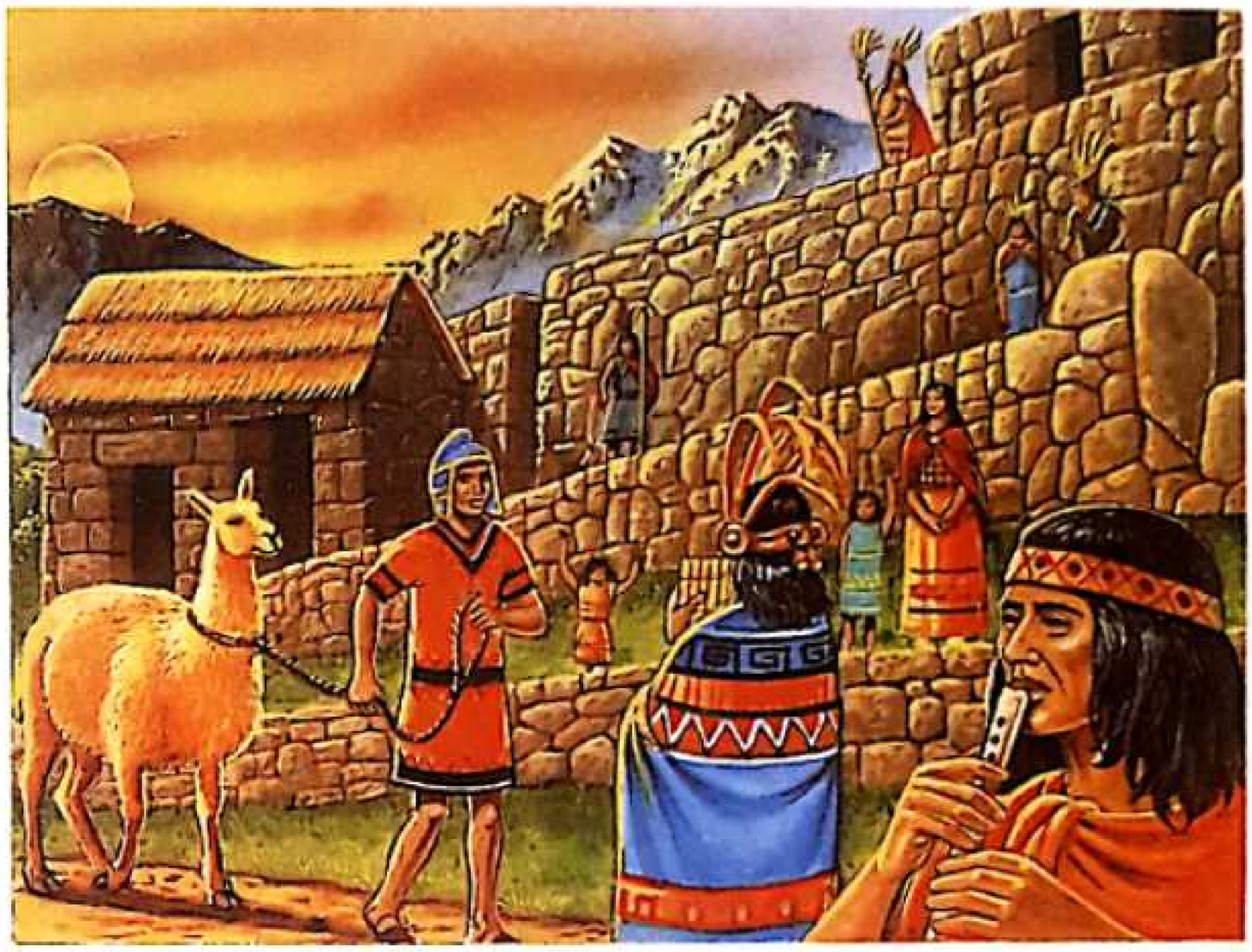

اینڈیز (Andes) کی وسیع و عریض سلطنت کے باشندے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ سورج، پہاڑوں اور دریاؤں میں آسمانی طاقت موجود ہے۔ اپنی عبادتوں اور قربانیوں کے عوض وہ اُن سے فوائد کی توقع رکھتے تھے۔ وہ روح کے لافانی ہونے پر بھی یقین رکھتے تھے۔

مرکزی دیوتا

اِنکا قبائل کے سب سے بڑے دیوتا اُن کے آباؤ اجداد ہوتے تھے یعنی سورج۔ وہ اس کی بہن چاند کی بھی عزت کرتے تھے۔ وہ آسمانی بجلی کے دیوتا کے غضب سے بھی ڈرتے تھے جو تباہ کُن ژالہ باری بھیجتا لیکن ساتھ ہی مفید بارش بھی۔ اِنکا قبائل اپنے عقیدے کے مطابق انسانی تخلیق کے دیوتا ویراکوچا (Viracocha) کو اپنی حفاظت کے لئے پکارتے تھے۔ کسانوں کی مخصوص عقیدت پاچا ماما (Pacha Mama) کے لیے وقف ہوتی جو دھرتی ماں کی دیوی تھی اور اُنہیں قائم رکھتی تھی۔

مردوں کی عزّت کی جاتی

کوہِ اینڈیز کے یہ باشندے اپنی عبادت کو اپنے آباؤ اجداد سے منسوب کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مرنے والے اگلی دُنیا میں دوبارہ جنم لے لیتے ہیں۔ عام آدمی مرتا تو اُسے دفن کر دیا جاتا جب کہ شہنشاہ اور امیرزادوں کے مردہ جسموں پر روغن ملا جاتا تھا کیوں کہ اُن کے عقیدے کے مطابق ان کی روحیں آسمان پر دیوتاؤں کی دُنیا میں واپس چلی جاتی تھیں اور ان کی حنوط شدہ لاشیں بیماریوں سے شفا کی قوت رکھتی تھیں۔

تہواروں کے موقع پر ممیوں کی موجودگی

ہر سال نومبر کے مہینے میں اِنکا قبیلے کی ممیاں باہر نکال کر محل میں یا کزکو (Cuzco) کے مرکزی چوک میں لے جائی جاتی تھیں۔ اُنہیں ایک سونے کی کرسی پر رکھ کر اس طرح خوراک دی جاتی جیسے وہ زندہ ہوں۔ اس دوران تہوار کی تقریبات بانسریوں اور تنبوروں کی دھن پر جاری رہتیں تھیں۔

انکائی حنوط شدہ لاش

روحوں کو ہواکاس (Huacas) کہا جاتا تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ روحیں مختلف جگہوں مثلاً پہاڑوں، جھیلوں وغیرہ میں رہائش رکھتی ہیں۔ بعض اوقات انہیں اور ان کے پجاریوں کو نذرانے اور قربانیاں دے کر ان کی عزت افزائی کی جاتی تھی۔

کوہِ اینڈیز کے کسان

جنوبی امریکا کے کوہستانِ اینڈیز میں زندگی آسان نہ تھی۔ وہاں کے کسان، جن کا عقیدہ تھا کہ وہ سب ایک باپ دادا کی اولاد ہیں، روزانہ ایک دوسرے کی مدد کرتے، خاص طور پر ہل چلانے میں۔

امدادِ باہمی

زمین سب کی ملکیت تھی۔ گاؤں کا سردار اُسے حصوں میں تقسیم کر دیتا۔ گاؤں کے تمام لوگ، بزرگوں، اپاہجوں اور یتیموں کے کھیتوں اور زمینوں کی کاشت میں اُن کی مدد کرتے تھے۔ یوں سب مل کر اجتماعی محنت کرتے اور اُس کا فائدہ اٹھاتے تھے۔ اُن کے علاقوں میں پائی جانے والی بھیڑوں alpacas اور lamas کے گلوں کی اُون اور گوشت کے بھی برابر حصے ہوتے تھے۔

گہری ڈھلانوں پر کھیتی باڑی

کسان اینڈیز کے پہاڑوں کی بل دار بلندی سے گھبراتے نہیں تھے۔ وہ بڑی محنت سے اپنے لکڑی کے اوزاروں سے زمین کو ہموار کرتے اور چھوٹی چھوٹی دیواروں کی تعمیر کے لیے پتھر ڈھو لیتے تھے۔ اس طرح وہ صِرف اپنے ہاتھوں کی مدد سے ایک قسم کی دیوقامت سیڑھیاں اور چبوترے بنا لیتے تھے۔ وہ ان بلند چبوتروں پر مکئی، لوبیا، آلو اور نشاستہ دار پودا کساوا (cassava) کاشت کرتے تھے۔

کاشت کار اپنے بنائے ہوئے اوزار (tacalla) سے زمین ہموار اور نرم کر لیا کرتے تھے۔

گھر میں

عورتیں چولہے کے پاس بیٹھ کر کھانا تیار کرتیں، جو زیادہ تر چنو (Chuno) یعنی آلو کی خشک پیسٹ پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اُون کاتتے ہوئے مکئی کے دانوں کو دیر تک چبا کر کسی جگ میں تھوک دیتیں، پھر اس میں پانی ملا کر اُس لئی بھرے جگ کو زمین میں دبا دیتیں۔ کافی دنوں بعد جب وہ اس محلول کو نکالتیں تو وہ تیز الکوحل بن چکا ہوتا، جسے چیچا (Chicha) کہا جاتا تھا۔

اِنکائی بچے

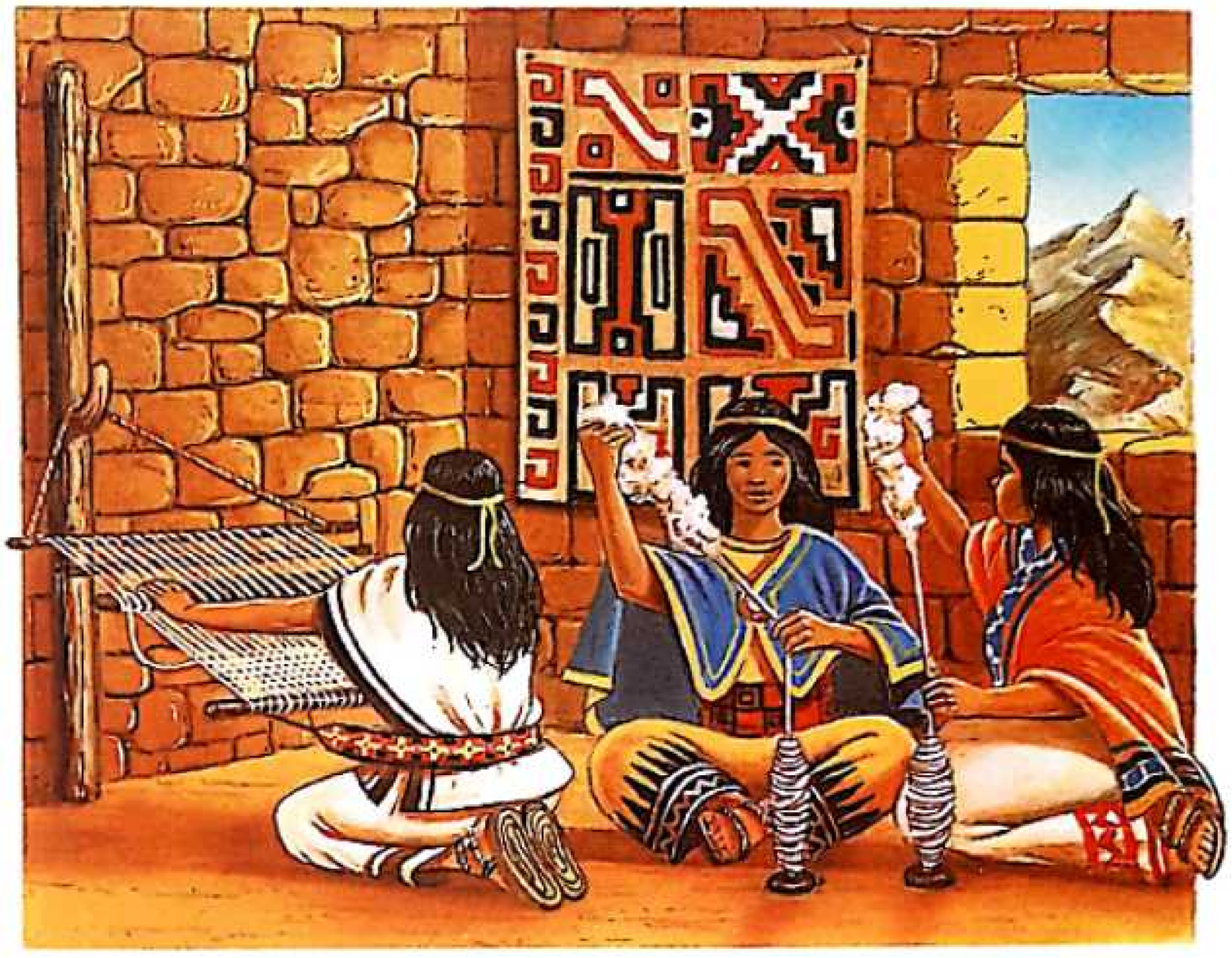

اِنکا لوگ اپنے بچوں کو مشکل ترین زندگی گزارنے کی تربیت دیتے تھے۔ وہ انہیں ایسے کمزور انسان بنانے سے خوف کھاتے تھے، جو مشکل اور پُرمشقت زندگی کا سامنا نہ کر سکیں۔

نوزائیدہ بچے

پیدائش کے بعد، بچہ پہلے چند ماہ لکڑی کے پنگھوڑے میں گزارتا تھا۔ چیخنے چلانے کے باوجود، ماں اُسے، اِس خوف سے کہ کہیں اُس کے کپڑے خراب نہ ہو جائیں، اپنی گود میں نہ اُٹھاتی تھی۔

نوزائیدہ بچے کو ٹھنڈے پانی سے نہلایا جاتا تھا تاکہ وہ ایک سخت جان اور مضبوط انسان بنے۔

نوعُمر لڑکے

پوری سلطنت میں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی تھیں۔ کچھ بچے انکا زبان Quechua سیکھنے سکول جاتے تھے۔ ایسے بچے بڑے ہو کر اعلیٰ افسر بنتے، مثال کے طور پر، شہنشاہ کے جاسوس۔ اکثر نوعمر کاشت کار اپنے آپ کو بھیڑیں پالنے میں مصروف رکھتے تھے۔

اُمرا کے بیٹوں کے سنِ بلوغت میں داخل ہونے پر دسمبر کے آخر میں ایک مذہبی تقریب منائی جاتی تھی۔ نوعمر لڑکے پہاڑوں پر چڑھنے کی رسوم ادا کرتے۔ بعد میں انہیں جنگجو کے عہدے کا نشان اور خاندان کے مستقبل کے سربراہ کا طغرہ دیا جاتا جو اسلحے اور باریک لمبی پٹیوں کی سکرٹ پر مشتمل ہوتا تھا۔

اکلا کون تھیں؟

اکلا (aclla) وہ نوجوان لڑکیاں ہوتیں جن کا انتخاب شہنشاہ کے افسران گاؤں میں سے کرتے۔ وہ اُن میں سے بعض کو حرم میں داخل کر لیتے تھے۔ دوسری لڑکیوں کو وہ اپنے انتہائی وفادار سرداروں کو پیش کر دیتے۔ وہ جو مندر کے لیے منتخب کر لی جاتیں، وہ مذہبی تہواروں پر کھانا تیار کرتیں اور شہنشاہ اور اس کے خاندان کے پہننے کے لیے لاما سے مشابہ جانور کی اُون سے کپڑا تیار کیا کرتی تھیں۔

اِنکائی شہر

اِنکا دلیر ماہرِ تعمیرات تھے۔ انہوں نے دُور دراز وادیوں کو قابلِ کاشت کھیتوں میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے عظیم الشان قلعے بنائے اور دریاؤں اور کوہستانِ اینڈیز کی ڈھلانوں پر معلّق پُل تعمیر کیے۔

ماچوپچو

ماچوپچو کا فصیل دار شہر، جو 2000 میٹر بلند ایک پہاڑی چٹان پر واقع تھا، آج بھی ایک سربستہ راز بنا ہوا ہے۔ ایسی جگہ جہاں پہنچنا ہی ممکن نہیں، اس کی تعمیر ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔ پتھر کے ٹکڑے جو بعض اوقات 7 میٹر سے بھی زیادہ اُونچے ہوتے تھے، انہیں کاٹ کر انتہائی مناسبت سے اپنی جگہ پر جمایا گیا تھا۔ یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ یہ شہر ''اکلا'' عورتوں کے لیے تعمیر کیا گیا تھا، کیوں کہ وہاں سے مردوں کی نسبت کہیں زیادہ عورتوں کے ڈھانچے ملے ہیں۔ ماچوپچو، اینڈیز طرز کے شہروں کی طرح تھا۔ یہ ایسے دیہات تھے جہاں گھر پتھروں سے بنائے گئے تھے اور چھوٹے چھوٹے مربع نُما چبوترے بھی شامل تھے جب کہ کاشتکاری کے لیے مخصوص علاقہ آبادی سے باہر ہوتا تھا۔

معلّق پُل

اُس خطے میں کھائیاں اور دریا جو سیلاب کے زمانے میں خطرناک ثابت ہو سکتے تھے، عبور کرنے کے لیے انکا نے مضبوط رسوں کی مدد سے معلّق پُل بنائے، جن سے لوگوں، جانوروں اور اشیا کے لیے دریا اور علاقے عبور کرنا ممکن ہو گیا۔

اہلِ یورپ کی آمد

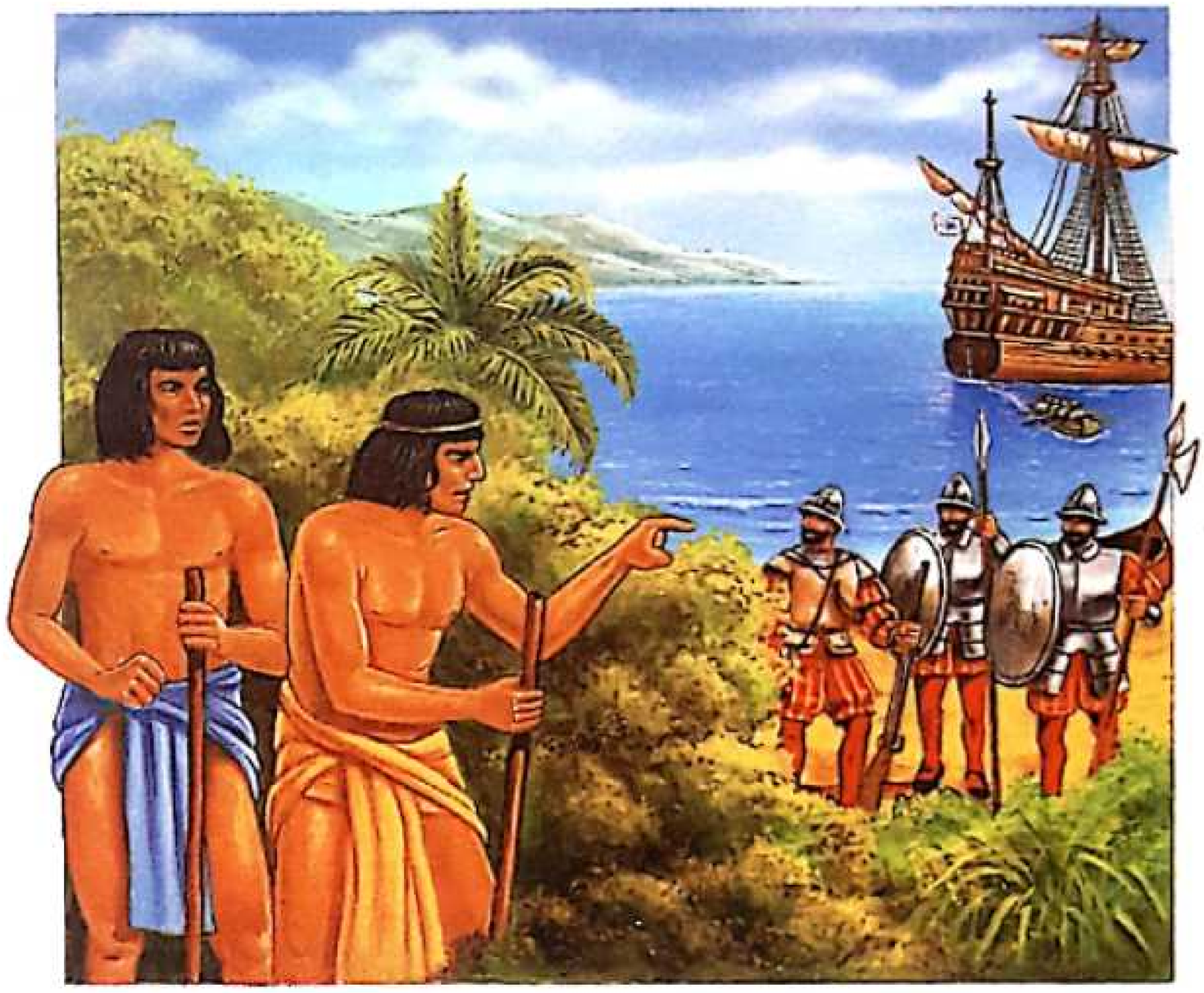

اُس وقت جب ہسپانوی فاتح پیزارو (Pizarro) جزائر غرب الہند میں تجارتی معاملات طے کرنے میں مصروف تھا، اُسے کیلیفورنیا کے کوہستانِ اینڈیز کے عین وسط میں ایک سلطنت کی موجودگی کا علم ہوا۔ کہا جاتا تھا کہ وہاں سونا باافراط موجود تھا۔ 1531ء میں اُس نے 180 سپاہیوں کے ساتھ اپنی اُس نئی مہم کا آغاز کیا۔

سلطنت کی دریافت

ہسپانوی، کوہ اینڈیز میں دُور تک گھستے چلے گئے۔ وہ پختہ سڑکوں کی مدد سے راستے تلاش کرتے گئے اور انہوں نے معلّق پُلوں کی مدد سے گھاٹیاں عبور کیں۔ بالآخر ہسپانویوں نے بہترین منظّم شدہ سلطنت دریافت کر لی۔ جہاں تک انڈینز کا تعلق تھا، انہوں نے اپنے ابتدائی خوف پر قابو پایا اور آنے والے اجنبیوں کا حوصلے سے استقبال کیا۔

ایک کہانی یا سچا واقعہ

یہ سفید فام لوگ کیا چاہتے تھے؟ یہ جاننے کے لیے شہنشاہ اتاہوالپا (Atahualpa) یورپیوں کے سردار سے ملاقات کرنے پر رضا مند ہو گیا۔ اِنکا سردار اور اُس کے لوگ انتہائی قیمتی کپڑوں میں ملبوس ہو کر آئے۔ بائبل کا ایک نسخہ انہیں پیش کیا گیا۔ ایک مترجم کے ذریعے بتایا گیا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ آتا ہوالپا نے کتاب لے لی لیکن اس نے اُس نئے دیوتا کے متعلق سُنا نہیں تھا، اس لئے اس نے اس چیز کو زمین پر پھینک دیا۔ پیزارو طیش میں آ گیا اور اس نے حملہ کرنے کا اشارہ دیا۔ توڑے دار بندوقوں (پرانے زمانے کی بندوقیں) کے فائر کے دھماکوں اور گھڑ سوار دستے کے حملے سے انڈینز خوفزدہ ہو گئے۔ اِنکا شہنشاہ جسے چھُوا یا دیکھا نہ جا سکتا تھا، قیدی بنا لیا گیا۔

آخری اِنکا کا خاتمہ

شہنشاہ نے آزاد ہونے کے لیے ٹنوں کے حساب سے سونا اور چاندی پیش کی، جس کے ہسپانوی حریص بھی تھے لیکن پیزارو کو شک گزرا کہ انکا بغاوت کر دیں گے، لہٰذا اس نے اسے سزائے موت دے دی۔ اس کی موت کے ساتھ ہی عظیم الشّان اِنکا سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

طلائی مجسمے جو انکائی سلطنت کے خزانوں کا حصہ تھے۔

بحری قزّاق

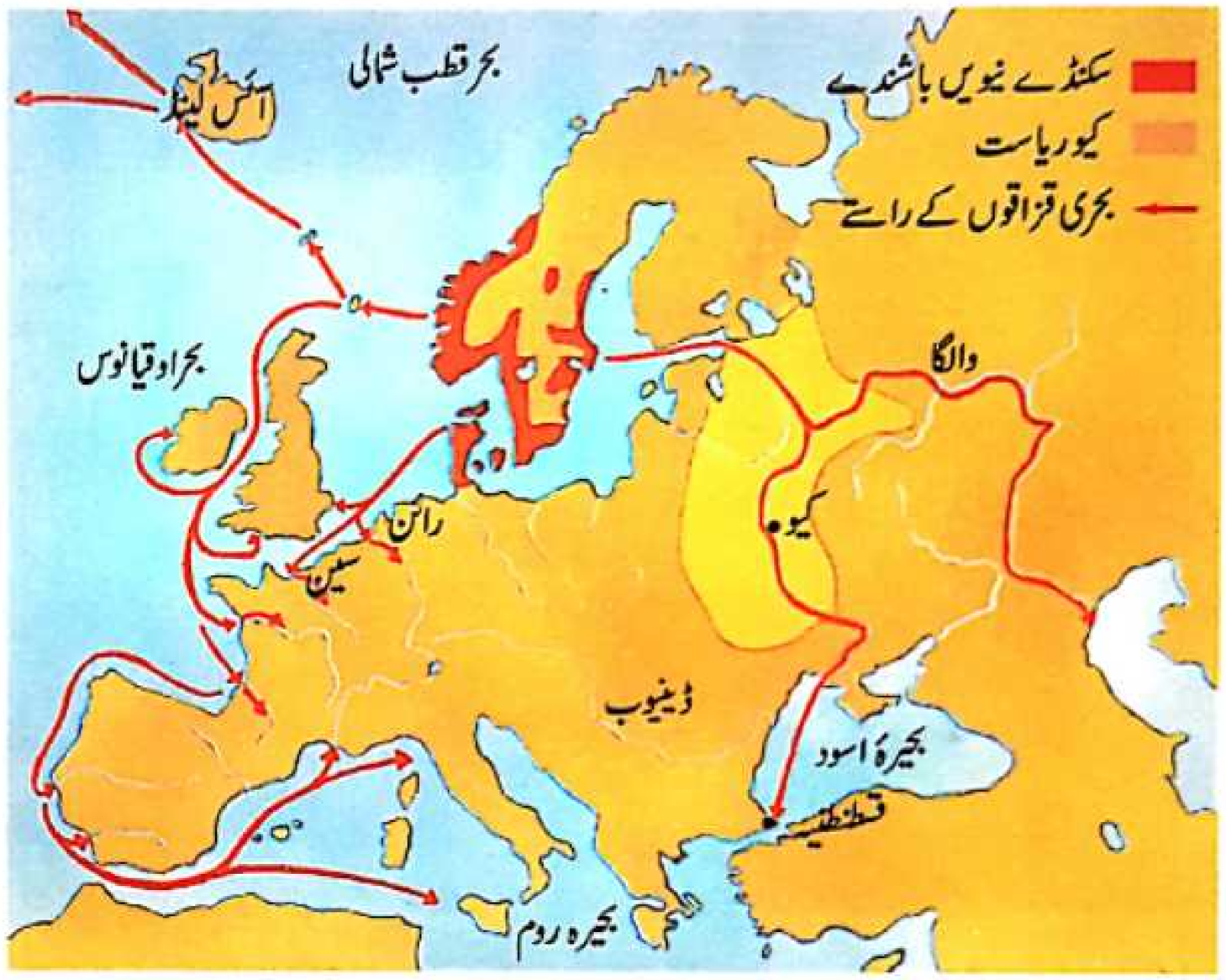

یورپ کے شمال میں واقع سکنڈے نیویا میں ڈنمارک، ناروے اور سویڈن کے لوگ آباد تھے۔ وہ تقریباً سب کے سب کاشت کار اور مویشی پال تھے۔ سب کا رسم الخط ایک ہی تھا یعنی رون رسم الخط (runes)۔ آٹھویں اور گیارھویں صدی کے درمیانی عرصے میں، انہوں نے خزانوں اور شہرت کے حصول کے لئے سمندروں میں سفر کیا اور یوں یہ سمندری جنگجو "وائی کِنگ" یعنی بحری قزّاق کہلائے۔

ناقابلِ کاشت زمین

سکنڈے نیویا کی وسیع و عریض زمینوں پر اکثر برف جمی رہتی تھی اس لیے وہ زیادہ زرخیز نہ تھیں۔ یہاں کے باشندے عموماً بھیڑیں پالتے تھے۔ جنگلوں، جھیلوں، دلدلوں اور پہاڑوں کی موجودگی نے کھیتی باڑی کے لیے بہت کم علاقہ چھوڑا تھا، چنانچہ سکنڈے نیویا والوں نے سمندر کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ انہوں نے مچھلیوں اور دوسرے سمندری جانوروں کا شکار کرنا شروع کردیا۔ وہ بڑے زبردست ملاح تھے۔

اچانک حملے

789ء میں ناروے کے تین بحری جہازوں نے انگلستان کے جنوب میں واقع ایک چھوٹی سی بندرگاہ پر حملہ کر دیا۔ یہ بحری قزاقوں کا پہلا اچانک حملہ تھا۔ نویں صدی عیسوی کے تمام عرصے میں انہوں نے بحرِشمالی سے لے کر بحیرہ روم تک کے ساحلی شہروں پر حملے کئے۔ وہ دریاؤں کے راستے جہاز چلاتے ہوئے ملک کے اندر تک گھس گئے۔ اس کے بعد اُن کے جہاز (drakkars) مالِ غنیمت سے بھرے ہوئے واپس سکنڈے نیویا آئے۔

بحری قزاقوں کی مستقل رہائش

آخر کار 1100ء میں حملے بند ہو گئے۔ بحری قزاق مقامی آبادی کے ساتھ گھل مل گئے۔ بعض جگہوں پر وہ لوگوں میں گھل مل کر ان علاقوں پر قابض ہو گئے اور بعض مقامات سے لوگ اپنے علاقے از خود چھوڑ کر چلے گئے اور یوں انہیں وہاں قابض ہونے کا موقع مل گیا۔

سمندروں میں سفر کیا اور یوں یہ سمندری جنگجو "وائی کِنگ" یعنی بحری قزّاق کہلائے۔

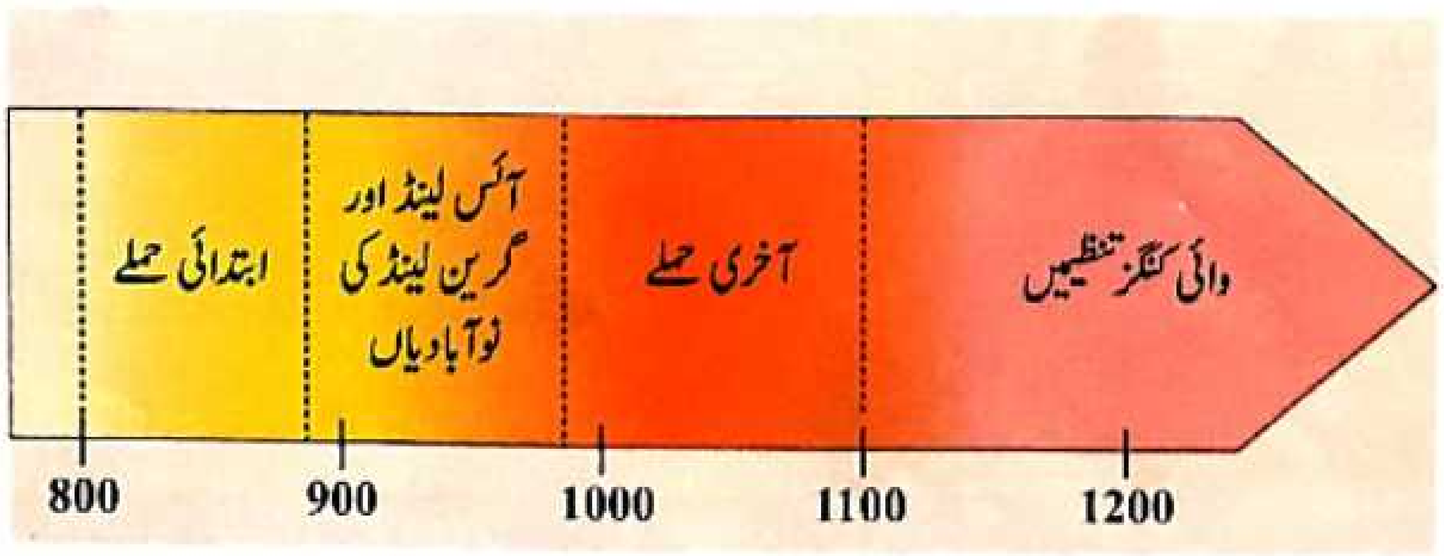

عظیم فاتحین

نامعلوم وہ سوداگر تھے یا نئی زمینوں کے متلاشی مہم جُو یا پھر بحری ڈاکو البتہ وہ یورپ بلکہ اس سے بھی آگے ہر جگہ موجود تھے۔

مشرقی راستوں کے ذریعے

وہ فاتحین سوداگر بھی تھے۔ انہوں نے مشرقی یورپ کے دریا نیپر (Dnieper) اور مغربی روس کے دریا والگا (Volga) تک اپنے اُن بڑے بحری جہازوں کے ذریعے سفر کیا، جو ہلکے پھلکے اور چلانے میں آسان تھے اور سمور، شہد اور غلاموں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔ ایک لمبی مسافت کے بعد بعض مقامات پر دریا اتنے تنگ ہو جاتے کہ جہاز چلانا ممکن نہ رہتا لیکن یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ عملے کے افراد جہاز کو خشکی پر چڑھا لیتے تھے اور پھر لکڑی کے تختوں پر دھکیل کر آگے لے جاتے تھے۔ وسطی یورپ اور جنوب مشرقی یورپ کی ایک قوم سلاوی (Slavs) کے باشندے اُن شمالی مہم جُوؤں کو غلام (Rus) کہا کرتے تھے۔ 882ء میں اُن غلاموں نے کیو (Kiev) سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس طرح روس معرضِ وجود میں آ گیا۔

شمالی اوقیانوس

نویں صدی میں بحری قزاقوں کو معلوم ہوا کہ سکاٹ لینڈ کے شمال میں زرخیز زمینیں ہیں۔ ایک نامعلوم سمندر میں سفر کی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے وہ آئس لینڈ کے ساحلوں تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد 981ء میں سکنڈے نیویا کا ایک مہم جو ملاح "Eric the Real" جس سر زمین میں گیا، اس کا نام اس نے ''گرین لینڈ'' رکھا، یہاں تک کہ وائی کنگز امریکا تک پہنچ گئے۔

یورپ فتح کرتے ہوئے

درجنوں قزاق Rhine اور Seine نامی بحری جہازوں میں گھومتے رہے اور چاندی، ہیرے جواہرات اور خوراک کے ذخیرے لوٹتے رہے۔ 885ء میں انہوں نے پیرس پر حملہ کیا لیکن جلد ہی یہ غارت گر قزاق 911ء میں شاہِ فرانس سے Normandy حاصل کر کے فاتحین میں تبدیل ہو گئے۔

بحری جنگ جُو

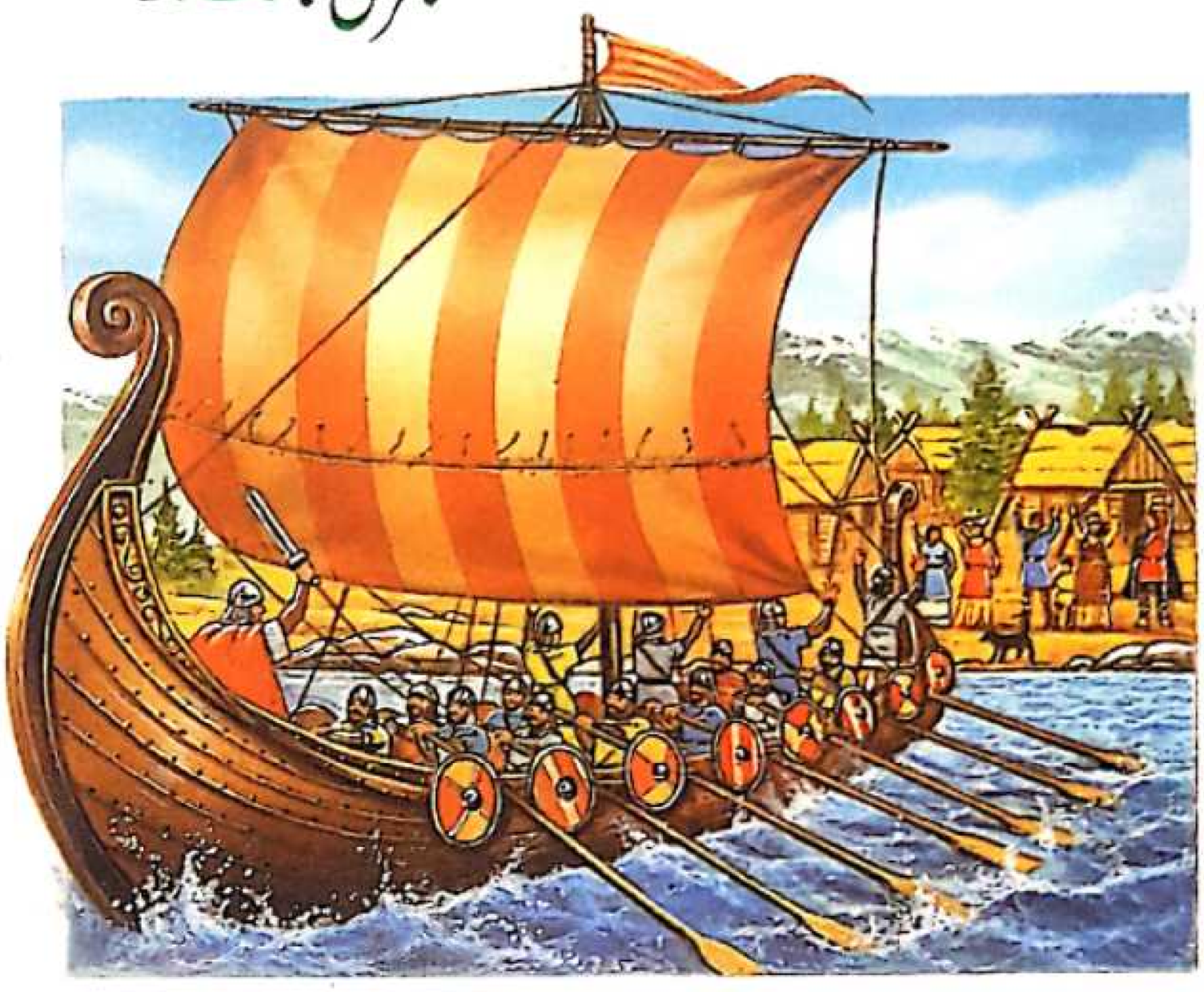

وائی کنگز بہت اچھے جہاز راں لیکن بڑے خوف ناک جنگجو تھے ۔ وہ اپنے مخصوص بحری جہازوں (drakkars) پر سمندروں میں سفر کرتے اور صرف اس جگہ ٹھہرتے جہاں بڑے بڑے خزانے ملنے کی اُمید ہوتی، خواہ وہ خزانے خانقاہوں سے مِلتے یا شہروں سے!

انہوں نے اپنا وطن کیوں چھوڑا؟

جس ملک میں وائی کنگز رہتے تھے، اس کی زمین زرخیز نہ تھی اور وہاں کاشت کاری مشکل تھی۔ انہوں نے نئی اور زیادہ زرخیز زمینوں کو فتح کرنے کے لیے دیہاتوں کو خیر باد کہہ دیا لیکن ان مہمات کے ذریعے انہوں نے، مفتوحہ لوگوں سے چھینی ہوئی دولت اور خزانے لے کر واپس آنے کا مقصد بھی پورا کیا۔ سفر شروع کرنے اور خطرات کا سامنا کرنے سے پہلے وائی کنگز اپنے سردار کے وفادار رہنے کا حلف اُٹھاتے تھے۔

بحری جہازوں کی روانگی

جہاز کے عرشے پر جنگجوؤں کو پتوار چلانے اور مستول کھولنے پڑتے تھے۔ چوڑے پیندے کا بہت بڑا جہاز، جس کا ڈھانچا لکڑی کے تختوں کو جوڑ کر بنایا جاتا تھا، لہروں پر بڑی سرعت سے سفر کرتا تھا۔ جیسے ہی کوئی غیر علاقہ نظر آتا، جہاز کا عملہ ایک خوفناک عفریت کا سر جہاز کے اگلے حصے پر جوڑ دیتا جو عموماً کسی اژدہے کا ہوتا تھا۔ اس کا مقصد دشمن کی شیطانی روحوں کو خوفزدہ کرنا اور وائی کنگز کو محفوظ رکھنا تھا۔

حملہ

جیسے جیسے قزاقوں کے جہاز ساحلوں کے قریب آتے جاتے، اس سرزمین کے باسی خوف کی گرفت میں آ جاتے تھے۔ وہ ابھی بمشکل اپنے لوگوں کو ہوشیار ہونے کا اشارہ ہی دے پاتے تھے کہ قزاق ساحل پر پہنچ جاتے اور اپنی کشتیوں سے چھلانگیں لگا دیتے۔ وہ خوف ناک انداز سے چھلانگیں لگاتے ہوئے ایک منظم صف بندی کر کے اپنی کئی رنگوں والی ڈھالوں کی مدد سے ناقابل شکست انسانی دیوار بنا لیتے اور اُس علاقے کے لوگوں پر تلواروں، نیزوں اور کلہاڑیوں کے حملوں کی بارش کر دیتے تھے۔

عقائد

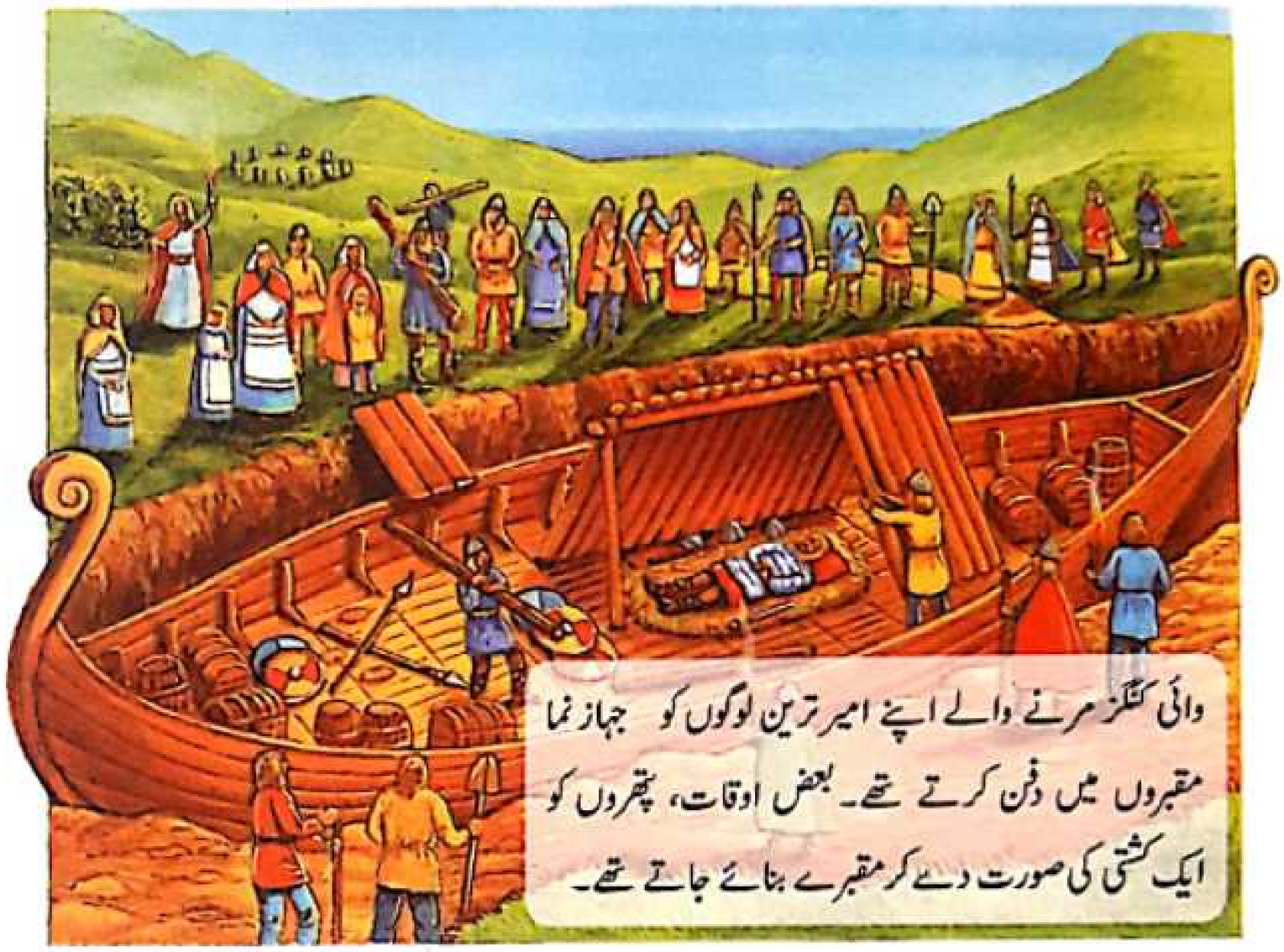

وائی کنگز مرنے والے اپنے امیر ترین لوگوں کو جہاز نما مقبروں میں دفن کرتے تھے۔ بعض اوقات، پتھروں کو ایک کشتی کی صورت دے کر مقبرے بنائے جاتے تھے۔

سکنڈے نیویا کے لوگ کھلے میدانوں میں دعاؤں اور قربانیوں کی رسومات ادا کر کے اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ شیطانی روحوں کی موجودگی پر بھی یقین رکھتے تھے، جو انہیں دیوقامت یا ٹھگنے اور نامکمل جنوں کی صورت میں نظر آتی تھیں۔

اُن کے دیوتا کون تھے؟

طاقت ور ترین اوڈن (Odin) انسانوں کا خالق اور مُردوں، شاعروں اور جنگجوؤں کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ وہ عمر رسیدہ تھا اور اُس کی ایک آنکھ تھی۔ اُسے ہر ایک کے مقدر کا علم تھا اور لوگ اسے ہی پسند کرتے تھے۔ تھور (Thor) زرخیزی کا دیوتا تھا جو فصلیں پکاتا تھا۔ وہ بُرے کردار کا مالک تھا اور عفریت اور انسانی گوشت کھاتا تھا۔ وہ ایک رتھ پر سوار ہوتا جسے بکرے کھینچ رہے ہوتے تھے۔ جب وہ ناراض ہوتا تو وہیں سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہتھوڑا نیچے زمین پر پھینکتا، ایسا کرتے ہی زمین پر آسمانی بجلی گرتی تھی۔

عالمِ بالا

وائی کنگز کا عقیدہ تھا کہ مردے، زندہ لوگوں کی دنیا میں مداخلت کرتے رہتے ہیں۔ وہ خوابوں میں ظاہر ہوتے ہیں، انہیں اشارے دیتے ہیں اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینے کے لیے انہیں ڈراتے ہیں۔ وائی کنگز اپنے آباؤ اجداد سے رابطہ قائم کرنے کے لیے جادُو کیا کرتے تھے۔

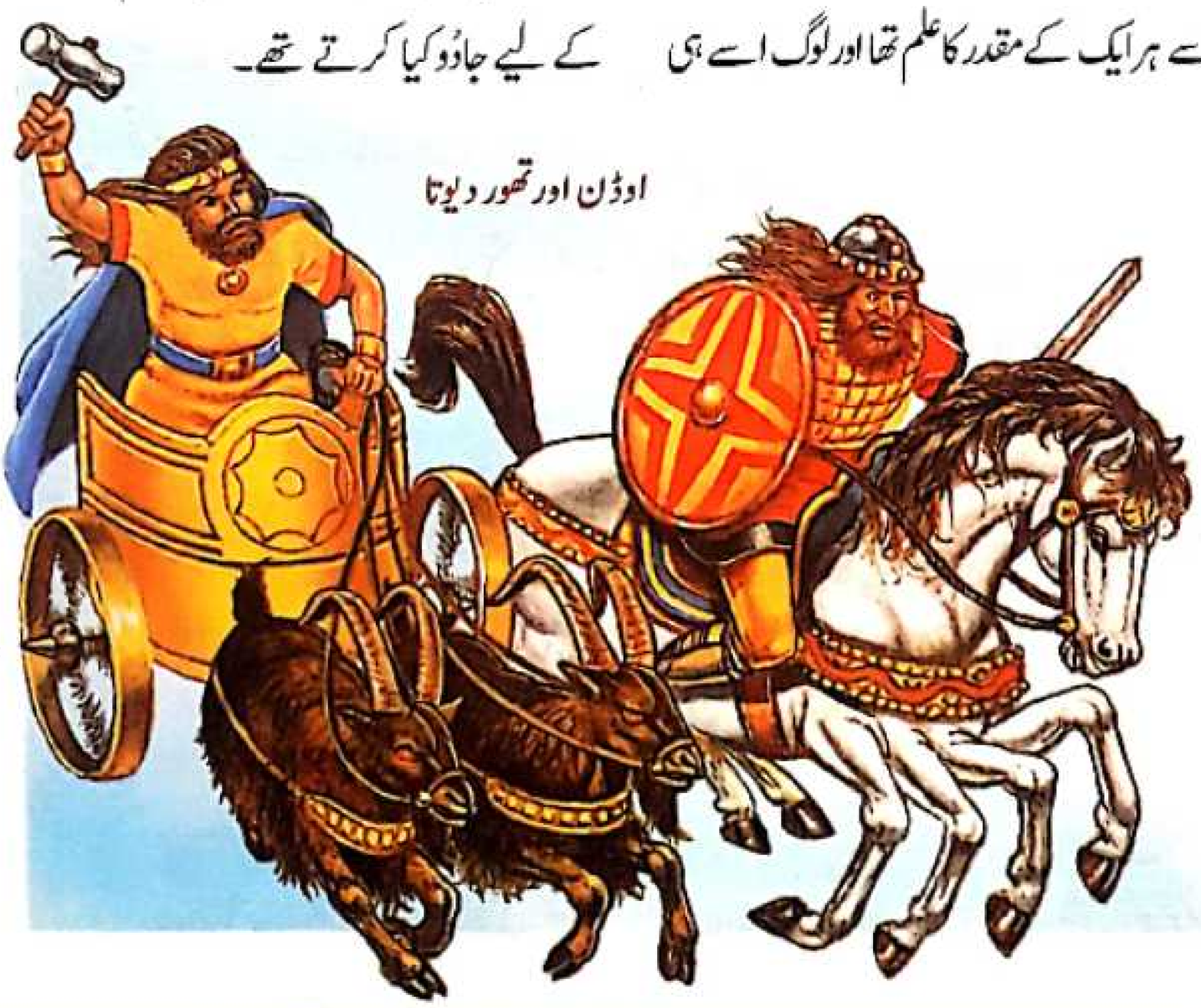

اوڈن اور تھور دیوتا

بہت بڑی جنگ

وائی کنگز کا عقیدہ تھا کہ دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں شر اور بھلائی کے درمیان ہمیشہ سے جنگ جاری ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بربادی آخرکار انسان کا مقدر ہے ۔ دیوتا اور بنی نوع انسان ایک دوسرے کو ہلاک کر دیں گے لیکن ختم ہونے والے لوگ یا دنیا ایک نئی دنیا یا لوگوں کو جنم دے گی۔

روزمرّہ زندگی

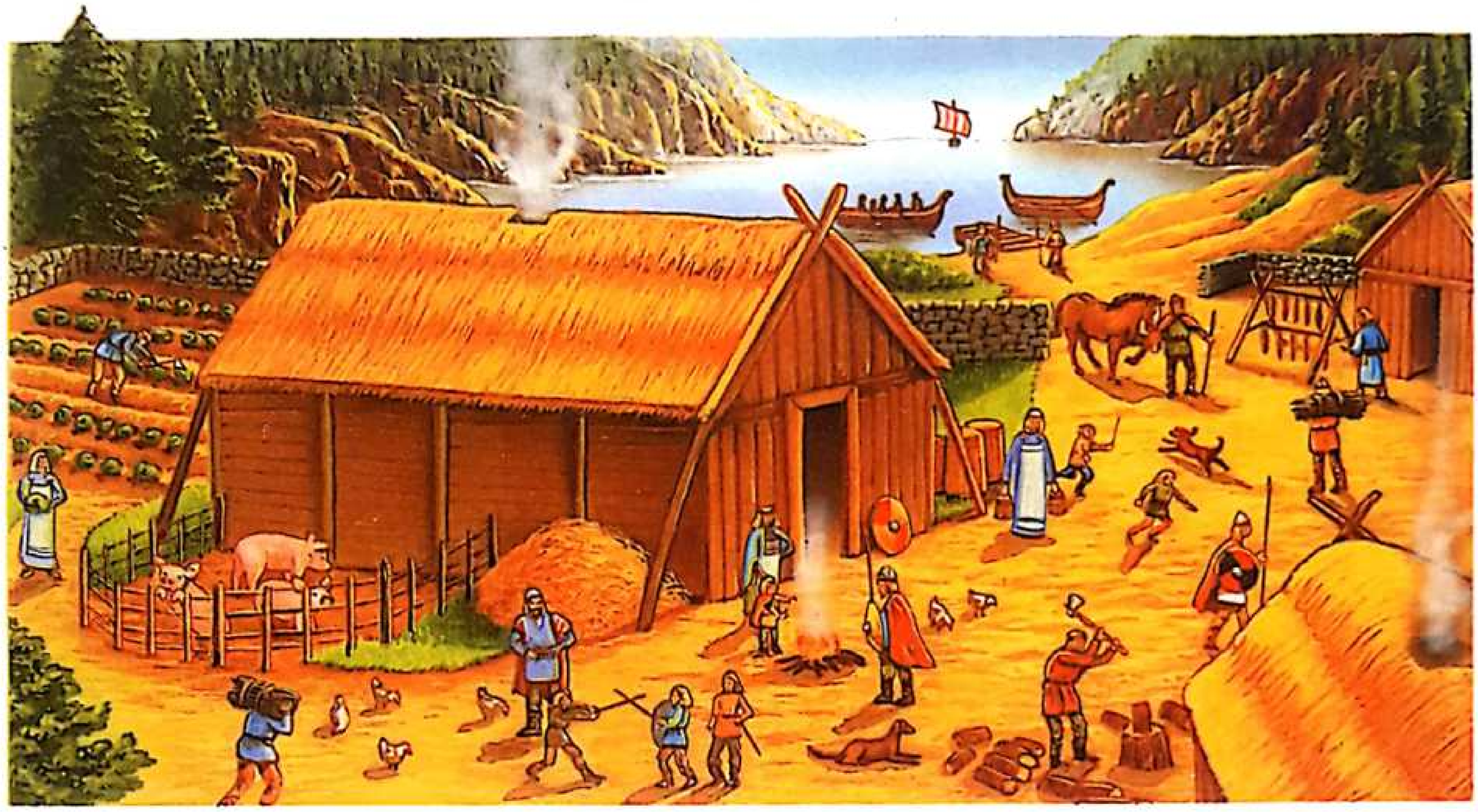

بحری قزّاق جس وقت سمندری سفر یا دوسری مہمات پر نہ ہوتے، اُس وقت وہ چھوٹے چھوٹے قبیلوں کی صورت میں دیہاتوں میں رہتے تھے۔ اس دوران وہ مویشی پالتے، لوہے اور لکڑی سے چیزیں بناتے اور موسموں کے مطابق پُرسکون زندگی بسر کرتے تھے۔

اندرونِ خانہ

اُن کے لکڑی کے گھروں کو بعض اوقات چھوٹی باڑوں کے ذریعے علیحدہ کر لیا جاتا۔ اُن میں روشنی بمشکل ہی ہوتی کیوں کہ عام طور پر ان میں کوئی کھڑکی نہیں ہوتی تھی۔ گھر کے درمیان آگ روشن کر لی جاتی جو روشنی دیتی، گرمی پہنچاتی اور مچھلی اور دلیہ پکانے میں مدد دیتی تھی۔ لکڑی کے بینچ پر بیٹھ کر عورتیں اُون کاتا کرتیں، چوغے اور چادریں بناتیں، جو خاندان کے افراد پہنتے تھے۔

سال کس طرح گزرتا؟

موسم بہار میں آدمی اپنے مویشی چراگاہوں میں لے جاتے، وہ کھیتوں میں ہل چلاتے اور اس کے بعد وہ جو، جئی اور چارہ کاشت کرتے تھے۔ سرد خطوں میں وہ جال لگا کر جنگلی پرندے شکار کرتے اور ان کے انڈے جمع کیا کرتے تھے۔ موسمِ خزاں میں زمین کے مالک اپنے گھریلو جانوروں کی نگہداشت کرتے تھے جن میں بھیڑیں، بکریاں، گائیں اور سؤر وغیرہ شامل ہوتے تھے۔ جانوروں کو موسم سرما سے محفوظ رکھنے کے لیے وہ باڑھ بنا لیتے۔ شراب کشید کی جاتی اور کاڈ مچھلی کو خوراک کے طور پر استعمال کرنے کے لیے خشک کر لیا جاتا تھا۔

کھیلیں اور دعوتیں

یہ قوم ایسی پُرمسرت ضیافتوں کو بہت پسند کرتی تھی جن میں شراب کی بوتلوں کی قطاریں لگی ہوتیں۔ موسم سرما میں وہ کشتی چلاتے، منجمد جھیل پر یا برف سے ڈھکی ڈھلانوں پر پھسلتے اور آپس میں مختلف مقابلے کرتے۔ شام کے وقت پانسوں سے جُوا کھیلتے اور اپنے داؤ پیچ اور چالاکیاں بیان کرتے تھے۔

قزّاق بچے

ان کے خاندانی رشتے بے حد مضبوط ہوتے تھے اور ان میں رشتوں کا بہت احترام تھا۔ بچوں کو سکھایا جاتا تھا کہ اگر کوئی دشمن تمھیں یا تمہارے خاندان کو نقصان پہنچائے تو اُس سے انتقام ضرور لینا ہے۔

نوزائیدہ بچہ

وائی کنگز بچے کے استقبال کی تیاری خوش دلی سے کرتے اور اُس کی ماں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ بچے کی پیدائش کے بعد اس کی دیکھ بھال کرنے والی دایہ نوازئیدہ بچے پر مقدس پانی چھڑکتی اور اسے آسمان کی طرف اُٹھاتی، جیسے وہ اسے دیوتاؤں کو پیش کر رہی ہو۔ بعض اوقات باپ معذور یا بدصورت بچے کو مسترد کر دیتا اور اسے کسی گمنام جگہ پر اکیلا چھوڑ دیتا تھا، جہاں اس کے زندہ بچ جانے کا امکان بہت کم ہوتا تھا۔

ناموں کے انتخاب کا طریقہ

وائی کنگ بچے کو محض خاندانی نام سے نہیں پُکارا جاتا تھا بلکہ اسے ''فلاں کا لڑکا یا لڑکی'' کہا جاتا، چنانچہ اس کا پہلا نام بڑی احتیاط سے چُنا جاتا تھا۔ بچے کا نام کسی دیوتا یا جانور کے نام پر رکھا جاتا۔ پہلے نام کے ساتھ کوئی صفاتی نام لگا کر اُسے مکمل کیا جاتا تھا۔ جیسے کچھ وائی کنگ بچوں کو اس طرح پکارا جاتا تھا: ہیرالڈ، ''نیلے دانت والا''، سوین، ''دوشاخہ ڈاڑھی والا'' ایرک، ''خونیں کلہاڑے والا''۔

تعلیم

وہاں کوئی مدرسہ نہ تھا اس لیے صرف چند وائی کنگ ہی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ تاہم، چند نو عمر لڑکے رون رسم الخط کے کچھ حروف سیکھ لیتے تھے۔ تعلیم کئی نسلوں پر محیط آباؤاجداد کے نام یاد کر لینے پر مشتمل تھی۔ اُن کی زندگی کی اہم مصروفیات لڑائی، گھڑسواری، تیراکی اور تلوار چلانا وغیرہ سیکھنا تھا۔

ان بڑے بڑے پتھروں پر وائی کنگز کی فتوحات کے قصے کندہ ہیں۔

بینن کی سلطنت

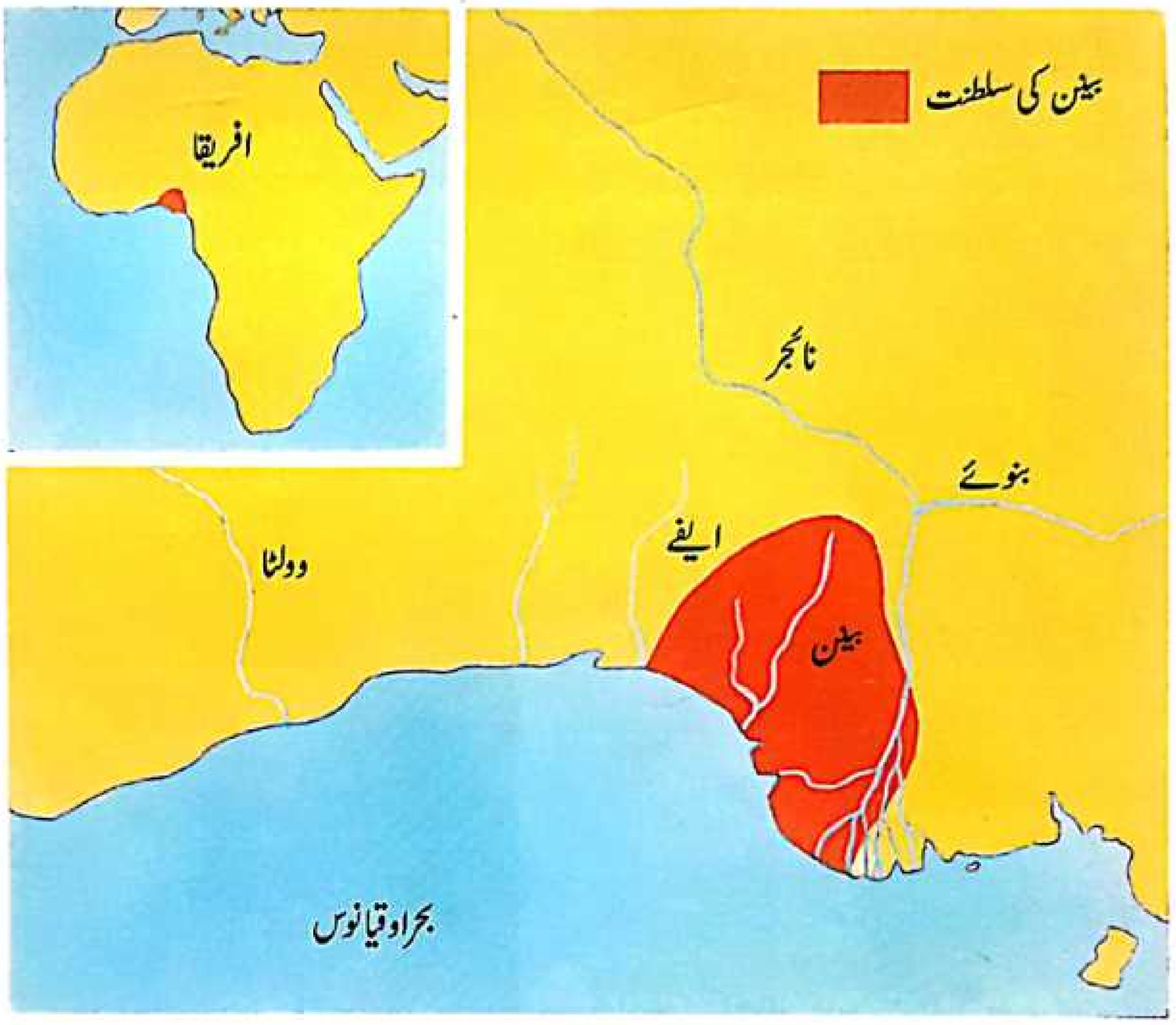

ساتویں صدی عیسوی سے قبل افریقا کی تاریخ کے متعلق بہت کم معلومات حاصل تھیں۔ یہ اُس وقت ممکن ہوا جب یورپ میں قرونِ وسطیٰ کے دَور میں بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں، جہاں بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ وہ ریاستیں صحارا کے جنوب میں استوائی جنگلوں کے عین درمیان میں بڑے بڑے دریاؤں کے کناروں پر اور جھیلوں کے اردگرد واقع تھیں۔ اُنیسویں صدی میں اُن حکومتوں میں سے کوئی بھی یورپی تسلّط کا مقابلہ نہ کرسکی۔

صحارا سے آگے

صحارا کے جنوب میں سرحد پر رہنے والے لوگ، شمالی افریقا میں رہنے والی بربر آبادی کے ساتھ کاروبار کرتے تھے۔ ایک لمبے عرصے سے اُونٹنیوں کی پشت پر نمک، کولا کے بیج اور خاص طور پر سونا لاد کر اس صحرا کو عبور کیا جاتا تھا۔ پانچویں اور گیارہویں صدی میں گھانا کی حکومت نے تجارت کے ذریعے اپنی دولت میں اضافہ کیا جس پر مکمل طور پر حکومت کا قبضہ تھا لیکن گیارہویں صدی میں شمال کے لوگوں نے، جو اسلام قبول کر چکے تھے، افریقا کے اس حصے کو فتح کر لیا۔ اس طرح دریائے نائیجر کے کناروں پر مالی اور جھیل چاڈ کی سرحد پر کانم بورنو (Kanem Bornou) جیسی نئی اور وسیع مسلم ریاستیں قائم ہوگئیں۔

بینن کی سلطنت

ایسا بہت کم ہوتا کہ افریقا میں ایک بادشاہت صحیح معنوں میں کسی سلطنت میں بدل جائے۔ یہی صورتِ حال بینن (Benin) کی بادشاہت کے ساتھ تھی۔ یہ بادشاہت مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں کا حصہ نہ تھی۔ یہ بارہویں صدی میں معرضِ وجود میں آئی اور بعد میں پندرہویں صدی تک لاگوس (Lagos) کے علاقے سے پھیلتی ہوئی دریائے نائیجر تک پہنچ گئی۔ یہ وہ دَور تھا جب بینن میں ڈھلائی کے ماہر کانسی کی ڈھلائی کے فن میں بھی عروج حاصل کر چکے تھے۔

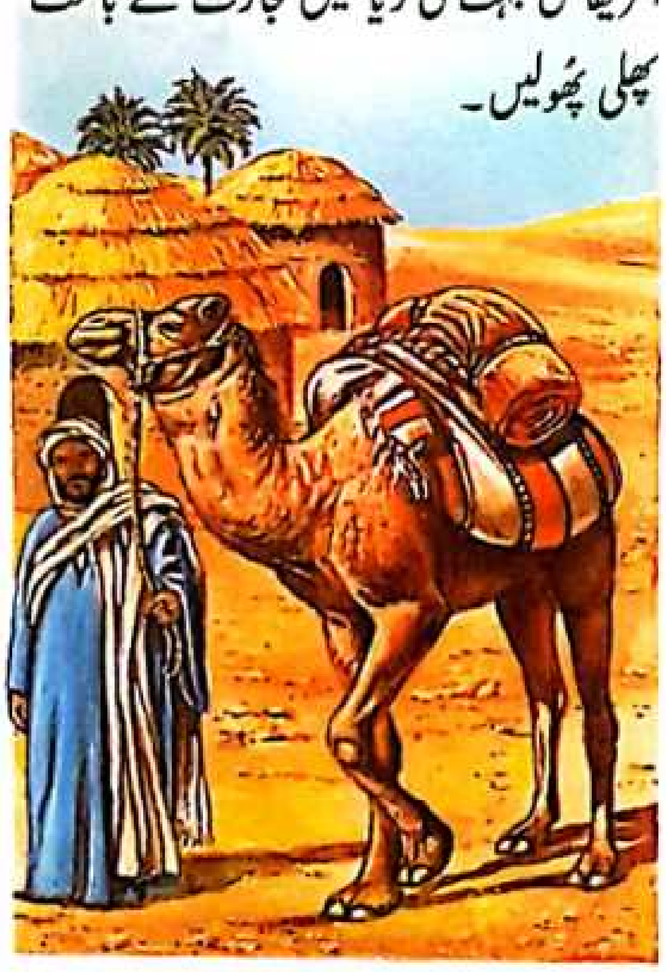

افریقا کی بہت سی ریاستیں تجارت کے باعث پھلی پھُولیں۔

اوبا، سردار دیوتا

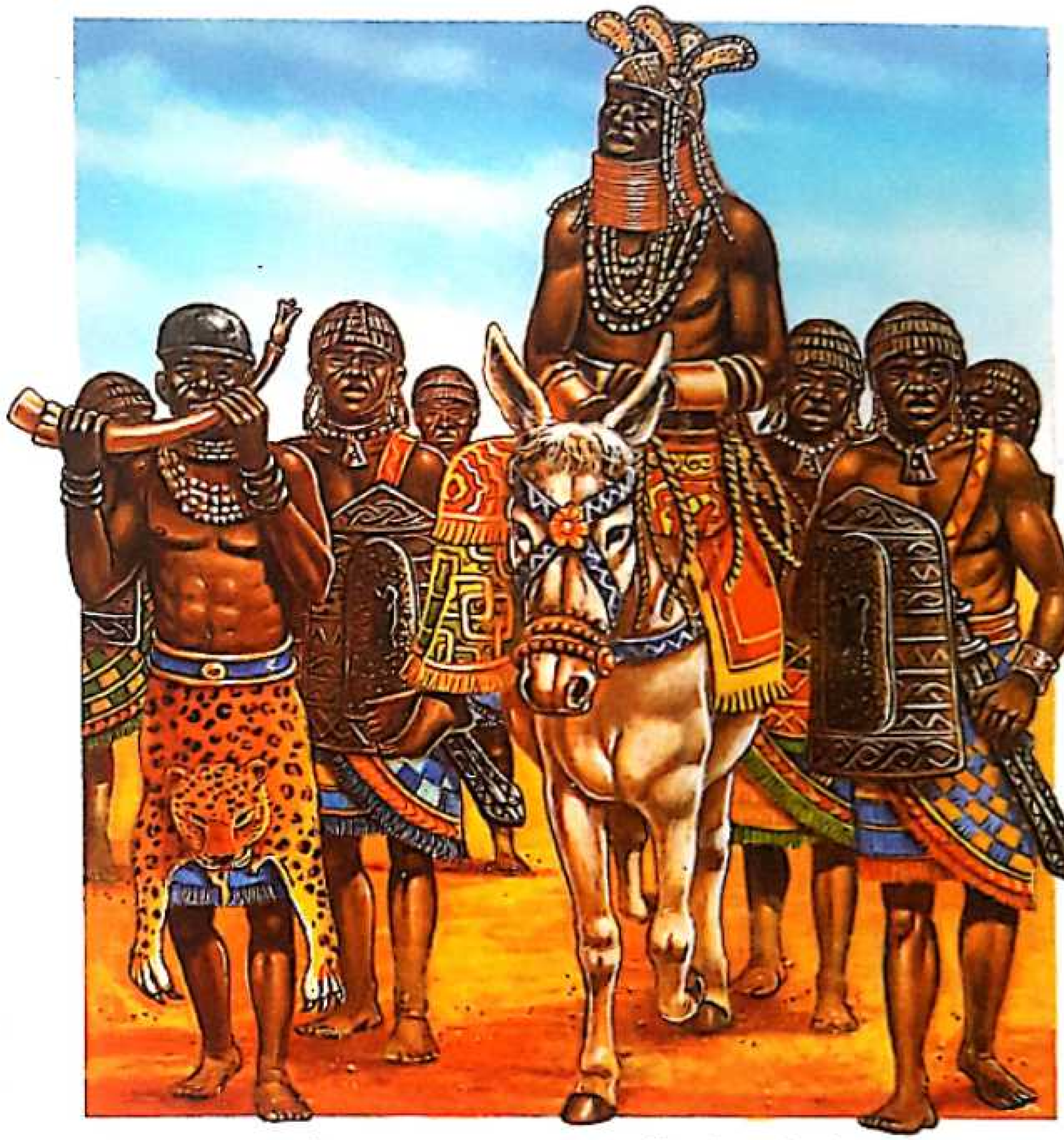

اوبا (Oba) بینن کا بادشاہ تھا، جو بادشاہت کی طاقت، عظمت اور دولت کا مظہر تھا۔ اُس کے بہت سے سرکاری اُمرا اور گورنر ہوتے جو حکومت کے معاملات میں اُس کی مدد کرتے تھے۔

اوبا، ایک دیوتا، جو انسان کے روپ میں نازل ہوا

بادشاہ ایک مقدّس انسان سمجھا جاتا تھا۔ اس کی رعایا اُسے دیوتا کی طرح پُوجتی تھی۔ سب کا عقیدہ تھا کہ اُس کے پاس جادوئی قوتیں ہیں۔ جب وہ 28 لڑیوں والا ہیرے کا ہار پہنتا تو کیا اس کے سامنے جو خواہش بیان کی جاتی، پوری نہ ہو سکتی تھی؟ ایڈوز (Edos) یعنی اس مملکت کے لوگ اس زندہ دیوتا کی بہت عزت کرتے جو اُن کے عقیدے کے مطابق نہ کھاتا، نہ پیتا اور نہ ہی سوتا تھا۔ اس کی موت کے بعد انہوں نے اُس کا مجسمہ ڈھالا اور محل میں بنائی گئی ایک قربان گاہ پر رکھ دیا۔ ایڈو لوگ جو مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتے تھے، بادشاہ کے ساتھ دفن ہونے کی خاطر آپس میں لڑنے لگے۔

اوبا کی زیارت

ہر سال ایگو (Iguc) کے تہوار پر اوبا اپنے محل سے باہر نکلتا تھا۔ سازندے گھنٹیاں اور نرسنگھے بجا کر اس کی آمد کا اعلان کرتے۔ وہ دن کی کھلی روشنی میں شاہی لباس پہنے مسلح سپاہیوں اور خادموں میں گھرا ہوا نمودار ہوتا تھا۔

سرکاری افسر

اوبا نے صحیح معنوں میں اپنی سلطنت کا انتظام سنبھالا تھا۔ صوبوں میں گورنر اُس کے احکامات پر عمل درآمد کراتے تھے۔ دیہات میں سردار اور بزرگ اس کے اختیارات کی نمائندگی کرتے اور محل میں سینکڑوں افسر اور خادم امورِ سلطنت میں اس کی مدد کیا کرتے تھے۔

اوبا کا انتخاب

اوبا کی وفات کے بعد سردار اور بزرگ اس کے بیٹوں میں سے نئے اوبا کا چناؤ کرتے جو اس کی بے شمار بیویوں میں سے ہوتے تھے۔ ایک تقریب کے دوران نیا حکمران دیہات کے سرداروں سے ایک نقلی لڑائی لڑتا، اس کے بعد وہ واحد حکمران کی حیثیت سے حکومت کرنے لگتا تھا۔

بینن، شہرِ فن

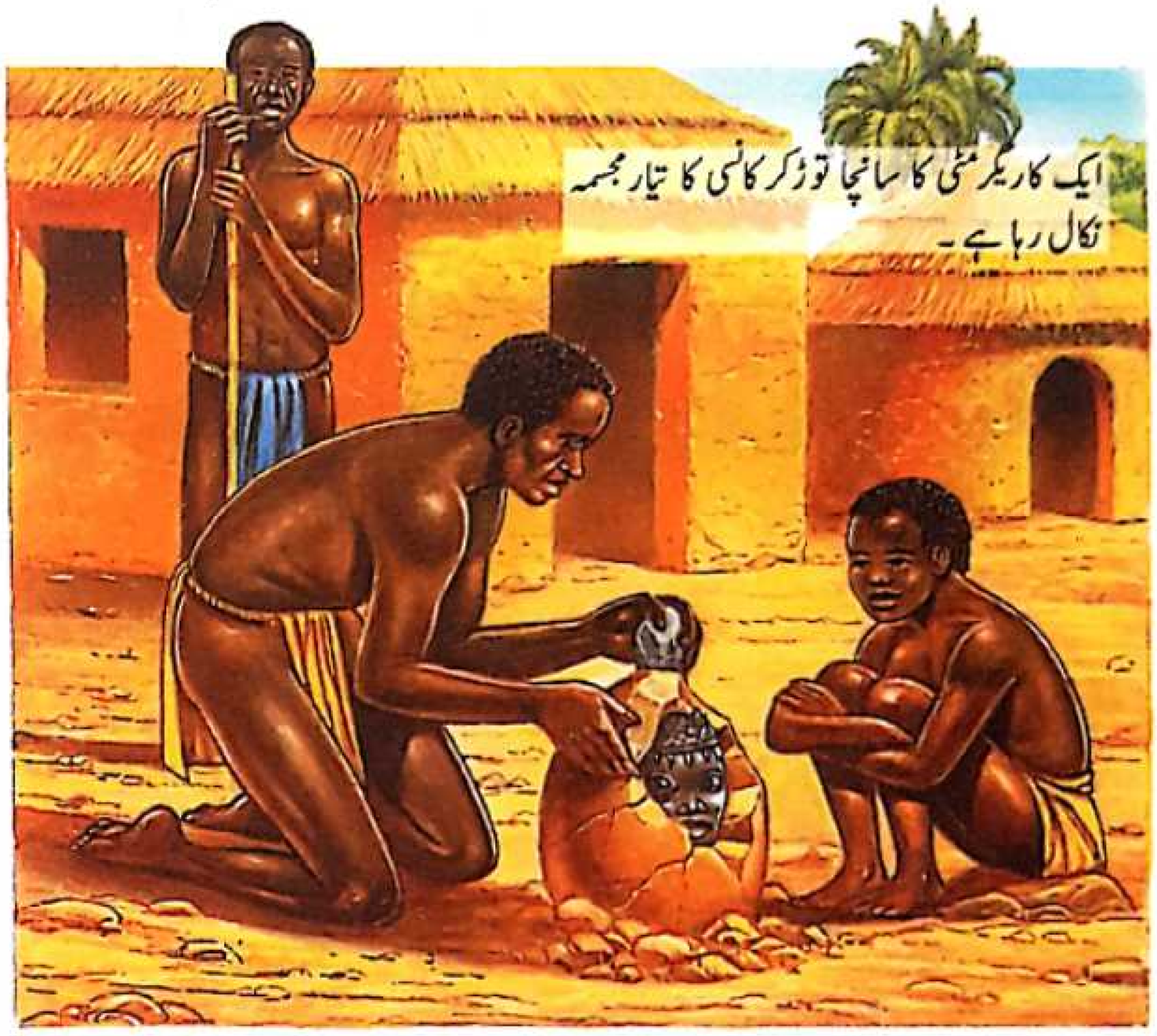
ایک کاریگر مٹی کا سانچا توڑ کر کانسی کا تیار مجسمہ نکال رہا ہے۔

شہر بینن ایک شاندار دارُالحکومت تھا، جس سے سلطنت کی شان وشوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ محل اعلیٰ درجے کے فن پاروں سے بھرا پڑا تھا۔ کانسی میں ڈھالے گئے اوبا کے سرخوبصورتی میں دیگر تمام فن پاروں سے سبقت لے گئے تھے۔

کاری گروں کا قصبہ

ایک خندق اور درختوں کے تنوں سے بنے ہوئے دُہرے پشتوں سے شہر کی حفاظت کی جاتی تھی۔ اس حصار کے اندر کُشادہ سیدھی گلیاں تھیں جن کے اطراف میں ایک منزلہ مکانوں کی قطاریں تھیں۔ ہر رہائشی علاقہ کسی نہ کسی پیشہ ورفن کاروں کے لیے مخصوص ہوتا تھا، مثلاً ہاتھی دانت اور لکڑی کے مجسمہ ساز، ڈھول بنانے والے، چمڑے کا کام کرنے والے، جولاہے، بڑھئی، کانسی کے مجسمے، برتن اور چیزیں ڈھالنے والے وغیرہ وغیرہ۔

اوبا کو مقدّس بنانے کا فن

آرٹ ایک ایسا اعزاز تھا جسے اوبا نے اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ وہ واحد آدمی تھا جسے مرجان کا گلو بند پہننے کی اجازت تھی۔ کوئی کاریگر اُس کی اجازت کے بغیر کانسی کو ڈھال کر یا ہاتھی دانت سے مجسمہ سازی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کانسی کی خوبصورتی امارت، بادشاہت یا شہنشاہیت کی علامت تھی اور ہاتھی دانت پاکیزگی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ باہر سے آنے والے لوگ محل میں رکھے گئے لکڑی، ہاتھی دانت اور کانسی سے بنے ہوئے مجسموں اور ماسک کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے۔

کانسی کا کام

چودھویں صدی عیسوی میں ہمسایہ شہر ایفے (Ife) کا ایک ڈھلیا اپنے فن کے کمالات دِکھانے بینن آیا۔ کاریگروں کی نگرانی میں اس نے مٹی سے ایک چہرہ بنایا، پھر اس نے اس پر موم کی ایک پرت چڑھا دی، جس پر بعد میں دوبارہ مٹی چڑھا دی گئی۔ موم کو آگ سے پگھلا کر خارج کر دیا گیا۔ اس کے بعد کاریگر نے خالی جگہ کو ڈھلی ہوئی کانسی سے بھر دیا۔ آخر میں جب سانچا ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے بڑی احتیاط سے سانچے کو توڑ دیا۔ کانسی کا ایک شاندار مجسمہ تیار تھا۔

کانسی میں ڈھلا ہوا اوبا کا سر

تہذیبوں کے اَدوار

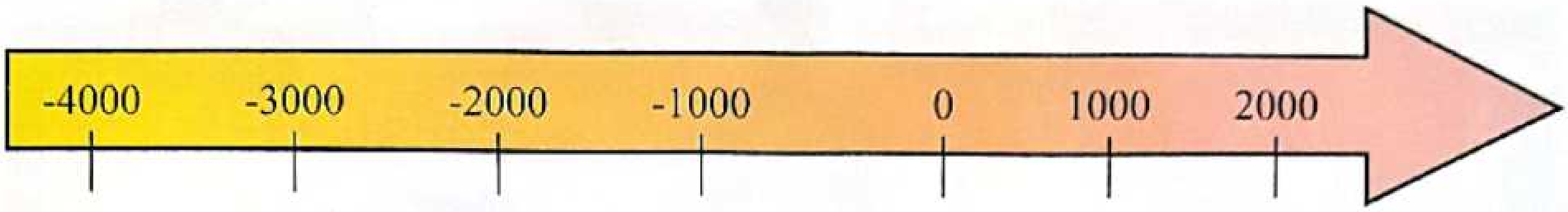

میسوپوٹامیا

مصر

یونان

روم

چین

جاپان

ہندوستان

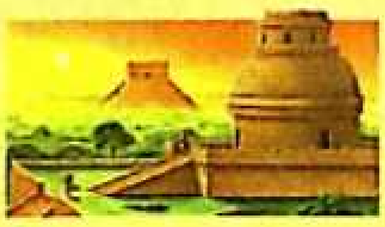

مایائی

ازٹک

انکا

بحری قزاق

بینن کی سلطنت

کوئی بھی تہذیب محض ایک دن میں وجود میں نہیں آتی، نہ ہی ایک ہی دن میں ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین کی طرف سے تہذیبوں کے عروج و زوال سے متعلق دی جانے والی تاریخوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ماہرینِ آثارِ قدیمہ میسوپوٹامیا میں فن تحریر کے ظہور کی ابتدائی تاریخ (3300 قبل مسیح یا 3200 قبل مسیح) اور اس تہذیب کی ابتدا کا وقت بتانے سے قاصر ہیں۔ ممکن ہے کہ پرانے آثار ابھی تک زمین کے نیچے کہیں دفن ہوں، جو کبھی ہمیں اصل حقائق بتا سکیں۔